



ماہنامہ محدث لاہور

شمار نمبر: 27، 28 --- جلد نمبر 3 --- شمارہ نمبر 5، 6 --- مئی، جون 1973ء --- جمادی الاول والثانی 1393ھ

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے۔ جس کا نام محدث

تھا کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور

حافظ عبدالرحمن مدنی نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ 1970ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور
محدثانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: 20 روپے زیر سالانہ: 200 روپے بیرون ملک: 20 ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ 200 روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔

ایڈریس: ماہنامہ محدث، 99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون نمبر: 35866476 / 3586639 - 042

موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com



اجرائے محدث کے مقاصد

عناد اور تعصب قوم کیلئے زہرِ بلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاترہ کرافہام و تفہیم امت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوسِ بتانا امت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانازندگی سے فرار ہے!

لیکن جدوہودین سیاست سے تورہ جاتی ہے چنگیزی۔

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

مجموعہ

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فہرست

3	حرفِ اول
5	”رسول الرحمة محمد صلی اللہ علیہ وسلم“
7	کارنامہ سیرت، بے رحم تاریخ کی کسوٹی پر
23	مقامِ محمدی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مسیحیت کی نظر میں
30	آغازِ وحی سے ہجرت تک
42	معراجِ نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
46	مدینے میں ماہِ تمام آگیا ہے
48	سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بحیثیتِ مؤسس و مدبرِ ریاست
59	رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بحیثیتِ منصف اور قانون ساز
65	خاتم النبیین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
69	نعتِ رسول مقبول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
70	ہستی بے قرار
75	اے اُمّتِ رسول مقبول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
78	رسولِ رحمت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
103	جنابِ رسالتِ مآب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
104	رسول مقبول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی معاشی زندگی
111	مطالعہ و تالیفِ سیرت کے چند پہلو
117	سرورِ کائنات کی حیاتِ طیبہ
125	تعارف و تبصرہ کتب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

- 127..... سکھائے تو نے محکوموں کو آدابِ جہانبانی
- 128..... ہستی بے مثال ﷺ
- 131..... حُبِ رسول ﷺ کے تقاضے
- 134..... انسانی تاریخ کا حیرت انگیز معجزہ
- 138..... حضرت محمد ﷺ اور معجزات
- 143..... کمالِ عبدیت
- 144..... رسولِ مقبول ﷺ ایک مقتن کی حیثیت سے
- 152..... رسولِ اکرم ﷺ بحیثیت تاجر
- 161..... رہِ خلد ہے راہِ کوئے محمد ﷺ
- 162..... مطالعہ سیرتِ نبوی ﷺ کی ضرورت و اہمیت
- 167..... محمدی انقلاب

حرفِ اول

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! ”محدث“ کا حالیہ شمارہ ہم حسبِ اعلان ”رسول مقبول ﷺ نمبر“ کی صورت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس خاص نمبر کے اعلیٰ معیار سے متعلق کسی قسم کا دعویٰ تو جرأت ہوگی کیونکہ اس کا موضوع ہی سید المرسلین، امام المتّقین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی بحیثیتِ رسول ہے۔ تاہم یہ چند حروف بطور اظہارِ تشکر و امتنان تحدیثِ نعمت کی غرض سے عرضِ خدمت ہے۔

تقریباً دو ماہ قبل ادارہ نے رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ اپنی عقیدت کے اظہار اور جذبہٴ اتباعِ سنت کے احیاء کی غرض سے اپنی خصوصی اشاعت پیش کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن مدت کی قلت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس منصوبہ کو بہت زیادہ وسعت دینے سے احتراز کیا۔ نیز جن اہل علم و قلم حضرات سے اس سلسلہ میں رابطہ پیدا کیا گیا ان کے متعلق بھی خیال تھا کہ شاید گرمی کی شدّت اور دقت کی قلت کے سبب ان سب کے مضامین ہمیں حاصل نہ ہو سکیں، اور جو ہوں وہ بھی ضخامت کے لحاظ سے مختصر ہوں۔ لیکن ”رسول مقبول ﷺ“ کے موضوعِ خاص سے دلچسپی کے سبب سے ہمارے مہربانوں نے نہ صرف ہم سے خصوصی تعاون فرمایا بلکہ ”محدث“ کے امن کو اپنے گلہائے رنگ رنگ سے اس طرح لالہ زار بنا دیا کہ چشمِ طلب دیدہ حیراں بن کر رہ گئی اور تنگیِ داماں کا احساس ہونے لگا اور اس طرح محدث کا یہ خاص نمبر ہمارے اعلان سے تقریباً دو گنا بڑا نظر آیا۔ لہذا اب ہمارے لئے یہ مشکل پیدا ہوئی کہ ہم اپنے مخلص معاونین کی تمام نگارشات کو ”خاص نمبر“ میں کس طرح پیش کریں جب کہ کاغذ وغیرہ کی گرانی نے پہلے ہی سرگرانی میں مبتلا کر رکھا ہو۔ اس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ مضامین کا انتخاب کر لیا جاتا لیکن یہ اس لئے ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ ہماری فرمائش پر جس طرح ہمارے محترم اہل علم حضرات نے صاد کیا، اس کے بد ہم اپنی طرف سے کسی معذرت کی گنجائش نہ پاتے تھے۔ خصوصاً جب کہ ہر مضمون کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاں جاست

کا مصداق ہو۔

ان حالات میں ہم نے گرانی کا چیلنج قبول کرتے ہوئے یہ حوصلہ کر لیا ہے کہ ہم ”رسول مقبول ﷺ نمبر“ میں ہی جملہ مضامین شائع کریں گے۔ مگر اس طرح کہ ”رسول مقبول ﷺ نمبر“ کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پہلا حصہ اب پیشِ خدمت ہے اور دوسرے حصے کا تفصیلی اعلان عنقریب کر دیا جائے گا۔

اپنے قارئین اور احباب سے یہاں اتنی معذرت ضروری ہے کہ مضامین یکے بعد دیگرے حاصل ہوئے اور ”رسول مقبول ﷺ نمبر“ کے دو حصوں کا پہلے سے فیصلہ نہ ہونے کی وجہ سے انہیں انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔ کیونکہ ہم نے جملہ مضامین کتابت کرانے کے بعد دو حصوں کو الگ الگ کیا۔ تاکہ ہر دو حصص کا معیار برابر رہے۔ اس طرح سے ہمیں مزید کاتب صاحبان کی خدمات حاصل کرنا پڑیں جو ہمیں بروقت حاصل نہ ہو سکیں۔ امید ہے کہ تاخیر کا یہ عذر مقبول ہو گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آخر میں ادارہ ان تمام حضرات کا بے حد شکر گزار ہے جن کے تعاون سے یہ اہم نمبر ترتیب پا کر تکمیل تک پہنچا۔ خصوصاً ان تمام حضرات کے ہم بہت زیادہ ممنون ہیں، جنہوں نے اپنے مضامین کی وجہ سے ہمیں دوسرا حصہ بھی، پہلے حصہ کی طرح 'وقع اور عظیم نمبر' کی صورت میں پیش کرنے کا اعزاز بخشا۔

بہت سے دیگر اہم مضامین کے علاوہ مرحوم شخصیتوں مولانا ابوالکلام آزاد اوقاضی لہری، مامون صوری، قاضی صاحب کا غیر مطبوعہ مقالہ ہم دوسرے حصہ میں پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ!

”رسول الرحمة محمد صلى الله عليه وسلم“

(لقد جاءكم رسول من أنفسكم، عزيز عليه ما عنتم، حريص عليكم، بالمؤمنين رءوف رحيم).
هكذا وصف الله نبيه محمداً عليه الصلاة والسلام وهو يخاطب أتباعه المؤمنين بأن محمداً كثير الحرص عليهم وشديده إذ يهبه ما ينفعهم ويسره، ويجزئه ما يضرهم ويخرجهم، وكان بالغ الرحمة والرأفة بهم، هذا هو موقف نبي الرحمة من أمته.

وقد أوجز عليه الصلاة والسلام الهدف من رسالته فيما أوتي من جوامع الكلم حيث يقول عليه الصلاة والسلام: ”إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق“ ومن تلك الأخلاق الكريمة التي بعث نبينا لإتمامها والدعوة إليها وحث أتباعه عليها بشتى الوسائل ومختلف الأسلوب ”الرحمة“. وكانت رسالته رحمة للعلمين (وما أرسلناك إلا رحمة للعلمين). وكان جهادة و قتاله رحمة إذ لم يغز ولم يقاتل قط عصبية وتشفياً. ولم يقاتل لحب الاستعلاء والسيطرة والاستعمار، ولكنه كان يجاهد ليخرج الناس من الظلمت إلى النور، ليخرجهم من ظلمة الجهل إلى نور العلم والبعرفة، من ظلمة الشرك والتذلل للمخلوقين إلى عز التوحيد والإخلاص بعيداً من المواقف التي لا تسائر الرحمة، ولذا كان يحفظ للبلدان المفتوحة مكانتها وكرامتها ولا يهين أهلها.
وكل من يدرس تاريخ الإسلام ويسرته العطرة يدرك ما كان للذميين من الحقوق في الإسلام ويدرك من ذلك حمة ما قلناه نحو جهادة و قتاله عليه الصلاة والسلام.

وأما تعالیه عليه الصلاة والسلام فتنبى ما یکنه صدره الواسع علیه الصلاة والسلام من الرحمة والرأفة والإنسانية والنبيل، فلنستعرض بعض النصوص النبوية التي تفيض بهذه المعاني بأوسع مفهومها، يقول رسول الرحمة عليه الصلاة والسلام: ”ارحموا من في الارض يرحمكم من في السماء“ ”من لا يرحم لا يرحم“ ”الراحمون يرحمهم الرحمن“ ”ليس منا من لا يرحم صغيرنا ولا يؤقر كبيرنا ولا يعرف لعلمائنا قدرهم“. ”ثم يقول: ”ليس منا من بات شبعاناً وجاراً جائع“. إلى آخر النصوص الكثيرة التي يحث فيها عليه الصلاة والسلام أتباعه على التراحم فيما بينهم على اختلاف طبقاتهم بحيث يرحم الصغير فيهم ويعطف على الضعيف البعدم الفقير، ويحترم فيهم الكبير وينزل العلماء منازلهم اللائقة بهم لأنهم ورثة الأنبياء وبعد.
وهل هناك حياة أرحم من هذه الحياة وأسعد؟ أو هناك دين أنزه وأنبل من هذا الدين؟ ثم هل هناك نبي

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اُکرم وأرحم من النبی □ هذا دینہ وتلك شریعتہ ؟ لا وألف لا !

ولو طبق المسلمون عملياً هذه التعاليم الرحيمه لعاشوا أسعد الحياه وأرحمها ولدخل الناس في هذا الدين أفواجاً ليتبعوا برحمه هذه الرساله المحمديه.

ولكن مواقف كثير من المنتسبين إلى الإسلام هو الذي حال بين الناس وبين التمتع برحمه الإسلام وعزه، فليس العيب عيب الرساله وصاحبها. حاشاً أن يكون فيها أى عيب. ولكن العيب عيب المسلمين الذين لم يتذوقوا معنى الإسلام وما فيه من شيم الأخلاق التي منها [الرحمة]. ومن أراد الله له التوفيق والهداية من غير المسلمين إذا أراد أن يفهم الإسلام على حقيقته في رحمته وعدالته وعزته ونبل أهدافه فليدرس الإسلام في مصادره وفي سيرة نبيه وخلفائه وسلف هذه الأمة بعد أن يغلق الباب على نفسه لئلا يرى المسلمين الحاضرين وأخلاقهم وتصرفاتهم البعيده عن تعاليم الإسلام فيقع في حيرة من أمره. كما هو الواقع. فيحرم بذلك التمتع بهذا الدين ورحمته وما أعد لأتباعه. حقاً. في الدار الآخرة دار الجزاء والكرامة، والله المستعان.

وختاماً أسأل الله الكريم رب العرش العظيم أن يهدي قادة المسلمين حيثما كانوا، ليفهموا الإسلام من جديد ويعتزوا به ثم ليقوموا بالدعوة إليه، إنه أقرب مسئول وخير مجيب.

وصل اللهم وسلم وبارك على من أرسلته رحمة للعالمين محمد وآله وصحبه.

محمد أمان بن علي الأثيوبي (الأستاذ بالجامعة السلفية، لائفور).

محکم دلائل وبراین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رحمۃ للعالمین

مولانا ابوالکلام آزادؒ

کارنامہ سیرت، بے رحم تاریخ کی کسوٹی پر

ترجمان القرآن میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم و مغفور نے سورۃ انبیاء کی آیت (106) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ کے حواشی میں یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ کے ظہور کو دنیا کے لئے رحمت قرار دے کر قرآن نے ایک کسوٹی ہمارے حوالے کر دی ہے جس پر اس ظہور کی ساری صداقتیں ہم پر کھ سکتے ہیں۔ ساتھ ہی فرمایا کہ مقدمہ تفسیر کے ایک باب کا موضوع یہی مسئلہ ہے جس میں مذہبی خوش اعتقادی سے الگ رہ کر صرف تاریخ کی بے لاگ اور بے رحم روشنی میں اس حقیقت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مقدمہ تفسیر 1915ء میں چھپنا شروع ہو گیا تھا اور مارچ 1916ء میں جب مولانا کو کلکتہ سے اخراج کا حکم ملا تو اس کے کم از کم بارہ ابواب ضرور چھپ چکے تھے لیکن اب نہ ان مطبوعہ ابواب کا دنیا میں کوئی وجود ہے نہ اس کے مسودے کا کچھ پتا ہے۔ اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ مقدمہ تفسیر میں مولانا کے قلم سے جو مقالہ تھا، وہ علم و تحقیق میں کس معیار کا تھا اور زبان و اسلوب بیان کے لحاظ سے وہ کس پائے کا ادب پارہ تھا لیکن 14 و 21 جنوری 1951ء کے البلاغ میں مولانا مرحوم کا ایک مقالہ سیرت پر شائع ہوا تھا۔ جس میں مولانا نے اسلام کی رحمت عامہ کا ایک سرسری مطالعہ پیش کیا ہے اور مقالے کے آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کے بعد اصلی سوال ہمارے سامنے یہ آتا ہے کہ یعنی اس پیدائش نے دنیا کی حقیقی اور عالم گیر مصیبت کے لئے کیا کیا؟ اور انسانیت کی سعادت و ارتقاء فطری کی کیوں کر تکمیل کی؟ اس بحث عظیم کا احاطہ و استقصاء تو ممکن نہیں لیکن چند سرسری اشارات آئندہ نمبر میں ملیں گے۔“ لیکن اس مقالے کا دوسرا حصہ چھپنے کی نوبت نہیں آسکی اور اس طرح ہم اس ’اصلی سوال‘ کے جواب میں مولانا مرحوم کے افکار عالیہ کے مطالعہ و استفادہ سے محروم رہ گئے۔ مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے ’رسول رحمت‘ کے نام سے سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر مولانا کی تمام تحریریں اور تقریریں مرتب فرمادی ہیں۔ رسول رحمت کا باب 97 اور 98 البلاغ کا یہی مقالہ ہے۔ مولانا مہر صاحب نے اپنے ابتدائی نوٹ میں یہ تمام روداد الم بیان فرمادی ہے اور اس پر حسرت و افسوس کا اظہار کیا ہے۔ مولانا مہر سے رسول رحمت کی ترتیب میں مولانا مرحوم کی ایک تقریر نظر انداز ہو گئی جو خاص اسی موضوع پر ہے۔ اس میں مولانا آزاد نے نہایت تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ بعثت نبوی (صلعم) نے دنیا کی حقیقی اور عالم گیر مصیبت کے لئے کیا کیا اور انسانیت کی سعادت و ارتقاء فطری کی کیوں کر تکمیل کی؟ یہ اگرچہ ایک تقریر ہے اور اس میں مقدمہ تفسیر کا معیار یا البلاغ کی زبان و اسلوب تحریر تلاش نہیں کرنا چاہئے لیکن جہاں تک اس عظیم بحث کے احاطہ و استقصاء کا تعلق ہے تو یہ صرف سرسری اشارات ہی نہیں اس سے زیادہ ہے۔

مولانا آزاد نے یہ تقریر 27 نومبر 1935ء کی شب کو مسلم انسٹی ٹیوٹ کلکتہ میں کی تھی اور مولانا کے خطبات و تقاریر دینی کے ایک مختصر اور غیر معروف سے مجموعے (مطبوعہ دہلی) میں شامل ہے۔ تقریر میں آیات کی طرف صرف اشارات تھے۔ ترتیب و کتابت کی بے شمار غلطیاں تھیں۔ راقم نے آیات اور ترجمان القرآن سے ان کا ترجمہ شامل کر دیا ہے۔ اغلاط کتابت کی درستگی کی کوشش بھی حتی المقدور کی ہے اور تفہیم و تیسیر مطالب کے لئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(ابو سلمان شاہجہانپوری)

ذیلی عنوانات کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔

برادرانِ عزیز! مجالس کی عام تقریروں کا یہ قاعدہ بن گیا ہے کہ ابتداء میں کچھ باتیں بطور رسمی تمہید کے ضرور کہی جاتی ہیں لیکن میں اس وقت بالکل پسند نہ کروں گا کہ تھوڑا سا یہ وقت جو ایک مفید مقصد کے لئے میسر آیا ہے اصل موضوع کے علاوہ، غیر ضروری باتوں میں صرف کیا جائے۔

وجودِ مقدس کی لا انتہائیت:

آپ کو معلوم ہے کہ اس موضوع کی اہمیت۔ اہمیت کا لفظ کافی نہیں۔ لا انتہائیت کا کیا حال ہے؟ جس وجودِ مقدس کے تذکار کے لئے ہم جمع ہوئے ہیں، تاریخ انسانیت کی کامل تیرہ صدیاں اس پر گزر چکی ہیں اور شاید کوئی انسانی ہستی اس ذاتِ گرامی کے سوا ایسی نہیں گزری، جس کے تمام گوشہ ہائے زندگی کا عقل انسانی نے اس قدر سراغ لگایا ہو، جس قدر اس مقدس و عظیم الشان ہستی کے لئے لگایا جا رہا ہے۔ مگر داستانِ حیات اس ذاتِ گرامی کی ہنوز نامکمل ہے۔ وجودِ مقدس کی حقیقت کا پتہ لگانے کے لئے سمندر کی موجوں کو ایک کوزہ میں اور دریاؤں کی روانی کو اگر قطرے میں بند کیا جاسکتا ہے تو شاید ہی کوئی اس کا کھوج لگا سکے۔ میں کوشش کروں گا کہ اسی ایک قطرے کے حسن و وصف کے تذکارِ اقدس میں یہ وقت گزارا جائے۔

مطالعہ سیرت کے طریقے:

میں آپ کو جس رخ پر لے جانا چاہتا ہوں، وہ رخ کون سا ہے؟ سیرت پاک پر نظر ڈالنے کے لئے، ایک نہیں بے شمار دروازے ہیں۔ جن کے ذریعے سے اس کی کبریائی کی سراغ رسانی کی جاسکتی ہے لیکن میں کوشش کروں گا کہ کم سے کم اور قریب ترین راستے سے اس کی عظمتوں کا مطالعہ کرا سکوں۔ میں اس امر کی کوشش کروں گا کہ وہ تمام اوصاف و واقعات جو سینکڑوں بار دہرائے جا چکے ہیں اور جن کو صد ہا بار آپ کے کانوں نے سنا ہو گا انہیں نظر انداز کر دوں۔ میں کوشش کروں گا کہ کوئی ایسا نقطہ نگاہ آپ کے سامنے پیش کروں کہ اس کے اعمالِ عظیمہ کو یقینی معیار پر رکھ کر آسانی سے جانچ سکے۔ ایسا معیار ہم اپنی طرف سے بنانا نہیں چاہتے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ قرآنِ حکیم نے کیا کوئی ایسا معیار بیان کیا ہے۔ اگر بیان کیا ہے تو اس کے ماتحت، اس کے اعمالِ حسنہ کا کیا حال ہے؟

قرآنی معیار:

جب ہم قرآنِ حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس وجودِ گرامی اور زندگیِ مقدس کے لئے بے شمار معیار ملتے ہیں، جس کو خود آپ نے بھی بار بار سنا ہو گا۔ ہاں! سنا ہوا لیکن اس کی گہرائیوں تک غور نہ کیا ہوا۔

اچھا سنو، ان میں سے ایک معیار وہ ہے جو سورۃ انبیاء میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزُّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ وَمَا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۷۱.۱۰۵)

اور (دیکھو) ہم نے زبور میں تذکیر و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ دی تھی کہ زمین کی وراثت انہی بندوں کے حصے میں آئے گی جو نیک ہوں گے، اس بات میں ان لوگوں کے لئے جو عبادت گزار ہیں۔ یہ ایک بڑا ہی پیام ہے۔ اور (اے پیغمبر ﷺ!) ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر اس لئے کہ تمام دنیا کے لئے رحمت کا ظہور ہو۔

اس آیت میں ایک معیار بتایا گیا ہے، ہر معتقد کے لئے جو دیکھ لینا چاہے اور ہر منکر کے لئے جو پرکھنا چاہے۔

رحمۃ للعالمین:

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس وجودِ گرامی کا ظہور کس ماحول میں ہوا؟ اور اس نے کیا نتائج نکالے؟ میں ابھی آپ کے سامنے چند کارنامے اس وجودِ مقدس کے پیش کروں گا فیصلہ خود آپ کے سامنے آجائے گا۔ ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ اس کا ظہور اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمۃ للعالمین۔ تمام نوعِ انسانی کے لئے رحمت، کسی ایک ٹکڑے، کسی ایک گوشے کے لئے نہیں تمام نوعِ انسانی کے لئے، مشرق و مغرب کے لئے، اسود و احمر کے لئے، کسی ایک خاص قوم کے لئے نہیں۔ اقوامِ عالم کے لئے اللہ کا یہ اعلانِ حق ہے، قرآن کے اس اعلانِ حق سے آج تک کوئی منکر بھی انکار نہیں کر سکا، بلکہ تاریخ کے جتنے ابواب و اوراق الٹے گئے، اس اعلان کی صداقت و حقانیت واضح، بلکہ واضح تر ہوتی گئی اور اس وجودِ گرامی کا رحمۃ للعالمین ہونا ہر اعتبار سے اور ہر نوعیت سے ثابت و درست ہوتا گیا۔ کسی محقق کی بھی خواہ وہ کتنا ہی مخالف ہو، یہ محال نہیں ہوئی کہ قرآن کریم کے اس معیار کو غلط ثابت کر سکے اور اس وجودِ اقدس کے اعمالِ حسنہ پر خوف رکھ سکے، اس کا ہر عمل بجائے خود دلیل بن کر پکارا کہ ہاں میں رحمت ہوں!

اگر کسی نوعیت سے یہ رحمت نہ ہو تو پھر رحمت کون اور ہے کیا؟ تاریخ کو کون جھٹلا سکتا ہے کوئی بھی تاریخ اٹھاؤ تو دیکھو گے کہ ہر امتیاز، ہر پرکھ ایک ابھری ہوئی نشانی ہے۔ ہر عمل عملِ خیر اور معیارِ رحمت ہے، ایسا کہ ہر نظر، ہر نگاہ، ہر دل، ہر دماغ، اعتراف و تسلیم کرے گا کہ بلاشبک و شبہ یہی وجودِ گرامی رحمتِ الہی ہے۔

بے کس اور مجبور انسان:

دوسرا معیار، اس ذاتِ اقدس کے رحمۃ للعالمین ہونے کا قرآنِ حکیم کی ایک دوسری آیت سے ثابت ہے جو سورہ اعراف میں ملتی ہے، وہاں فرمایا: وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ^ط اس آیت کا مقصد و نتیجہ کیا ہے؟ پہلے تم کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ’اصر‘ کے معنی کیا ہیں عربی میں ’اصر‘ کے معنی بوجھ کے ہیں۔ معمولی قسم کا بوجھ نہیں بلکہ ایسا ناقابلِ برداشت بارشدید جو کسی کو تہہ کر دے، اکثر آپ نے دیکھا

^ط سورہ اعراف کی آیت 751 جس کا ترجمہ یہ ہے: جو الرسول کی پیروی کریں گے کہ نبی امی ہو گا اور اس کے ظہور کی خبر اپنے تورات اور انجیل میں لکھی پائیں گے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا، برائی سے روکے گا، پسندیدہ چیزیں حلال کرے گا، گندی چیزیں حرام ٹھہرائے گا۔ اس بوجھ سے نجات دلائے گا جس کے تلے دبے ہوں گے اور ان پھندوں سے نکالے گا جس میں وہ گرفتار ہوں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہو گا کہ کوئی شخص سر پر بوجھ اٹھائے چلا جا رہا ہے لیکن شدتِ بار سے اس کی کمر جھکی چلی جا رہی ہے۔ خم ہوئی جاتی ہے پھر اس طرح کی حالت کو عربی زبان میں اصر کہتے ہیں۔ 'اغلال' اغلال کے معنی ہیں، محنت و مشقت میں مبتلا، مفہوم عام میں جکڑ بند رہنا۔ طرح طرح کے شدائد اور سختیوں میں مصائب و آلام میں محصور اور قسم قسم کے دام، بیڑیاں، پھندے، جن میں انسان قید و بند میں مبتلا رہے۔

نور کرو! قبل ظہورِ اسلام کیا اقوامِ عالم کی بالکل یہی حالت نہ تھی؟ تاریخ کے اوراق سے پوچھو۔ کیا وہ انہی آلام و مصائب کا علی الاعلان ثبوت پیش نہیں کر رہے؟ قبل بعثت کیا انسانی گردنوں میں طرح طرح کے پھندے، ان کے پاؤں میں قسم قسم کی بیڑیاں نہیں پڑی ہوئی تھیں؟ نسل انسانی کیا رنگ رنگ کی جکڑ بندیوں میں جکڑی ہوئی نہ تھی، ایسی کہ ان کی کمریں دو تہہ ہوئی جاتی تھیں اور اس وقت انسانی کاندھوں پر جو بوجھ لدے ہوئے تھے کیا انہوں نے ان کی زندگی کو تلخ نہیں بنا ڈالا تھا؟ قانون کے جو پھندے ان کی گردنوں میں، مذہبی آستانوں کے جو حلقے ان کے جسموں میں لپٹے ہوئے تھے، کیا ان سے ان کی جسمانی و روحانی تسکین پامال نہیں ہو رہی تھی؟ ہاں ایسا ہی تھا اس وقت کی صد ہا اقسام کی مذہبی و قانونی جکڑ بندیاں ایک لعنت بن کر نسل انسانی و نوعِ بشری کے ساتھ چپک گئی تھیں اور انسانوں کے ساتھ انسانیت کا بھی خون ہو رہا تھا اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، مستشرقین یورپ کی تحقیقی رپورٹ اور تاریخ کے اوراق بھی یہی کہتے ہیں۔

ظہورِ نبوی ﷺ اور نوید امن:

عین اسی عالمِ یاس و آہ میں سر زمین مکہ سے ایک آواز بلند ہوتی ہے جو طالبانِ نجات کے لئے وجہِ نجات ثابت ہوتی ہے۔ یہ اعلان کوئی معمولی اعلان نہیں تھا۔ کیا اعلان؟ اعلان کہ ایک ہستی آئی ہے، کیوں آئی ہے؟ کرہ ارضی پر بسنے والی نوعِ انسانی کے لئے پیامِ رحمت لے کر، زمین کی پیٹھ پر، اس طبقہ انسانی کے لئے، جس کی گردنوں میں ظالمانہ قانون کے پھندے اور پاؤں میں بے رحمانہ احکام کی بیڑیاں، کندھوں پر مصائب و آلام کے اور مشقت و مصیبت کے ناقابلِ برداشت بوجھ لدے ہوئے ہیں، پیغامِ آزادی لے کر، ہر اس کمر کے لئے جو بوجھ سے و تہہ اور ہر اس گردن کے لئے جو طرح طرح کے ظالمانہ جکڑ بندیوں میں کڑی ہوئی ہے، نوید امن لے کر آئی ہے۔

تاریخ کی شہادت:

یہ دو معیارِ تفتیش ہیں، جن کو لے کر میں بحث و نظر کے میدان میں آتا ہوں۔ حسن و اعتقاد کے ساتھ نہیں، تحقیق و تدقیق کے اصول پر، اپنا نظریہ نہیں، تاریخ کا بے رحمانہ فیصلہ، بے لاگ فیصلہ، وہ تاریخ جو کبھی کسی کے سامنے نہ جھک سکے۔ جس کو دنیا کی کوئی قوت متاثر نہ کر سکے، جس کو دنیا کی کوئی دولت نہ خرید سکے، جسکو دنیا کی کوئی طاقت مٹانہ سکے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس تاریخ کا فیصلہ کیا ہے؟ وہ فیصلہ جو حقیقت و تفصیل کی بنیاد پر ہو، وہ فیصلہ نہیں جو اعتقاد و تاویل کی بنا پر۔۔۔ پس اس سلسلے میں تمہارے سامنے دو معیاری چیزیں آئی ہیں:

1. ایک تمام کرہ ارض کے لئے رحمت۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

2. دوسرے وہ تمام بوجھ جن سے نوع انسانی کو جکڑ بند کر دیا گیا تھا، اس سے نجات۔

یہ دو بنیادیں، یا قرآن کی بولی میں دو معیار ہاتھ آگئے، دو کسوٹیاں مل گئیں، ہم دیکھیں گے کہ بے رحم تاریخ کا اس معیار و کسوٹی کے مطابق فیصلہ کیا ہے؟

سیلاب ہستی میں چند جہاؤں سے زیادہ حقیقت نہیں اگر ہم اپنے جذبات، اعتبار، پرستش و اعتقاد کو کام میں لائیں، بلکہ ہمیں حقیقت اور صرف حقیقت کی رو سے معاملے کی چھان بین کرنی ہے، تاریخ کا ایک کھلا ہوا باب اور عریاں حقیقت ہے کہ قرآن حکیم نے چند لفظوں میں جو نقشہ کھینچ دیا ہے، ساتویں صدی عیسوی میں نسل انسانی کا ہُو ہُو ہی نقشہ، وہی فوٹو اور وہی حالت زار تھی۔ شاہانہ اقتدار بے جا اور قانون وقت نے نوع انسانی کو بے طرح جکڑ بند کر دیا تھا، میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ اس کے ثبوت کے لئے، تمہیں بہت دور اور تاویلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ صرف تاریخ کے چند اوراق کی ورق گردانی کے بعد ہی تمہارے سامنے اس وقت کا پورا نقشہ آجائے گا۔ اور ان جگر خراش واقعات کی صورت پر بھروسہ کرتے ہوئے حیاتِ جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس کا مقابلہ کرو تو تمہارے سامنے امن و راحت کی جو تصویر آئے گی کیا اس پر رحمت کے سوا کسی دوسری چیز کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ نوع انسانی کی دونوں حالتیں جب موازنے کے لئے ترازو کے دو پلڑوں میں رکھی جائیں، پھر ہم تاریخ کا دروازہ کھٹکھٹائیں، اس سے پوچھیں حقیقت کیا ہے؟ انصاف کیا کہتا ہے؟ اس وقت اقوامِ الم کا کیا حال ہے؟ ظہور اسلام کے بعد صورتِ معاملہ کیا ہے؟

دورِ شہنشاہیت:

تاریخ کا ناطق فیصلہ خود حقیقت بتلا دے گا۔ یہ کوئی پیچیدہ راز نہیں، ابھری ہوئی خصوصیت ہے۔ جب دعوتِ اسلام کا نمود ہوا، اس وقت اممِ عالم کا کیا حال تھا؟ انہوں نے تمدن کی جو بنیاد اقوامِ عالم پر چھایا ہوا تھا۔ رومِ تمدن ترقی پر تھا، قدیم یونانی ضوابط و قوانین، رسم و رواج، تمدن و معاشرت کا دور دورہ تھا اور ان تمام اقوام کا یہ حال تھا کہ آسمانی حکومت کا خاکہ تک برباد کر رہا تھا۔ نام نہاد قیصر تو تھا مگر حقیقت میں قیصر کا سایہ تک نہ تھا، مسیحی مذہب انتہائی عروج پر پہنچ چکا تھا، بجائے اس کے کہ غریبوں کی حکومت حق و صداقت کی سلطنت ہوتی، شہنشاہی مذہب ہو چکا تھا، ساتویں صدی عیسوی میں جب کہ عیسوی مصلحین کا ظہور ہوا تھا، اخوت، ایثارِ نفس، ہمدردی کے بجائے تمام و کمال جابرانہ نظام نافذ تھا، عقل و فہم اور ادراک کا نام لینا ان کی مجلسِ ملّی کے سامنے کفر تھا، بلکہ صرف مختلف آسیب زدہ روحوں کی شہادت پر تمام معاملاتِ ملّی و مذہبی کا فیصلہ کیا جاتا اور جب یہ فیصلہ کرنا ہوتا تھا کہ سچائی کیا ہے، تو تمام تحقیقات کا دار و مدار آسیب زدہ انسان کی شہادت پر تھا۔ وہ اعلان کرتا تھا کہ فلاں گروہ کے ساتھ سچائی ہے، بس وہی فیصلہ، فیصلہ ناطق تھا جو ان کی مجلسِ ملّی کے اعلان کی صورت میں نافذ ہو جاتا تھا۔

پاپائیت اور عقلِ انسانی کی مجبوری:

پھر جب قیصریت کا مرتبہ پوپ کو حاصل ہوا تو اس وقت سچائی کی شناخت کا معیار کیا قرار پایا؟ مختلف قسم کی جسمانی سزائیں، عقوبتیں اور اذیتیں، اگر کسی فرد یا جماعت نے سچائی کا دعویٰ کیا، پارلیمنٹ نے آزمائش کا معیار کیا منتخب کیا؟ کبھی لوہے کو آگ میں تپایا گیا اور ان کے جسم داغے گئے اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شدید عذابِ اذیت سے اکثر جاں بحق ہوں گئے۔ اگر کوئی بچ رہا تو قید کی کڑیاں جھیلنے کو، جیلوں کی کوٹھریاں آباد کرنے کو مسیحی معیار اور کیا تھا؟ دریا میں ڈبو جاتا تھا، ہاتھ پاؤں باندھ کر کبھی بند بکسوں اور بوروں میں تنہا، کبھی وزن کے لئے پتھروں کے ساتھ، یہ اور اسی قسم کے اور صدہا اور ہزار ہا ظالمانہ طریقے تھے ان کے معیارِ شناخت کے۔ بہر حال جس نے اقا نیم ثلاثہ سے انکار کیا یا توحید کی دعوت دی، فیصلہ ہوا کہ سچائی کے عوے کو جانچا جائے اور کس طرح جانچا اور پرکھا جائے؟ آگ اور پانی کے ذریعے۔ نہ عقل، نہ فہم، نہ ادراک، نہ بصیرت، بس آگ اور پانی۔ یہ تھے آسیب زدہ انسان کے فیصلے کے مطابق سچائی کے معیار، ان میں سے جو نہ جلتا یا کم جلتا یا نہ وبتا یا ڈوب کر ابھر آتا اس کے حق پر ہونے کی مہر لگ جاتی۔ عقل انسانی کسی گوشے میں بھی کارگر نہ تھی۔

سرچشمہ ضلالت:

پس بتاؤ کیا خدا کی مخلوق، اسی شدائد و مصائب کے لئے پیدا ہوئی تھی، کیا کوئی عقل ایک لمحے کے لئے تسلیم کر سکتی ہے کہ کسی مذہب اور توحید کی سچائی کی جانچ کے لئے یہ معیار صحیح ہے؟ اگر نہیں اور ہر گز نہیں تو پھر کیا قرآن کی بولی میں یہ عذابِ الیم اور محن و مصائب، زنجیریں اور بوجھ نہ تھے، جو مسیحی نظامِ حکومت نے نوعِ انسانی کے پاؤں میں اور گردنوں پر ڈال رکھے تھے؟ تاریخ کے اوراق پر ایک اچھٹی ہوئی نظر ڈالو، ساتویں صدی عیسوی کے مسیحی نظامِ سلطنت کو پڑھ جاؤ، تمہیں ان کے مذہبی اعمال و عقائد کی کیفیت، ان کے اوہام و ظنون کی داستان، ان کی وحشت و بربریت، درشتگی و درندگی کا حال معلوم ہو جائے گا۔ میں نے تو صرف ایک اشارہ کر دیا ہے۔ کتاب اللہ، انا جیل جس کی بنیاد وحیِ الہی پر تھی، باقی نہ رکھی گئی، بلکہ چند انسانوں کے ہاتھ کی ایک تصنیف و تالیف ہو کر رہ گئی جو ہر وقت و ہر لمحہ ذاتی و نفسانی ضروریات کے لئے تبدیل و تحریف کی جاسکتی تھی۔ پوپ جو بطرس کا جانشین تسلیم کر لیا گیا تھا، چرچ اور تختِ روما کا مالک تھا اور انا جیل مقس کی کتر بیونت کا با اختیار حاکم۔

ضلالتِ عیسائیت کا سرچشمہ کون تھا، کیا کتاب اللہ؟ نہیں! کیا عقل و فہم؟ نہیں! پھر کیا تھا؟ چند انسانوں کا غلط فیصلہ، وہ فیصلہ جو نفس و جنون کے زیر اثر نافذ ہوتا تھا۔ دلیل و اجتہاد سے معرّافِ فیصلہ۔ یہ بات سننے میں اتنی ہلکی معلوم ہوتی ہے اور آپ کے چہروں کے مشاہدے سے میں اس نتیجے پر پہنچ رہا ہوں کہ آپ نے بھی اس کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ غور کرو! میں نے کتنی عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

وہ انسان جن کی عقل کے دروازے پر قفل لگ گیا اور جن کی قوتِ ادراک نابود ہو گئی، طرح طرح کے توہماتِ نفسانی کا شکار ہو گئے۔ آسیب زدگی ان کے ہر قدم، ہر فعل و قول سے واضح ہے۔ کیا وہ اس قابل ہیں کہ عقولِ انسانی ان کے سامنے جھک جائیں؟ اور اگر عقلیں ان کے سامنے جھک جائیں تو کیا۔ یہ ممکن ہے کہ عقولِ انسانی ایک لمحے کے لئے ترقی و نشوونما پا سکتی ہیں؟ ہر گز نہیں۔۔۔ یہی حال تھا جب کہ قوانینِ الہی و شریعتِ نبوی مٹا ڈالی گئی تھی، اغراض و ہوائے نفس کا دور دورہ تھا۔ پس غور کرو، جب عقل بالکل بیکار کر دی جائے، جب کتاب اللہ میں تحریف کر کے انصاف کے دروازے بند کر دیئے جائیں، جب معیارِ حق و صداقت، چند آسیب زدہ انسانوں کے نفس پرورانہ احکام، فیصلے ہوں، تو نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی حقیقت تھی، چرچِ روما کی، ایک آسیب زدہ انسان کے ہاتھ میں سر رشتہ حکم آگیا تھا اور نظامِ سلطنتِ فطریِ آزادیوں پر نہیں، ظالمانہ قوانین پر تھا۔ جب تم نے یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اصل تسلیم کر لی تو نتیجہ نکال لو گے کہ ہر قسم کے ذہنی ارتقاء، عقلی نشوونما، یکسر و یک قلم رگ گئی تھی۔ یقیناً افراد انسان کی ترقی رک گئی تھی، کیوں؟ تمام دینی و دنیوی معاملات کا دار و مدار چند انسانوں اور پوپ، ماؤف الدماغ پوپ پر تھا۔ یہود و نصاریٰ سب کے سب یکساں گمراہی میں مبتلا تھے۔ یہ تھا مسیحی نظام مذہب کا حال، جس نے نسل انسانی کی عقل ترقی، رشد و ہدایت کو یکسر روک دیا تھا، ضروری نہ رہا تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ انجیل کا کیا مطلب ہے۔ اس کے سمجھنے اور اس کے فیصلے کا اختیار پوپ یا اس کی مجلس کو تھا اپنی عقل کو توجہ کر، کتاب اللہ سے منہ موڑ کر! انسان، چند انسانوں کے ہاتھ میں جکڑ بند ہو گیا تھا۔ پوپ کی طرف سے احکام نافذ ہوا کرتے تھے کہ ہر انسان بطور خود معاملات شرع میں غور و فکر کرنے کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ کام چرچ کا ہے، عوام کو اسی کے تابع رہنا چاہئے۔ اور یہی ہے وہ حقیقت جو آج بھی یورپ میں بطور اصل کام کر رہی ہے، عقول انسانی کو معطل کر کے اس کا فرمان یہ تھا کہ جس کو میں حلال کروں وہ حلال اور جس کو میں حرام کروں وہ حرام۔ یہی تھی اور ہے وہ بنیادی خرابی جو نسل انسانی کی ترقیات ذہن و عقل کو کھائے جا رہی تھی، اور ان کے نشو و ارتقا کی جڑوں کو کھوکھلی کر چکی تھی اور اس کی طرف قرآن حکیم نے ”اَرَبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ“² والی آیت میں اشارہ کیا ہے۔ یہ اعجاز و بلاغت قرآن ہے کہ بڑے بڑے اہم واقعات و حالات کو مختصر و جامع الفاظ میں بیان کر کے وقت کا نقشہ کھینچ دیتا ہے۔

مسیحی دنیا کے نام اسلام کا پیام:

کوئی غیر طرف دار مورخ ہو، آئے اور جانچے، کیا سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد جو اس وقت کی حالت کا نقشہ کھینچ رہا ہے: **وَيَضَعُ لَهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ**³ کی صداقت سے انکار کر سکے گا؟ اسی قدر نہیں قرآن نے جا بجا اس طرف اشارہ کیا ہے۔ یمن کے بشارت و بطریق کی معرفت مسیحی دنیا کو جو پیام دیا تھا، کیا تھا؟ تم نے اگر کبھی قرآن کھول کر پڑھا ہو گا اور ساتھ ہی غور کرنے کی تکلیف بھی کی ہو گی تو سورۃ آل عمران میں اس پیام کو پایا ہو گا:

قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنِنَا وَبَيْنَكُمْ اِلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُنْشِرَ لِّهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ (۳:۶۴)

”(اے پیغمبر! تم (یہود اور نصاریٰ سے) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! (اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ دو اور) اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لئے یکساں طور پر مسلم ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ کسی کی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے گویا خدا کو چھڑ کر اسے اپنا پروردگار بنا لیا ہے۔ یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں سے خطاب ہے، طلب کسی اور چیز کی نہیں ہے، دنیا کی امداد، نہ ذات کے لئے فائدہ کی، بلکہ مطالبہ ہے۔ اشتراک عقیدہ کے لئے، توحید پر اتفاق کے لئے، یعنی **اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰه**، خدا کی چوکھٹ کے سوا کسی انسانی بارگاہ پر خواہ وہ ظاہری ٹھاٹھ میں کتنی

² سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۳۱ کا ابتدائی حصہ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: ”ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو پروردگار بنا لیا۔“
³ سورۃ اعراف کی آیت نمبر 751، جس کا ترجمہ صفحہ 71 پر پیش کیا گیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہی عظیم کیوں نہ ہو، عبادت کی پیشانی نہ جھکائیں۔

دوسرے ”لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا“ عقیدہ بھی، باطن میں بھی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گویا ظاہر ہو تب، باطن ہو تب، دونوں حالتوں میں اسی کی عظمت، اسی کی کبریائی، اسی کی الوہیت کے سامنے، نیاز کا سریا اعتراف کا قلب جھکے، اور تمام باطل و خود ساختہ معبودوں اور مدعیانِ جبروت طاقتوں کو ٹھکرا دیا جائے، خواہ یہ آواز چرچوں سے بلند کی جائے، یا تخت ہائے شہنشاہی سے۔ اور یہ کہ اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہ بنائیں

”وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ“

اربابِ مَن دون اللہ کی تفسیر:

قرآن کی بولی میں رب بنالینے کا کیا مطلب ہے؟ میں خود نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا جو مطلب بیان فرمایا ہے اور اس سے جو مراد لی ہے، میں وہی تمہیں بتاؤں گا۔ عدی بن حاتم کی روایت ہے جو پہلے عیسائی تھے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شام کے عیسائیوں کے وفد کے ساتھ میں بھی حاضر خدمت ہوا۔ حضور ﷺ کے اعتراض پر میں نے عرض کیا کہ یہ بات تو ٹھیک نہیں ہے کہ باہم پادریوں اور راہبوں کو رب بنا لیتے ہیں۔ فرمایا کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ جس چیز کو اللہ نے تم پر حلال کیا تھا، تمہارے احبار و رہبان نے اپنے نفس کی خاطر اس کو حرام کر دیا ہے اور جس چیز کو اللہ نے تم پر حرام ٹھہرایا تھا، انہوں نے اپنی لذتِ چشم و جسم کے لئے اسے حلال کر لیا ہے اور اللہ کے ٹھہرائے ہوئے قانونِ حلال و حرام کو بالکل بدل ڈالا ہے؟ عدی نے کہا، ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ فرمایا، بس یہی مطلب رب بنالینے کا ہے۔ ناقص کو کامل سمجھ کر اختیار کر لیا ہے اور یہ اس لئے کہ جو اوصاف ہمیں اللہ کے لئے خاص رکھنے چاہئیں گے انسانی عقل کے ہاتھ میں تسلیم کر لیے گئے۔ ذرا غور تو کرو کیا یہ چیز خود نیچر کے بھی صاف و صریح خلاف نہیں ہے؟ اچھا یہ تمام تصرفات جو تم نے دین الہی میں کر لیے ہیں، کیا اس کی دلیل بھی تمہارے پاس ہے؟ اللہ کے کسی کلام میں، کسی نوشتہ وحی میں، کسی پیغمبر کی تعلیم میں، رسولوں کی کسی تبلیغ میں، کہیں سے بھی کوئی دلیل ہمیں دکھاؤ کہ چرچ کے ارباب اختیار نے احکام الہی کو نہیں بدلا، اور وہ اس کی بے چون و چرا تعمیل کر رہے ہیں۔ مگر تم نہیں دکھا سکتے، بلکہ اس کے برخلاف ہزار ہا سند و دلیل بتائی جاسکتی ہیں کہ پوپ اور دوسرے احبار و رہبان اربابِ مَن دون اللہ کے زعمِ باطل میں نت نیا قانون، فطرت و نیچر و حکم الہی کے خلاف وضع کرتے اور امت پر مسلط کرتے رہے ہیں۔ مگر سر دست میں ان گوشوں میں نہ جاؤں گا۔

یورپ کا دورہ نشاۃ ثانیہ:

بہر حال، چند قدم اور آگے بڑھیے، نتیجہ بہت جلد سامنے آجائے گا، مورخین ازمنہ و سطرے کہتے ہیں کہ سولہویں صدی عیسوی، اصلاحاتِ چرچ کا اور امنِ عالم و تغیرِ معتقدات کا زمانہ ہے، جس میں پوپ، شاہ اور عوام کے لئے قوانین نافذ ہوئے اور اس دور کو نشاۃ ثانیہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسے موجود دور سے بہتر کہتے ہیں۔ لیکن یہ تاریخ کی دہرائی ہوئی اور پامال حقیقت ہے اور جسے میں واقعات و تفصیل کے ساتھ دہرانے کی ضرورت نہیں سمجھتا، تم کالج کے طالب علم ہو تمہارے سامنے لائبریری کی کتابیں موجود رہتی ہیں کسی ایک تاریخ کو اٹھا کر دیکھ لو کیا اس میں مندرج واقعات و حقائق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس کی تائید کرتے ہیں؟ ہر گز نہیں، بلکہ خونریزی کے حوادث، ظلم کی کہانیوں اور ستم رانیوں کے احوال سے ہر تاریخ بھری پڑی ہے، پوپ اور چرچ نے جتنے ستم یہودیوں اور عام باشندگان ملک پر اس وقت توڑے، شاید ہی کسی زمانے میں ایسا ظلم ہوا ہو، اور یہ سب مذہب و اصلاح عقیدہ کے نام پر ہوا اور میں بے سند و بے دلیل نہیں کہتا، بلکہ یہ مؤرخین یورپ کے قلم کے بکھرے ہوئے حقائق ہیں۔

کلیسا کا مصلح:

غور کرو، سب سے پہلی دستک کون سی تھی جو یورپ کے سامنے علم و عقل نے اصلاح کلیسہ یا چرچ ریفرم کے نام سے دی؟ سو لہویں صدی عیسوی میں، اس بارے میں، لو تھر کی پہلی آواز تھی جو اس راہ میں اٹھی، تمام مؤرخ متفق ہیں کہ عمل و علم کی راہ میں لو تھر کی آواز پہلی روشنی تھی جو کلیسا کی سیہ کاریوں، ستم رانیوں کے بالمقابل عوام کے سامنے آئی، لیکن دیکھو کہ اس تعلیم کا حاصل کیا ہے؟ لو تھر نے لاکارا، دین کی تعلیم کے بارے میں چرچ کا رویہ غلط ہے! اس کو خلش پیدا ہوئی کہ حق کا معیار اور سچائی کا راستہ کون سا ہو سکتا ہے، کتاب اللہ یا پوپ کی ذاتی رائے اور اس کے احکام؟

در اصل اس کی ابتداء یوں ہوتی ہے کہ پوپ نے مغفرت کے پروانے دینے شروع کئے، یعنی جتنی معصیت کریں، کوئی فکر نہیں، جتنا بھی کوئی فسق و فجور، عیش پرستی، نفس پروری کرنا چاہے کرے، پوپ سے مغفرت کے پروانے نقد قیمت دے کر خرید لے، اور فکر عقبی سے آزاد ہو جائے، مغفرت کی یہ نقد تجارت، اتنی بری اور بڑھی ہوئی تھی اور یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں بلکہ امر واقع ہے کہ تمام گوشہ ہائے ملک میں باقاعدہ ایجنٹ پوپ کے پھیل گئے تھے اور انہیں پوپ کے پروانے کے ماتحت ہر قسم کے سفید و سیاہ کا اختیار تھا۔

نظام عالم یکسر درہم برہم ہو گیا تھا۔ احکام و قوانین الہی پس پشت ڈال دیئے گئے تھے، کلیسا کے ارباب حل و عقد، بست و کشاد اپنی من مانی کارروائیوں کا ایک جال تمام ملک میں بچھائے ہوئے تھے اور داد عیش دے رہے تھے۔ ان کے خود ساختہ قوانین نے ایک اصولی شکل اختیار کر لی تھی، جس کی پابندی ہر تنفس کے لئے لازمی تھی۔ لو تھر نے اسی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، بحث و مناظرہ کی نوبت پہنچی، ارباب کلیسا کے شکنجے میں تنگ آئے ہوئے لوگوں نے جن کی تعداد قلیل تھی، لو تھر کا ساتھ دیا، مگر اس طرح کہ خوف و ہراس سے ان کا برا حال تھا۔ خوف بھی ان کا جو زمین پر مظہر خدا ہونے کے مدعی تھے، اختیار مکمل کے مالک تھے۔ پھر ان کے کارپردازوں کا، پھر ان کے متبعین کا، بد قسمتی سے جن کی تعداد شمار سے خارج تھی۔

بہر حال بحث یہ تھی کہ احکام کس کے قابل قبول ہیں؟ چرچ کے یا انجیل کے؟ لو تھر نے کہا نہیں ہم اللہ، اس کی کتاب اس کے رسول کے فرمان کی فرمانبرداری کے مکلف ہیں، ایمان یہی ہے۔ خدا اور اس کے رسول کے مان لینے کے معنی یہی ہیں، کسی انسانی رائے کو، خواہ وہ انسان کتنا ہی عظیم المرتبت کیوں نہ ہو، اگر صاحب وحی نہیں ہے تو اس کا کوئی درجہ ماننے کے لئے تیار نہیں، ہمارا اعتقاد اللہ اور اللہ کی کتاب پر ہے، اور عقلاً ہونا بھی چاہئے۔ کلیسا اور کلیسا پرستوں میں ایک جلسہ عام کے اندر لو تھر کی یہ تقریر آگ کا کام کر گئی، طے کر لیا گیا کہ اس نئی دعوت و اصلاح کو پامال کرنا چاہئے، خون بہا اور بے شمار کلیسائی تلواریں کھینچ گئیں اور ادنیٰ اشتباہ پر لوگوں کی زندگی موت سے تبدیل ہو گئی۔ سر قلم ہوئے۔ گھر کے گھر برباد کر دیئے گئے۔ بستیاں کی بستیاں ویران۔۔۔۔۔ کردی گئیں۔ تاہم تاریخ کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ارباب کلیسا کے ظلم و جبر کے باوجود مصلح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لو تھر کی دعوت پائمال نہ کی جاسکی، مخالفت و شرارت کے باوجود یہ صدا اٹھی، بلند ہوئی اور پھیلی تا آنکہ تقریباً نصف مسیحی دنیا پر چھا گئی۔

ساتویں صدی عیسوی کا عہدِ سعادت:

لیکن سوال سولہویں صدی عیسوی کا نہیں۔۔۔ ساتویں صدی عیسوی کا ہے جبکہ یہ اصلاح و دعوت ہی فنا ہو گئی تھی، شہنشاہ لوئی اور ایڈرین (Adrian) نے کلیسا کے اختیار میں سب کچھ دے دیا تھا، اور ہر طرف پوپ و چرچ کا دور دورہ تھا، ظلم و شرارت، طغیانی و سرکشی اپنی ہولناکیوں اور ہوسناکیوں کے ساتھ پھیل پڑی تھی، کہ ناگاہ صحرائے عرب کے دامن سے ایک مصلح ﷺ کی آواز بلند ہوتی ہے، یہ پکار محمد بن عبد اللہ ﷺ کی صدا تھی، یا ”اہل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله۔“ دراصل محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ صدا جو اللہ تعالیٰ کی آوازاں کی تائید و نصرت کے ساتھ بلند ہوئی تھی، رافتِ نبوی ﷺ اور رحمتِ الہی کا ایک عام اعلان تھا۔ بے چین و مضطرب دنیا کے لئے ایک پیامِ امن تھا، اثر ار کے لئے ایک طبلِ جنگ تھا، مسیحی دنیا میں ایک برگزیدہ کی دعا اور دوسرے مقرب کی بشارت کے ظہور کی نشانی تھی۔ قبولِ عام بڑھ بڑھ کر قدم لیتی ہے، حقانیت و سچائی کے متلاشی جوق در جوق آتے ہیں، تسکین و تسخّی ہوتی ہے، خیالات میں، اعتقادات میں تبدیلی ہوتی ہے، سعید ارواح پر چم نبوی ﷺ کے نیچے جمع ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ”یدخلون فی دین الله افواجا“ کی شان متشکل ہوتی ہے۔ ذاتِ نبوی کا ظہور، قرآن کا نزول، اپنے جلوؤں کی تابانی سے مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب، کوہِ صحرا، و دشت و جبل منور ہو رہے ہیں۔ عجب ساعت ہے، عجب عہدِ سعادت ہے، عجب خیر و برکت اور امن و امان کا دور دورہ ہے، جانِ محفوظ، مالِ محفوظ، عزتِ محفوظ، آبرو محفوظ۔

تاریخِ عالم کی مسلمہ حقیقت:

خونخوار و باطل پرست، یاسایہ رحمت میں آگئے یا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے۔ امن و آسائش کی بسائی ہوئی یہ نئی دنیا جس ذات کی رہینِ منت ہے، اس کا نام محمد رسول اللہ ہے۔ اور تنہا میں نہیں کہتا۔ اپنی طرف سے میں نہیں کہتا، تاریخِ عالم کی اور بے مہر تاریخِ عالم کی مسلمہ و مصدقہ حقیقت بیان کرتا ہوں جس کو بے گانوں اور اغیار نے بھی مانا اور تسلیم کیا ہے۔

ایک گوشہ اس سلسلہ میں تاریخ کا اور آپ کے سامنے بے نقاب کر دوں کہ موجودہ مسیحی دنیا انجیل کو، اور موسائی تورات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سبب ہے نوعِ انسانی کی تہذیب و تمدن اور امن و امان سے آشنا بنانے کا، حالانکہ ان کے اپنوں تک کی تاریخ ان کے اس قول کی تصدیق نہیں کرتی، جس کا ایک نمونہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں، مزید توضیح کا نہ جلسہ حامل ہے، نہ وقت مقتضی، نہ میری صحت کی اجازت اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کے افق پر بجز دستِ محمدی کے کوئی دوسرا ہاتھ نہیں۔

⁴ ساتویں صدی عیسوی بُعثِ نبوی کے لحاظ سے ہوئی و گرنہ ولادات باسعادت تو چھٹی صدی عیسوی (یعنی ۵۷۰ء کا عظیم الشان واقعہ ہے)

قدیم ہندوستان:

جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے ہندوستان ایک قدیم تمدن کا گہوارہ ملک ہے۔ اس کی تمدن و تہذیب کی اولیت و عروج تاریخ عالم کے نزدیک تمام ممالک آباد و سطح ارضی سے ممتاز اور سابقون الاولون میں شمار ہوتا ہے۔ تاریخ نے اس کے حالات کو جب سے احاطہ کیا ہے، اس کے دورِ اول پر جو روشنی پڑتی ہے اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ برہمنی رسم و رواج وہ طریق حکمرانی تھا کہ جس کا نظم و نسق اور غزل و نسج برہمن مدبرین اور پیشواؤں کے ہاتھوں رہا۔ اس تہذیب و تمدن کے آثار اب بھی بعض مقامات سے ظاہر ہیں۔ بعض کتابوں میں درج ہیں اور متعدد زبانوں پر جاری برہمنی تہذیب کو جب زوال آیا تو گوتم بدھ کی تعلیمات اور اس کا مذہب ملک و مذہب پر غالب آیا اور تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔ ابھی یہ تہذیب و تعلیم اپنے پاؤں اور اس کا مذہب ملک و مذہب پر غالب آیا اور تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔ ابھی یہ تہذیب و تعلیم اپنے پاؤں مضبوط نہ کر سکی تھی کہ پھر انقلاب ہوا، کشت و خون کا بازار گرم، اور دار و گیر، رسن و زنجیر کی ہنگامہ آرائی مدت تک رہی، بالآخر یہ بلوہ ایک نئے مذہب و نئی تہذیب کے جنم پر منبج ہوا جو برہمنی دور کی ایک ترقی یافتہ تحریک و تعلیم تھی۔ یہ تحریک شکر اچاریہ کی تحریک تھی اور اس کا ظہور دکن میں ساتویں صدی عیسوی میں ٹھیک اس وقت ہوا جو اسلام کے ظہور کا زمانہ تھا۔

اس تعلیم نے بھی برہمنی قوانین کے مطابق تقسیم ذات کو تسلیم کر لیا۔ نوع انسانی کی اس تقسیم پر، جو بالکل غیر فطری و غیر قدرتی تقسیم تھی، اقوام میں برتری و فوق کا مژدہ تخیل پھر عود کر آیا، نسلی امتیاز اصلی اور عملی اعزاز بے اصل و بے قدر ہو گیا۔ حالانکہ شرف و خصوصیت، عمل پر موقوف ہے، نسل و غرور نسل کوئی چیز نہیں، بخلاف اس کے اسلام نے اعلان کیا ہے کہ جسمانی و روحانی اوج و عروج عمل پر منحصر ہے نسل کی کوئی گنتی نہیں۔ عمل میں جو شخص یا جماعت جتنی پاکباز ہے اس کا درجہ بھی اتنا ہی بلند و بالا ہے **اعْمَلُوا إِلَىٰ دَاوُدَ**^۵ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ اور **إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ** اس پر ایک مہر تصدیق۔

بہر حال فطری حقیقت کے خلاف اس تعلیم نے ذات پات (Caste System) کو اپنے یہاں جائز تسلیم کیا اور بنیادی عقیدہ کے طور پر اسے داخل مذہب کیا۔ تفریق نسل و تقسیم ذات کے اس منظر کو سامنے لاؤ، اور اس کا خلاصہ نکالو۔ خلاصہ یہ نکلا کہ تقسیم ذات جس نے اب غلو کر کے عصبيت کا درجہ لے لیا ہے، غرور نسل کے نتیجہ، افتراق و انشقاق پر منبج ہوئی ہے۔ وہ ابتداء پیشوں کی تقسیم اور عمل کی بنا پر ممکن ہے کہ پیدا ہوئی ہو۔ ایک عمل لڑائی کا، ایک عمل تجارت کا، ایک عمل نچلے کاموں کا، یہ تقسیم گویا ایک بہت زیادہ گہری اعتقادی نیت پر تھی، حالاں کہ دنیا نے کہیں اپنے اصول و دنیاوی امور کے لئے بھی نہیں وضع کئے مذہب تو ایک بالاتر اعتقادی اور روحانی چیز تھی۔ پھر ان کی ایک ایسی بھی جماعت پیدا ہوئی جس نے معاشرتی و دینی اصلاح کے سلسلے میں تنازع کا عقیدہ قائم کیا۔

^۵ آیت اور اس کا ترجمہ یہ ہے: **اعْمَلُوا إِلَىٰ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورِ** (۱۲-۳۳) اے آل داود شکر گزاری کے کام کرو اور میرے بندوں میں سے بہت کم شکر گزار ہیں۔

عقیدہ تناخ:

تناخ کیا ہے؟ بار بار آنے کا عقیدہ، کیوں اور کس طرح؟ اپنے کرم کے اعتبار سے عذاب کے طور پر انسان مختلف جسموں میں، جن میں حیوانات اور نجس و ناپاک جانور بھی شامل ہیں، مرنے کے بعد اس کی روح جنم لیتی رہے، عذاب و ثواب کے بارے میں یہ ان کی بنیادی اینٹ تھی۔ کرم اچھے ہوتے ہیں تو کسی اچھے جنم کے لئے اچھا جانور منتخب ہوتا ہے، بلحاظ عہدہ جو خاندان اونچا ہے۔ اس میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ راجہ ہو سکتا ہے، برہمن ہو جا سکتا ہے۔ یہ اس کی معراج اور حدِ کمال ہے، اگر اس کی ساری عمر پاپوں میں بسر ہوئی ہے تو اسے شودر اور نیچی قوم میں جنم ملے گا اور اگر معصیت اس سے زیادہ ہے تو نجس جانوروں تک میں اس کو داخل ہونا پڑے گا۔ ان کا یہ اعتقادی اصول اور جزا و سزا کا تصور کسی بہت ہی گہرے لیکن گمراہ و خود غرض نے ایجاد کیا۔ مزید جسارت بھی اس درجہ کی کہ کہہ دیا کہ یہ خدائی اصول ہیں اور فطرت نے ان پر مہر لگا دی ہے۔

یہی وہ ناقابلِ فہم اور ناقابلِ تسلیم اصول و ضوابط مذہب تھے۔ جن کے خلاف حال میں ڈاکٹر افسدکار نے آواز بلند کی ہے۔ ڈاکٹر افسدکار ایک تعلیم یافتہ اور روشن دماغ مدبر و مفکر ہے۔ اس نے سمجھ لیا کہ جو اصول اور اصول بھی وہ جو مذہب کے نام پر وضع کئے گئے ہوں، ہرگز مذہبی بنیادی اصول ہو ہی نہیں سکتے، نہ فطرت کی ایسی تعلیم ہو سکتی ہے، نہ فطرت کا یہی منشا ہے، یہ یقیناً انسانی تقسیم ہے اور خود غرض انسانوں کا وضع کردہ غلط اور غلط ضابطہ تفوق پسندی و قانون حکمرانی، ڈاکٹر افسدکار کے اس اعلان عام نے ہندو دنیا میں جو کرب و اضطراب پیدا کر دیا ہے، وہ کسی پر پوشیدہ نہیں اور نفس و غرض کے بندوں کو اس اعلان پر حواس باختہ ہونا بھی چاہئے۔ مدتِ مدید سے جس قوم نے ایک طبقہ انسانی کو غلام اور بندہ بے اختیار بنا رکھا ہو ان میں بیداری پیدا کر کے ان میں اپنی قیمت و قدر کا احساس پیدا کرنا، جرم ہی ایسا ہے جسے کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن بحیثیت قائد قوم و پست اقوام کے نمائندے کے ڈاکٹر افسدکار کا یہ اعلان رنگ لائے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔ ہندوستان میں تاریخ انسانیت کا یہ انقلاب یقیناً اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک اہم انقلاب ہو گا، اگر ڈاکٹر افسدکار کے استقلال نے نوعِ انسانی کے پاؤں سے غلامی و پستی کی ان بوجھل زنجیروں کو کاٹ ڈالا۔

بیسویں صدی کا یہ اعلان کہ ہر انسان، انسان ہے اور خدا نے ترقی کا دروازہ ہر شخص پر برابر کھول دیا ہے، تقریباً نصف صدی یعنی گزشتہ پچاس برس سے یہ آواز جو مختلف گوشوں، مختلف پلیٹ فارموں سے وقتاً فوقتاً اٹھتی رہی ہے، بلاشبہ اصلاحِ عقیدہ میں یہ کوشش نہایت قیمتی ہے لیکن شودر کے لئے عام مجرمانہ خاموشی بدستور قائم ہے۔ پس اس لحاظ سے یہ کوشش بھی بے سود ہے، اس سے کیا ہوتا ہے؟ بنیاد پر جو مہر ہو چکی ہے، اس کو کوئی مٹائے۔

ہندوستان کا عہدِ سعادت:

ہندوستان کا یہ اعتقاد کہ ہمارے مذہبی اصول پر فطری مہر لگ چکی ہے۔ اصل زمانہ اس کی نشوونما کیا ہے؟ ٹھیک وہی جو ظہورِ اسلام کا زمانہ ہے۔ پیر و ان بدھ بھی تناخ کے قائل ہیں۔ پس مسئلہ تناخ جب تک بایں بال و پر موجود ہے، وہ نہیں مٹ سکتی۔ نہ ان کی اصلاحی کوئی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے تا آنکہ انسان کا درجہ بحیثیت ایک انسان کے آزاد اور برابر کا نہ تسلیم کر لیا جائے اور نوعِ انسانی میں پستی و بلندی، اونچ نیچ کی تقسیم کو اٹھانہ دیا جائے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور ترقی کی راہوں کو ہر شخص پر کھلی ہوئی تسلیم نہ کر لیا جائے۔ پس گویا اسلام کی نمود کے وقت ہندوستان بھی گونا گوں سختیوں اور جکڑ بند یوں میں مبتلا تھا، اپنی ساری سختیوں کے ساتھ ہندوستان میں تاریخ کی اُبھری ہوئی حقیقت کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں، ظلم و تعصب، تنگدلی و مذہبی گمراہی کی وجہ سے نوعِ انسانی پر سب سے گہری ضرب کون سی لگائی گئی؟ تاریخِ انسانیت پر زبردست انقلابی و اصلاحی کیفیت کب ثبت ہوئی؟ ایک انسان کا درجہ بحیثیت انسان کے دوسرے انسان کے برابر تسلیم کب کیا گیا؟ تب جب کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (۱۳:۴۹)

”اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا، اس لئے کہ باہم پہچانے جاؤ (در نہ دراصل یہ تفریق و انشعاب کوئی ذریعہ امتیاز نہیں) اور امتیاز و شرف اس کے لئے ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے بلاشبہ اللہ علیم و خبیر ہے۔

اپنی پیدائش و خلقت کے اعتبار سے نسلِ انسانی ایک ہے، کسی کو کسی قسم کی کوئی ترجیح نہیں۔ البتہ شعوب و قبائل میں تقسیم اس لئے کر دیئے گئے ہو کہ تمہاری شناخت ہو سکے۔ کیسی شناخت، صرف یہ کہ یہ شخص ہندی ہے، یہ مصری ہے، یہ یورپین ہے، باقی رہا یہ کہ کسی انسان کو اپنی نسل پر دوسرے انسانوں کے مقابلے میں فخر و غرور ہو تو یہ منشاءِ فطرت نہیں، گمراہی ہے، ضلالت ہے، اس کی تردید بھی فرمادی۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ذاتی وجاہت و نسلی غرور کوئی چیز نہیں، تم میں سب سے زیادہ معزز و مکرم وہ ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ راست باز و پاک باز ہے۔ کوئی قید نہیں، کوئی تخصیص نہیں کہ کون خصوصیت کے ساتھ اعزاز و اکرام کا مستحق ہو گا۔ مگر وہ جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ راست باز، اور اپنے عمل میں پاک باز ہے۔

پس جتھوں اور گروہوں کی تقسیم اس بنا پر ہے، لعار فوا۔ کس ملک و خطہ کا باشندہ ہے؟ اس لئے نہیں کہ شودر و برہمن کا امتیاز ہو، اس پہچان کے واسطے کہ اس کی نسل فلاں ہے، اس کی نسل فلاں پس ذاتی امتیاز کیوں ہو۔ کیا اس امتیاز کی بنا پر کسی کو حقیقت مل جاتی ہے؟ نہیں، ایک منٹ کے لئے نہیں۔ بزرگی اور امتیاز کس انسان کے حصہ میں آیا؟ ایک اور صرف ایک، اس انسان کے حصے میں جو ”عند اللہ اتقاکم“ کے ماتحت آگیا ہو۔

عرب کا عہدِ جاہلیت:

اب ہمیں وہ گہرائیاں دیکھنی چاہئیں جو اس حکم و حقیقی فطری تقسیم میں مضمر ہیں، خود عرب کا ظہورِ اسلام کے وقت کیا حال تھا؟ عرب کی سرزمین، عربِ جاہلیت کا اتنا گھمنڈ تھا کہ ایک ایک بچے کو دعویٰ فضیلت و تمکنتِ خاندان تھا کہ ہم شرافتِ بسالت کے پیکر اور اصیل ترین نسل و خاندان کے افراد ہیں، انہیں غرورِ نسلی میں اس درجہ غلو تھا کہ اظہارِ حال و بیانِ حقیقت کے لئے گڑے ہوئے مردے قبروں سے اکھاڑ کر فخریہ بوسیدہ ہڈیوں کی نمود و تشہیر سے بھی باز نہ رہتے تھے۔ اسی قسم کی اور صد ہا نسلی غرور کی مثالیں مستند تواریخ کے اوراق میں آج بھی موجود و محفوظ ہیں۔ وقت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نہیں ہے، ورنہ میں ان پر زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالتا۔ عقلی و نسلی فخر و غرور کا یہ عالم تھا کہ ایک معمولی بات پر پچیس برس تک خونریزی و خونخواری کا میدان گرم رہا۔ مرتے وقت لوگ اس بارے میں وصیت تک کر جاتے۔

قرآن کے اس اعلان پر ان کی ذہنیت، ان کے نسلی غرور، ان کے طبعی نقائص اور وحشت و درندگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور ان کی تمدنی، معاشرتی و مذہبی ہر قسم کی زندگی باسانی سمجھ لی جاسکتی ہے جب ان کے اعمال کے پیش نظر وحی الہی نے کہا:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَالْفَ بَیْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بَیْعَتِهِ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ط (۱۰۳:۳)

”اللہ نے تمہیں جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کی یاد سے غافل نہ ہو، تمہارا حال یہ تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے لیکن اس کے فضل و کرم سے ایسا ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے۔ (دشمنی کی وجہ سے) تمہارا حال یہ تھا کہ آگ سے بھری ہوئی خندق ہے اور اس کے کنارے کھڑے ہوں ذرا پاؤں پھسلا اور شعلوں میں جا گرے) لیکن اللہ نے تمہیں ان حالات سے نکال لیا۔“

قرآن، تاریخ یا قصہ کی کتاب نہیں، وہ واقعہ بیان کرتا ہے مگر اشارۃً۔ اس لئے بھی کہ عرب کا ہر فرد تاریخ عرب کی ایک مجلد کتاب تھا۔ ذرا سا اشارہ انہیں حالات و معاملات معلوم کرانے کے لئے کافی تھا۔ جنہیں فہم قرآن بخشا گیا ہے ان کے لئے بھی اتنا اشارہ عرب کی پوری تاریخ پیش کر دیتا ہے۔

عرب کا عظیم الشان انقلاب:

لیکن بعثت محمد رسول اللہ و نزول قرآن کے بعد انہی اہل عرب کا کیا حال تھا؟ قلب بدل گئے تھے، ماہیت بدل گئی تھی ذہنیت بدل گئی تھی، یکسر انقلاب ہو گیا تھا۔ یکسر انسان بن گئے تھے اور اس تبدیلی و انقلاب کے بارے میں اکابر عرب کے اقوال مختلف تاریخی کتابوں میں آج بھی محفوظ ہیں، دیکھے جاتے ہیں اور دیکھے جاسکتے ہیں، غصب و قزاقی کے خوگر عرب انقلاب کے بعد ایسے انسان و نمونہ، انسانیت بن گئے تھے کہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں، غلاموں اور غلام زادوں کے نام اپنے ترکے کی وصیت کرتے تھے، یا اپنی اولاد کے ساتھ ساتھ انہیں بھی ترکے میں حصہ دیتے تھے۔

ابو بکر صدیقؓ، ان کی شرافت و نجابت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، اشراف عرب، اصیل قریش، نسلی غرور کر سکتے تھے، ایک منٹ کے لئے بھی یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ یہ کس کی رکاب پکڑ کر چلنے والے لوگ ہیں مگر یہ تاریخ کی ایک دہرائی ہوئی حقیقت ہے اور تہذیب جدید بھی جس سے انکار نہ کر سکی کہ حضرت اسامہؓ سالار لشکر بن کر جب احاطہ شہر سے نکلتے ہیں تو دور تک آپ ان کے گھوڑے کی رکاب تھامے ہوئے انہیں سمجھاتے چلے گئے اور

^۶ اسامہؓ حضور ﷺ کے غلام حضرت زیدؓ کے صاحبزادے تھے۔ حضرت زیدؓ کو حضور ﷺ نے آزاد فرما دیا تھا اور انہیں اپنے عزیزوں کے ساتھ گھر چلے جانے کی اجازت عطا فرمادی تھی لیکن انہوں نے حضور ﷺ کے قدموں سے جدائی گوارا نہ فرمائی۔ حضرت اسامہؓ کی والدہ ام ایمن برکتہ تھیں جو حضور کے والد ماجد حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی نوڈی تھیں گویا اسامہؓ والد اور والدہ دونوں کی جانب سے غلام زادے تھے۔ حضور ﷺ ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے الزام میں پکڑی گئی اور بعض صحابہ نے حضور کی خدمت میں اس کی سفارش کرنی چاہی تو انہوں نے حضرت اسامہؓ کو سفارشی بنایا تھا۔ حضور ﷺ کے وصال کے

وہ بار بار معذرت کرتے رہے، لیکن آپ کا ضمیر اور حقیقی صحبتِ نبوی سے مجلیٰ قلب آمادہ نہ ہو سکا کہ ان کی معذرت قبول کی جائے۔

سلمان بن اسلام کی کیفیت مؤرخین نے جو کچھ تاریخ میں قلم بند کر کے خلف کے لئے چھوڑی ہے، دیدہٴ عبرت کے لئے ہمیشہ سبق آموز رہے گی۔ بلال حبشیؓ سے اکتافِ عالم میں بسنے والوں سے کون واقف نہیں، کیا ان کا حال و مقام ہمارے درسِ عبرت کے لئے کافی نہیں؟ ایک حبشی اسود، سیاہ فام لیکن مقام کیا تھا؟ صحابہ کرام خوشامد کے ساتھ ان سے عرض کرتے تھے کہ اذان دے کر ہمارے دلوں کو خوش کرو۔

حضرت عمرؓ جیسا جلالی خلیفہ اور محترم ترین صحابی رسول اللہ، جن کے عدل، دانش اور تدبیر نے اقوامِ عالم سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ ان کی ذات پر فخر کرتے تھے اور انہیں ”سیدنا“ کے لقب سے یاد کر کے خوش ہوتے۔ اور فخر کرتے تھے۔ حضرت صہیبؓ رومی کا حال کس نے نہیں سنا؟

بہر حال، ہر ولایت و ملک کے لوگ جو معلمِ اخلاق و انسانیت کے دربار میں پہنچے، انسان بن گئے، ہے کوئی انسان تاریخِ انسانیت میں موجود؟ جس کو مثال کے طور پر بھی، اس انسانیتِ کبریٰ کے مقام پر فائز انسانِ کامل کے سامنے لایا جاسکے؟ تاریخ اس کے جواب و مثال سے آج تک قاصر ہے اور قاصر رہے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ نے ہیبت و دبدبہ، رعب و جلال والی سینکڑوں ہستیاں اور ان کے کارنامے اپنے صفحات میں محفوظ رکھے ہیں، مگر انسانِ کامل، جو ایک طرف شہنشاہِ ہندو دوسری طرف بوریہ نشین مسکین، ایک طرف فوجی جنرل و قائد تو دوسری طرف داعیِ امن و سلامتی انسان، صفحہٴ ہستی پر ہویدا نہیں کیا، نہ زمانے نے پیدا کیا ہے۔

نسلی عصیت کا پیکرِ خاکی، دوسروں کے جان و مال، عزت و آبرو کا پاسبان بن جائے، وہ، یا ظلم و استبداد سے اقوام کے گلے میں غلامی کا طوق، اور ان کی پیٹھ پر پابند یوں کا بوجھ ڈال کر سر غرور فخر سے بلند کرنے والا، دونوں میں کون افضل ہے؟ تاریخ کا فیصلہ موجود ہے میرے کہنے کی ضرورت نہیں،

بعد وادی القریٰ میں رہنے لگے تھے۔ ابن عبد اللہ کی رائے کے مطابق ۵۴ ہجری میں انتقال فرمایا۔ صحابہ و تابعین کی ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے۔
حضرت سلمانؓ اصفہان کے مضافات کے رہنے والے تھے۔ سلمان فارسی کے نام سے مشہور ہوئے۔ تلاش حق میں گھر بار چھوڑا، عیسائی مذہب اختیار کیا لیکن طبیعت مطمئن نہ ہوئی۔ بالآخر نصیب کی پابری نے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچایا اور جمالِ جہاں فدا دیکھتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ عربوں نے انہیں پکڑ کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا اور تقریباً دس بار خرید و فروخت کا عمل دہرایا گیا۔ بالآخر حضور ﷺ کی توجہ دامد اسے غلامی سے نجات پائی۔ حضور ﷺ سے ان کی تعریف میں متعدد حدیثیں مروی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ سلمان ہمارے اہل بیت سے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً ڈھائی سو برس کی عمر پائی۔ ۳۵ ہجری میں مدائن میں انتقال فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ ان سے روایت کرتے ہیں۔

بلال بن رباح جو بلال حبشیؓ اور رسول اللہ ﷺ کے مؤذن کی حیثیت سے مشہور ہوئے، اُمیہ بن خلف حبشی کے غلام تھے۔ یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مکہ میں اپنے اسلام کو ظاہر کیا۔ قریش نے ان پر سخت ستم توڑے۔ خود ان کے مالک نے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ حضور ﷺ کی جدائی آپ پر بہت شاق تھی۔ آپ کے وصال کے بعد مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے تھے۔ ۲۰ ہجری میں وہیں انتقال فرمایا۔ صحابہ و تابعین کی ایک جماعت نے ان سے روایت کی۔

صہیبؓ کے والد کا نام سنان تھا۔ آبائی وطن موصل تھا، رومیوں نے ان کی آبادی پر حملہ کیا یہ بھی قیدی بنا لئے گئے یہ اس وقت بچے تھے۔ نشوونما روم میں ہوئی اس لئے صہیب رومی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے مالک نے مکہ کے ایک سردار کلب کے ہاتھ فروخت کر دیا، کلب نے عبد اللہ بن جہانم بنی کے ہاتھ بیچ ڈالا، انہوں نے آزاد کر دیا۔ مکہ میں شروع دور میں اسلام قبول کیا۔ کفار مکہ کے ہاتھوں سخت تکالیف برداشت کیں۔ قرآن کی آیت **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ** (۲۰: ۲) (کچھ آدمی ایسے بھی ہیں جو اللہ کی خوشنودی کی طلب میں اپنی جانیں تک بیچ ڈالتے ہیں) انہیں کے بارے میں ہے۔ ۸۰ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جس قوم کا وطیرہ قتل و غارت ہو، فخر و غرور ہو اس میں یہ انقلاب ایام ہو جائے کہ قریشی ہاتھ باندھ کر پیچھے کھڑا ہو، اور غلام قوم کا ایک فرد ان کا امام ہو۔ اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے اگر زید زندہ ہوتے تو خلافت میرے باپ کی بجائے انہیں ملتی۔ مسلم کی حدیث میں رسول اللہ کی ایک دعا ضبط تحریر میں آئی ہے۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر جورات کو پچھلے پہر اکثر جاری رہتی تھی کہ: **اللَّهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْخَيْرَ**¹⁰ نہ تفرقہ ہے، نہ پارٹی اور جتھے بندی ہے، نہ گروہ پسندی۔ بس اسلام ملت ہے، اللہ کی بندگی ہے اور رسول کی اطاعت۔ ہر مسلمان بلکہ ہر انسان بھائی بھائی ہے، **ان العباد لله اخوان**۔ کوئی انسان بحیثیت انسان کے اچھوت نہیں ہے، اعمال کیسے ہوں، عقیدے کیسے ہوں، بحث یہ ہے ناپاکی جسم میں نہیں ہے، عقیدے میں ہوتی ہے جسم ہر انسان کا پاک ہے۔

تاریخ و اقوام عالم کی اجماعی کیفیت اور ساتویں صدی تک کے وہ تمام بوجھ و نوع انسانی کی پیٹھ پر ڈال دیئے گئے تھے اور ظہور اسلام کے بعد کی دنیا کا حال مختصر آپ نے سن لیا۔ نتیجہ کیا نکلا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ آپ ﷺ رحمت تھے، نشان رحمت الہی اور سب رحمت ایزدی تھے۔ ساتویں صدی میں نوع انسانی کی حالت آپ سن چکے، تہذیب و سلطنت کا حال معلوم کر چکے، کلیسائی احکام، پاپائی نظام، رومہ کی سعادت، ہندی احکام و قوانین، رسم و رواج، پابندی و جکڑ بندی دیکھ لی۔ فیصلہ یہ ہو گا کہ نسل انسانی یکسر گرفتارِ بلا و معذب تھی۔ عقل گرفتار، جسم گرفتار، غاصبانہ ذہنیت، غلامانہ عقیدت جسم میں ظالمانہ شرارت، روح میں بزدلانہ خباثت، بادشاہتوں اور مذہبی مسندوں نے طرح طرح کی عقوبتیں ڈال رکھی تھیں۔ بس بحالات ایں، تاریخ کا بے لاگ، اٹل بے پناہ فیصلہ یہی ہو گا اور ہے کہ نوع انسان عذاب و ذلت کے عذاب میں گرفتار تھی۔

غیرتِ خداوندی جوش میں آتی ہے آیہ رحمت بن کر محمد رسول اللہ کا ظہور ہوتا ہے۔ عیسائی و موسائی، سب کو پیام رحمت ملتا ہے، انقلاب ہوتا ہے، دنیا بدلتی ہے۔ کل جو سورج نسل انسانی پر ایک نئے ظلم کی خبر لاتا تھا، آج اس کی ہر شعاع دامن انسان کو امن و راحت، رافت و رحمت سے مالا مال کر رہی ہے، غلامی کی بیڑیاں کٹ جاتی ہیں۔ پیٹھ کا بوجھ گر جاتا ہے، ذہنی بندشیں اور فکری بندھن ٹوٹ جاتے ہیں۔ نسل انسانی ہر قسم کے ظلم و عذاب سے نجات پاتی ہے اور ہر قسم کی جتھے بندی۔ نسلی غرور و ذاتی وجاہت کی جکڑ بندیوں سے نجات پا کر بھائی بھائی بن جاتی ہے۔ مشرق و مغرب میں بجز اس نعرہ کے اور کچھ نہیں سنا جاتا کہ:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ط عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُفٌ رَّحِيمٌ ط فَبَشِّرْ عِبَادِ
الَّذِي يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ وَيَتَّبِعُونَ مَا احْسَنَهُ ط

¹⁰ مسلم میں متعدد دعائیں مروی ہیں۔ میں نے سرسری طور پر نظر ڈالی لیکن دماغ فیصلہ نہیں کر سکا کہ مولانا کا اشارہ کس حدیث کی طرف ہے خصوصاً ایسی جس کے ابتدائی الفاظ **اللَّهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ** ہوں۔

محمد امین سابق عمانوئیل مہنگا پادری

مقام محمدی ﷺ۔ مسیحیت کی نظر میں

جناب موسیٰ علیہ السلام کی آخری وصیت میں بشارت۔

حضور نبی کریم ﷺ کی دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آمد۔

وَالَّذِينَ. وَالزَّيْتُونَ. وَطُورِ سَيْنِينَ. وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ. لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ. (۹۵: ۱-۲)

انجیر اور زیتون و طور سینا اور یہ امن والا شہر گواہ ہیں بے شک ہم نے انسان کو بہترین انداز پر پیدا کیا ہے، انجیر اور زیتون کتب انبیائے اسرائیل میں روحانیت و نبوت اور بادشاہت سے تعبیر کئے گئے ہیں۔ انجیر سے مراد قوم اسرائیل کی روحانیت اور نبوت ہے اور زیتون اس کی بادشاہت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ طور سینا وہ مقام ہے جہاں وہ تعلیم دی گئی۔ جس نے ان دونوں قسم کے ترقی کے معراج پر قوم اسرائیل کو پہنچایا یہ امن والا شہر (مکہ) اور جو کچھ اس میں خدا کی شریعت دی گئی یہ سب گواہ ہیں اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین انداز پر پیدا کیا ہے۔ یہ تہذیب و ترقی کے بلند سے بلند مقام چڑھ سکتا ہے۔ طور سینا پر جو کچھ دیا گیا اس نے ایک غلام اور ذلیل قوم کو اس کی انتہائی ذلت سے اٹھا کر نبوت اور حکومت کا وارث بنادیا۔ امن والے شہر میں جو کچھ دیا اس نے ایک مفسد اور ضلال مبین میں غرق قوم کو بدل کر اقوام عالم کی روحانی اور سیاسی امن و سلامتی کا ضامن بنادیا۔ اس سے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات سے پہلے ایک نہایت ضروری وصیت کی اور فرمایا: عبری الفاظ ملاحظہ ہوں۔

..... (استثناء باب ۳۳ آیت ۲) جن کا تلفظ یوں ہے:

دیو مر یہودہ مسینائی باو زارح مسعیر لامو ہو فیو مہتر پاران ڈاتا مر بیوٹ قودش یمینو ایش واٹ لامو جن کا تلفظ یوں ہے:

ترجمہ: اور کہا خداوند سینا سے آیا اور طلوع ہوا شعیر سے ان کے لئے وہ جلو گر ہوا فاران کے پہا۔ ڈ سے اور وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آتا ہے۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت ہے۔ (استثناء باب ۳۳ آیت ۲) عبری زبان کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

و۔ اور۔ یومر۔ کہا ”یہودہ۔ خداوند“ مسینائی۔ سینا سے، (امن سینئی) با۔ آیا۔ و۔ اور، زارح طلوع ہوا، مسعیر۔ شعیر سے (من شعیر) لامو۔ ان کے لئے، ہو۔ وہ فیو جلو گر ہوا۔ “مہتر پہاڑ سے (من ہر) پاران۔ فاران کے، و۔ اور اٹا۔ آتا ہے“ مر بیوٹ۔ ساتھ دس ہزار (من۔ دیوٹ) قودش قدسیوں کے، یمینو۔ داہنے ہاتھ پر اس کے (من یمنو) ”ایش۔ آتشی۔ واٹ۔ شریعت لامور ان کے لئے۔

خداوند طور سینا سے آیا:

طور سینا جو ازوئے بائبل خداوند یہودہ کی تخت گاہ ہے اس کا جائے وقوع مختلف فرقہ ہائے یہود کے خالات اور حوالجات بائبل کی گونا گونی کی بنا پر مختلف ہوا کرے اور موجودہ آزاد خیال علماء مسیحی اسے اور کوہ حورب کو سورج اور چاند کی پرستش کے مظاہر قرار دیتے ہیں رہیں (سین اور سینا۔ چاند۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حورب چلچلاتی دھوپ یا سورج) لیکن متفقہ مذہبی نقطہ نگاہ سے یہ امر مسلم ہے کہ وہ مقام جہاں حضرت موسیٰؑ کو شریعت دی گئی یا قوم اسرائیل کی دینی اور دنیوی ارتقاء کی بنیاد رکھی گئی ہے، طور سینا ہے۔ انجیر سے مراد بنی اسرائیل کی روحانی ترقی اور نبوت ہے۔ زیتون ان کی بادشاہت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور طور سینا وہ مقام جہاں ان دونوں باتوں کی بنیاد قائم کی گئی جسے کتاب انبیاء میں شریعت کے ساتھ بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

ہو سغیاء بنی قوم اسرائیل کی اس حالت کو جب وہ شریعت پر پہلے پہل عامل ہوئی ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

”میں نے اسرائیل کو ان انگوڑوں کی مانند جو بیابان میں ہوں پایا۔ جیسا کہ انجیر کا پہلا پکا ہوا پھل جو پہلی مرتبہ لگے ویسا تمہارے باپ دادوں کو دیکھا۔“ (ہو سغیاء ۱۰:۹)

یسعیاہ نبی ساریہ والوں کی خوبصورتی کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:

”انجیر کے پہلے پھل کی مانند ہو گا جو گرمی کے ایام سے پیشتر لگے جس پر کسی کی نگاہ پڑے اور وہ اسے دیکھتے ہی اور ہاتھ میں لیتے ہی چھٹ کھا جاتا۔“ (یسعیاہ ۲۸:۴)

نیز دیکھو ہو سغیاء ۱۲:۲۴ پر میا ۲:۲۴ سلاطین اول ۲۵:۴ یسعیاہ ۳۴:۴ میرمیا ۸:۱۳-۱۲ اور ۲۳:۲، ۳۳-۸، ۲۹:۷ از کر یا ۱۰:۳

زیتون کا درخت حکومت کے مترادف ہے۔ زبور میں حضرت داؤد فرماتے ہیں:

”لیکن میں خدا کے گھر میں زیتون کے ہرے درخت کی مانند ہوں۔“ (۸:۵۲)

یرمیاہ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

”خداوند نے تیرا نام ہرے زیتون کا درخت جس کا پھل خوشمنا ہے، رکھا ہے۔“ یرمیاہ ۱۱:۱۶ نیز دیکھو ہو سغیاء ۱۴:۶ وغیرہ۔

غرض تین اور زیتون سے مراد بائبل میں روحانیت نبوت اور حکومت ہے۔ ان دو نعمتوں کے دینے کا وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی معرفت جناب اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے کیا گیا تھا۔ یہ دونوں قسم کا وعدہ پورا ہوا بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں سلسلوں میں حکومت و نبوت قائم ہوئی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ حضرت یعقوب اور جناب عیسو۔ ان دونوں سلسلوں میں پھر نبوت اور حکومت چلی عیسو اگرچہ بڑا تھا مگر نبوت کی وراثت چھوٹے بھائی کو ملی۔ البتہ حکومت دونوں کی اولاد کے حصہ میں آئی۔ ایک حکومت حضرت یعقوب کے منجھلے بیٹے یہودہ کے نام سے موسوم ہوئی اسی کی نسل میں انبیاء بھی ہوئے۔ البتہ حضرت موسیٰؑ حضرت یعقوب کے ایک اور بیٹے لاد کی اولاد میں سے تھے جن کے ساتھ طور سینا پر اللہ تعالیٰ کا مکالمہ ہوا اور ان کو ایک مفصل شریعت دی گئی جس نے بنی اسرائیل میں زندگی پیدا کی خداوند یہودہ کا سینا پر آنا اسی سے عبارت ہے۔

خداوند کا کوہ شعیر پر طلوع:

ہمارے بعض علماء نے خداوند کے شعیر پر طلوع سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام کو شریعت دیا جانا لیا ہے۔ نہیں معلوم ان بزرگوں کے علم میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کتاب مقدس کا کونسا حوالہ تھا۔ مجھے افسوس ہے باوجود تلاش کے ایسا کوئی حوالہ نہیں ملا۔ اس بارہ میں بائبل کی صراحت یہ ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بڑے بیٹے عیسو کا بیٹا اور تم تھا اس کی اولاد کوہِ شعیب میں آباد ہوئی ہے۔ یہ شخص ارومی قوم کا باپ کہلاتا ہے۔ آہستہ آہستہ ان لوگوں نے اسی کوہِ شعیب میں اپنی سلطنت قائم کر لی۔ جس کی یہودہ کی سلطنت سے ہمیشہ جنگ رہتی تھی۔ یہ سلطنت جھیل مردار کی جانب جنوب عرابہ سے مشرقی سمت میں بیس میل کے فاصلہ پر واقع تھی۔ کوہِ شعیب شعر بمعنی بال سے مشتق ہے۔ روئیدگی اور سبزی کی وجہ سے اس پہاڑ کا یہ نام رکھا گیا تھا۔ موجودہ زمانے میں زیادہ تر حصہ پہاڑ خشک سے ہے۔ اگرچہ اس کے بعض قطعات اب بھی سرسبز ہیں۔ حسبِ دعا اسحق علیہ السلام مندرجہ پیدائش ۲: ۳۹ - ۴۰ عیسو اور اس کی اولاد کو یہ نصیحت ملی کہ:

”دودیکہ زمین کی چکنائی سے اور آسمان کے پُراؤس سے تیرا قیام ہوگا اور تو اپنی تلوار سے زندگی بسر کرے گا اور اپنے بھائی کی خدمت کرے گا اور یوں ہوگا کہ جب تو تردد میں پڑے گا تو اس کی حکومت کا جو اپنی گردن سے توڑ کر پھینک دے گا۔“

جناب اسحاق کی اس دعائے خیر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کے حق میں دعائے برکت دونوں نے مل کر اس نسلِ ابراہیمی کی چھوٹی سی شاخ کو بھی نعمتِ الہی سے محروم نہیں رکھا۔ کہتے ہیں حضرت ایوب علیہ السلام اسی قوم میں سے نبی ہوئے (نوحہ یرمیاہ ۴: ۲۱) اور تہذیب و خردمندی کا بہرہ وافر اس قوم کو ملا۔ بائبل کی کتاب عبدیہ آیت ۸ اور یرمیاہ ۴۹: ۷ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے۔ اس سے زیادہ ہم کوہِ شعیب پر طلوعِ خداوندی کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔

خداوند فاران کی چوٹیوں پر جلوہ گر ہوا:

1. فاران بعض مسیحی اور یہودی علماء کے خیال میں وہ میدان ہے۔ جو برسیع کی شمالی حد کوہِ سینا تک چلا گیا ہے، جس کے شمال میں کنعان۔ جنوب میں کوہِ سینا۔ مغرب میں ملک مصر اور مشرق میں کوہِ شعیب ہے۔
 2. بعض کے نزدیک قادیش اور فاران ایک ہے۔
 3. کچھ علماء اسے کوہِ سینا کی مغربی نشیب پر قرار دیتے ہیں۔
- لیکن عرب کے قدیم جغرافیہ نویس اور بعض علماء مسیحی کی تحقیقات سے یہ ثابت ہے کہ مکہ معظمہ کے پہاڑوں کا نام فاران ہے۔ چنانچہ تورات سامری کا عربی ترجمہ سے آرکیون نے ۱۸۵۱ء میں شائع کیا۔ اس میں پیدائش ۲۱: ۲۱ کے ترجمہ میں فاران کو حجاز میں بتایا ہے۔ ترجمہ کے اصل الفاظ عربی یہ ہیں: ”وتکن بریۃ فاران (الحجاز) واخذت له امه امرأۃ من ارض مصر“ (تکوین ۲۱: ۲۱)
- ”اسلمیل بیابانِ فاران واقع حجاز میں سکونت پذیر ہوا اور اس کی ماں نے اس کے لئے مصر سے ایک عورت لی۔“

اس ترجمہ سے ظاہر ہے کہ فاران حجاز میں ہے۔ اور جب تک مسلمانوں نے اس پٹن گویٰ کو مسیحی حضرات کے سامنے پیش نہیں کیا۔ اس وقت تک فاران حجاز میں رہا۔ جو ہی علمائے اسلام نے مسیحی دوستوں کی توجہ اس طرف دلائی وہ اس فاران کو اٹھا کر سینا میں لے گئے تاکہ بشارتِ رسول اللہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ﷺ کے حق میں ثابت نہ ہو۔ مگر جس طرح پہاڑ کو اٹھانا مشکل ہے اسی طرح فاران کا حجاز سے ملنا بھی ناممکن ہے۔ اس لئے ہم اس جگہ اس پر مختصر مگر مدلل بحث کرتے ہیں۔

فاران مکہ معظمہ کے پہاڑ کا نام ہے:

تورات کے مندرجہ بالا آیت پیدا نش ۲۱:۲۱، بحظ عربی یوں ہے:

”ویر شلیب بمد برپاران وتقه لو امر ایشہ مارض مصریئم“ پیدا نش (۲۱:۲۱)

”اور سکونت کی وادی غیر زری زرع فاران میں اور اس کی ماں نے اس کے لئے ملک مصر سے ایک عورت لی۔“

1. اس آیت میں جملہ ”مد برپاران“ قابل غور ہے۔ عبری زبان میں مدبر کے معنی ہیں زمین غیر ذی زرع لغت میں لکھا ہے۔

Unintiated tract or region untilld. مدبر

A desert a saterite and solitary region.

بطور استعارہ اس کا استعمال بانجھ عورت کے لئے بھی ہوتا ہے گویا اس میں بھی روئیدگی نہیں ہتی دیکھو ہوسیع ۵:۲۵ میرمیاہ ۲:۳۱ سلعیا ۲:۱۰ وغیرہ دنیا جانتی ہے کہ یہ وادی غیر ذی زرع صرف مکہ کی تعریف ہے:

2. سائیکو پیڈیا بلیکا میں پاران کے متعلق لکھا ہے:

Et is not eaoy to undersaned oll the ot passages relatives to paran.

”یعنی بائبل کی وہ آیات جو فاران سے متعلق ہیں ان کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔“

بائبل کے متضاد بیانات سے ظاہر ہے کہ وہ فاران کا صحیح جائے وقوع بتانے سے قاصر ہے۔ لیکن پیدا نش ۲۱:۲۱ مندرجہ بالا آیت سے ثابت ہے کہ حضرت اسمعیل وادی فاران میں آباد ہوئے اور ایک امر واقعہ ہے کہ جناب اسمعیل علیہ السلام کے بارہ ۲۱ بیٹے عرب کے مختلف قطعات میں آباد ہوئے پس فاران وہی جگہ ہے جہاں حضرت اسمعیل کی اولاد اس وقت سکونت پذیر تھی۔ جب بائبل لکھی گئی وہ بلا شک و شبہ عرب ہے۔

پولوس نامہ گلائون میں لکھتا ہے۔ ”یہ باتیں تمثیلی بھی جانی جاتی ہیں اس لئے کہ یہ دو عورتیں عہد میں ایک تو سینا پہاڑ پر سے جو ہوا وہ نرے غلام حبشی ہے یہ حاجرہ ہے کیونکہ حاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے۔ اور اب کے یروشلیم کا جواب ہے اور یہی اپنے لڑکوں کے ساتھ غلامی میں ہے۔ پر اُپر کا یروشلیم آزاد ہے سو ہی ہم سب کی ماں ہے (۳: ۲۴-۲۶)

پولوس (یعنی موجودہ عیسائیت کا بانی) اس جگہ دو کوہ سینا قرار دیتا ہے۔ ایک سارا کا کوہ سینا اور دوسرا حاجرہ کا کوہ سینا، سائرہ شریعت سے آزاد بچے جنتی ہے اور حاجرہ شریعت کے پابند اسی طرح یروشلیم بھی دو ہیں۔ ایک نیا اور دوسرا دُور کا پرانا ہے۔ مگر حاجرہ کا یروشلیم نیا ہے اس حوالہ کا مطلب یہ ہے کہ سینا فاران اور یروشلیم وغیرہ الفاظ بطور مجاز و استعارہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اور اس سے مراد دو قومیں ہیں ایک حضرت اسحاق اور سارا کی اولاد اور دوسری

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضرت اسمعیل اور حاجرہ کی اولاد۔ پس خداوند کا کوہ سینا پر آنا دو طرح پر ہے ایک سارا کی اولاد سے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور سینا پر شریعت کا دیا جانا اور دوسرے ہاجرہ کی اولاد میں مثل موسیٰ علیہ السلام حضرت محمد ﷺ کو کامل شریعت کا دیا جانا یہی عرب کوہ سینا ہے جس پر خدا اتر ہے۔ اسی طرح ایک فاران شاید وہ بھی ہو جس پر بنی اسرائیل کے کوچ کے وقت بدلی جا ٹھہری تھی۔ اور ایک فاران وہ ہو جس پر ایک عظیم الشان روحانی بارش کی بدلیاں اُمنڈ آئیں اور یہی خداوند کا فاران پر جلوہ گر ہوتا ہے۔

1. وہ لوگ جو فاران کو بیابان سینا میں قرار دیتے ہیں وہ ان امور پر غور کریں۔
2. کتاب شمارہ ۱۲:۱ کی بنا پر بیابان سینا اور بیابان فاران الگ الگ دو بیابان ہیں ایک سے چلتے اور دوسرے میں پہنچتے ہیں۔
3. کتاب پیدائش ۶:۱۴ کی بنا پر کوہ شعیر اور فاران دو (۲) جدا جدا پہاڑ ہیں۔
4. کتاب شمارہ ۱۲: ۱۶ ۱۳: ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام ہیروت سے آگے بڑھ کر فاران ملتا ہے۔
5. کتاب شمارہ ۱۳: ۲۵، ۲۶ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کنعان کی واپسی پر پہلے فاران پڑتا ہے۔ اور پھر قاویش گویا کاویش شمالی سرحد فاران پر واقع ہے۔
6. کتاب اول سلاطین ۱۱: ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے۔ مدین اور مصر کے رستہ میں فاران پڑتا ہے اور مدین حجاز میں واقع تھا۔ ص ۱۲۴، ص ۱۶۳
7. جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ فاران اور قاویش ایک ہیں وہ مندرجہ ذیل حوالجات پر غور کریں پیدائش ۶: ۱۴ و ۷ سے قاویش اور فاران کا علیحدہ علیحدہ ہونا ثابت ہے۔
8. وہ مسیحی دوست جن کا خیال ہے کہ فاران کوہ سینا کے مغرب نشیب میں واقع تھا، یہ اس لئے غلط ہے کہ اولاد اسمعیل وہاں آباد ہی نہیں ہوئی۔
9. بائبل میں ہاجیریوں سے مراد اولاد ہاجرہ ہے جن کے ساتھ بنی اسرائیل کی جنگ ہوئی تو تاریخ اول ۵: ۱۰۲ اس کے بعد کے زمانہ میں یہی نام مسیحیوں کی طرف سے مسلمانوں کو دیا گیا اور اسی لفظ ہاجر سے ایریا والوں نے انگریز یا انگریزوں کو مسلمان ہونے والوں کے لئے استعمال کیا اور اسی زبان میں مسلم کو منکر کیا کہتے ہیں۔ اور یونانیوں نے مگر تھیس، مگر یوموس، مگر یزین مسلمانوں کے لئے الفاظ بنائے۔ کتاب باروق جو تورات کے نسخہ مصبیینہ میں ایک صحیفہ ہے اس کے ۸: ۳۳ میں حاجرین کا ذکر ایل تیما کے ساتھ آیا ہے اور اس سے مراد وہ لوگ لئے ہیں جو حکمت اور دانائی کے جو یا ہوں مختلف زبانوں کی اس شہادت سے ثابت ہے کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام عرب میں آباد ہوئے اور ہاجرہ کی اولاد کا نام مسلمان خود مسیحیوں سے رکھا جانا بھی اس امر کی تصدیق کرتا ہے۔

حبقوق نبیؑ نے اس پٹین گوئی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا خدا جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا حبقوق ۳: ۳ یہاں صاف طور پر فاران کا جنوب میں ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اور حجاز شام کے جنوب میں ہے۔

دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آمد:

نبی کریم ﷺ کے اس مخصوص اور روشن نشان کے متعلق ہم حضرت حنوک یا ادریس علیہ السلام کی پٹین گوئی میں بحث کر چکے ہیں۔ اور وہاں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہم یہ بھی دکھا چکے ہیں کہ اس بشارت کا انتظار ابتداء عالم سے کل انبیاء کو تھا۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح کی ۳۳ سال کے بعد بھی یہود نے اپنے خط میں اس پیشگوئی کے پورا ہونے کی تمنا ظاہر کی ہے۔ پس جناب مسیح کے بعد صرف ایک ہی نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔ ان کے حق میں یہ بشارت عظمیٰ پوری ہوئی ایک عرصہ دراز سے بائبل کے ترجمہ میں دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ خداوند کے آنے کا ذکر موجود ہے۔ مگر کچھ عرصہ سے نئے ترجموں میں اس پیش گوئی کو مبہم بنانے کے لئے اس کا ترجمہ ”لاکھوں قدوسیوں کے ساتھ“ کیا جانے لگا ہے۔ اس لئے عربی الفاظ پر مختصر سی بحث کی ضرورت ہے۔ دراصل دس ہزار قدوسیوں کی معیت نہ صرف فاران کی جائے وقوع کے متعلق فیصلہ کر دیتی ہے۔ بلکہ پیش گوئی کے اصل مصداق کے ناقابل تردید شہادت دیتی ہے۔ کیونکہ صرف انبیاء بنی اسرائیل اسرائیل کی تاریخ میں نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ میں دس ہزار قدوسیوں کا قدوس ساتھی صرف حضرت نبی کریم ﷺ ثابت ہوتے ہیں۔ جناب موسیٰ نے دو ہزار سال پیشتر موعود دیان کا یہ نشان بتایا۔ ایسا نہیں بلکہ جناب آدم کی صرف ساتویں پشت میں حضرت ادریس علیہ السلام یہی روشن نشان بیان فرماتے ہیں۔ اور ہندو مت کی کتابوں پر آن وغیرہ پر اعتبار کر لیا جائے تو ہزاروں نہیں لاکھوں برس پیشتر دیدوں کے رشیوں نے موعود کا یہی نشان بتایا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا واقعہ دنیا کی تاریخ میں صرف ایک ہی ہوا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک ہی رہے گا۔ دس ہزار قدوسی بنانا تو ایک بے نظیر قدوس کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ انبیائے عام میں سے تو کوئی نہ ہوا جس نے اپنی زندگی میں اس قدر شدید مخالفت کے باوجود دس ہزار انسان اپنے ساتھ جمع کر لیے ہوں۔

عبرانی کے اصلی الفاظ پر بحث:

آیت زیر بحث کے عبری الفاظ میں ایک لفظ ربوٹ ہے جس کے معنی ہم نے دس ہزار کیے ہیں۔ یہ لفظ کئی جگہ کتب انبیاء میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا مادہ ربٹ ہے اور معنی دس ہزار دیکھو نجمیاء: ۱۷ اور ولیم جیمسن کی عبری انگریزی لغت میں ربوٹ کے معنی لکھے ہیں:

(ربوٹ)

A MYRAID TEN THOUSANDS

(شیشی ربوٹ)

TWICE TEN THOUSANDS

کبھی کبھی ربوٹ کا آخری ٹاگر کو بھی انہیں معنوں میں استعمال کرتے ہیں، جیسے توارخ اول ۲۹: ۷ عدد ۲۴: ۲۱: ۶۶ زبور ۶۸: ۱۸۔ پس مسیحیوں کا نیا ترجمہ لاکھوں ملائک محض پیشگوئی کو مبہم بنانے کے لئے ہے۔ دوسرا لفظ قدوش ہے جس کا ترجمہ اب ملائکہ کر دیا ہے۔ یہ مطلق پاکیزہ اور پاک کے معنی رکھتا ہے۔ اور ہر ایک پاک مقدس شے قوم اور جگہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

”آدمہ قدوش“ خروج ۵: ۳ = مقدس سر زمین

”مقوم ہقدویش“ احبار ۱۵: ۱۷، ۱۴: ۱۳ = مقدس جگہ

”ہر قدویشی زبور ۶: ۲ = میرا مقدس پہاڑ

”عم قدویش دانیال ۱۲: ۷ = مقدس لوگ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پس جملہ ”مربوٹ تو دلش“ کے معنی از روئے لغت و محاورات بائبل ”دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ ہیں۔“

اس کے داہنے ہاتھ پر آتشیں شریعت ہے:

یہ آیت زیر بحث کا آخر حصہ ہے۔ عبری اور عربی دونوں زبانوں میں یحییٰ (داہنے ہاتھ) کا محاورہ برکت، بندگی، حکومت اور طاقت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں شریعت کی آگ ہے۔ یعنی اسے مذہبی جنگ کرنے پڑیں گے۔ رسول کریم ﷺ پر مسیحیت کا سب سے بڑا اعتراض جہاد اور مذہبی جنگ کرنے کا ہے۔ اس اعتراض کو انبیاء کے صحف نے کبھی یوں رد کیا ہے کہ اس (نبی موعود) کی کمان بدلی سے باہر نہ ہوگی یعنی اس کی جنگ رحمت کی بدلی میں یا رحم مجسم (دیکھو بشارت نوح) اور کبھی یوں جواب دیا کہ وہ جب دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آئے گا¹¹۔ تو اپنا ہتھیار رکھ دے گا (وید) یعنی اس کی فتح خونریزی سے نہ ہوگی بلکہ امن و صلح سے ہوگی اور کبھی اس رنگ میں جہاد کے اعتراض کی تردید کی کہ اس کا آنا خداوند کا آنا ہوگا یعنی اس وقت انصاف و عدل کا مل ہوگا کسی پر ظلم نہ ہوگا (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی یوں پوری ہوئی)

یہ پیشین گوئی جناب مسیح علیہ السلام کے متعلق نہیں:

حضرت مسیح کے متعلق یہود اور مسیحی دونوں کے دلوں میں تمنا تھی کہ وہ ان کے دشمنوں کو سزا دے گا مگر نہ تو مسیح یہود کے خیال کے مطابق آیا اور نہ صدور اولیٰ کے مسیحیوں کی آرزو پوری ہوئی۔ گو اسی خیال سے حضرت مسیح نے خود فرمایا کہ میں آگ لگانے آیا ہوں۔ مگر اس آتش زنی میں ان کی زندگی بھر کچھ کامیابی نہ ہوئی اور مسیحیوں نے بھی مایوس ہو کر درد مندوں کو یوں تسلی دی کہ وہ آسمان پر خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھ کر لوگوں کی عدالت کرے۔ یہ پیشین گوئی چونکہ مسیح کے حق میں نہ تھی، اس لئے شریعت کی آگ مسیح کے داہنے ہاتھ میں نہ دی گئی۔ بلکہ مسلمات مسیحی اور خیالات یہود کی رو سے شریعت کی آگ اس کے ہاتھ میں دی گئی۔ کیونکہ مجرم کو اس کا فتویٰ بائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے۔ داہنے ہاتھ میں آتش شریعت صرف حضرت نبی کریم ﷺ کو دی گئی۔ اس لئے کہ الیاس نبیؑ نے سچ فرمایا تھا میں تو تمہیں پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں..... پر میرے بعد جو آتا ہے وہ تمہیں آگ سے بپتسمہ دے گا (متی کی انجیل ۱۲:۳) مسیح تو الیاس کے زمانہ میں موجود تھا۔ نیز اس نے بھی پانی سے بپتسمہ دیا۔ لیکن آگ کا بپتسمہ صرف حضرت محمد ﷺ نے دیا۔ جو لوگ حق کی خاطر آتش جنگ میں کودے وہی مسلم کہلائے اور یہی آگ کا بپتسمہ تھا جو مسلمانوں کو دیا گیا۔ پس یہ پیش گوئی ایک عظیم الشان پیش گوئی ہے جو اپنے تمام اجزاء کے لحاظ سے صرف حضرت محمد ﷺ کے حق میں پوری ہوئی اور جہاد کرنے والا نبی ﷺ ہونے کی وجہ سے مماثلت موسیٰ کو بھی پوری کر گئی۔ وما علینا الا البلاغ المبین

¹¹ جب مکہ فتح ہوا تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ دس ہزار قدوسی تھے۔ آپ ﷺ جاہ و جلال کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی

آغازِ وحی سے ہجرت تک

یہ مقالہ اپنے عنوان سے بظاہر آنحضرت ﷺ کے دورِ نبوت کے ابتدائی ۱۳ برس کی تاریخی جھلک ہے۔ دراصل دعوت و اصلاح کی اسلامی تحریک کے ارتقاء کا ایک مکمل نقشہ بھی پیش کر رہا ہے جسے آج کی زبان میں ”تاریخِ انسانیت کے ایک عظیم انقلاب“ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ دورِ عزیمت و استقلالی تھا جس نے دنیائے انسانیت کے سامنے کٹھن سے کٹھن حالات میں حق پرستی اور پامردی کے امنٹ نقوش چھوڑے ہیں اور تجدیدِ احیائے دین کی راہوں پر چلنے والوں کے لئے سنگِ میل لگائے ہیں۔

دعوتِ اسلامی کا یہ ابتدائی دور ہمیں بتاتا ہے کہ صحیح تحریک اگرچہ اعلیٰ نصب العین، بلند فکری اور دوسرے تمام نظریات پر علمی برتری کی حامل ہوتی ہے لیکن وہ اپنی جامعیت اور نتیجہ خیزی کی بنا پر فکر و نظر تک محدود نہیں ہوتی بلکہ اس کا اصل مقصود فرد و معاشرہ میں حق کی قوتوں کی انگلیخت ہوتی ہے۔ جو عمل خیر کا موجب بنتی ہیں۔ اس میں علم و معرفت کی اہمیت اسی اعتبار سے ہوتی ہے کہ وہ حق و خیر کے راستوں کی نشاندہی اور باطل سے تمیز کا سبب بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کا ان علاقوں میں مبعوث ہونا ضروری نہیں ہوتا جو علم و فکر کی بالاتوقی کی وجہ سے سیادت پر فائز ہوں اور نہ ہی انبیاء کی دعوت میں صرف صاحبِ علم و فضل لوگ ہی ملحوظ ہوتے ہیں نیز یہ دور محن یہ عقدہ کشائی بھی کرتا ہے کہ انبیاء اگرچہ وحی و عصمت کی بدولت عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں جس کی وجہ سے صرف ہی مطاع قرار پاتے ہیں لیکن تبلیغ و دعوت کے میدانوں میں وہ عام لوگوں ہی کی طرح مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں اور اعلیٰ فطرت انسان کی حیثیت سے ابتلاء و امتحان میں سرفراز نکلتے ہیں۔ اگر نورِ نبوت کے ساتھ ان کی یہ بشریت نظر انداز کر دی جائے تو پھر ان کا دوسروں کے لئے قابلِ اتباع اور نمونہ ہونے کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا۔

یہ مقالہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی کی تحریروں کی تلخیص ہے اور اسے موجودہ شکل میں ادارہ مطالعہ و تحقیق سے مرتب کیا ہے۔ (ادارہ)

تاریکیوں میں بھٹکنے والی انسانیت کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے اللہ نے اپنے ایک برگزیدہ بندے کو منتخب فرمایا اور اسے انسانیت کا امام مقرر کیا۔ یہ ذمہ داری آپ ﷺ کو یکایک سونپی گئی اور آپ ﷺ اس کے کسی درجہ میں خواہش مند نہ تھے۔ یہ انتخابِ خداوندی تھا کہ آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا اور عالمگیر دعوت کی ذمہ داریاں آپ کو سونپ دی گئیں۔ آپ ﷺ کے حاشیہ خیال میں بھی اس کا ارادہ یا خواہش تو درکنار اس کی توقع تک کبھی نہ گزری تھی، بس یکایک راہ چلتے انہی کھینچ بلایا گیا اور نبی بنا کر وہ حیرت انگیز کام ان سے لیا گیا جس کا کوئی نقش آپ ﷺ کی سابق زندگی میں نظر نہیں آتا۔ مکہ کے لوگ خود جانتے تھے کہ غارِ حرا سے جس روز آپ نبوت کا پیغام لے کر اترے اسے ایک دن پہلے تک آپ ﷺ کی زندگی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کیا تھی، آپ ﷺ کے مشاغل کیا تھے، آپ کی بات چیت کیا تھی، آپ ﷺ کی بات چیت کے موضوعات کیا تھے۔ آپ ﷺ کی دلچسپیاں اور سرگرمیاں کس نوعیت کی تھیں۔ یہ پوری زندگی صداقت، دیانت، امانت اور پاک بازی سے لبریز ضروری تھی۔ اس میں انتہائی شرافت، امن پسندی، پاسِ عہد، ادائے حقوق اور خدمتِ خلق کا رنگ بھی غیر معمولی شان کے ساتھ نمایاں تھا۔ مگر اس میں کوئی چیز ایسی موجود نہ تھی، جس کی بنا پر کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ خیال گزر سکتا ہو کہ یہ نیک بندہ کل نبوت کا دعویٰ لے کر اُٹھنے والا ہے۔ آپ ﷺ سے قریب ترین ربط و ضبط رکھنے والوں میں آپ ﷺ کے رشتہ داروں اور ہمسایوں اور دوستوں میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ ﷺ پہلے سے نبی بننے کی تیاری کر رہے تھے۔ کسی نے ان مضامین اور مسائل اور موضوعات کے متعلق کبھی ایک حرف تک آپ ﷺ کی زبان سے نہ سنا جو غارِ حرا کی اس انقلابی ساعت کے بعد یکایک آپ ﷺ کی زبان پر جاری ہونے شروع ہو گئے۔ کسی نے آپ کو وہ مخصوص زبان اور وہ الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتے نہ سنا تھا جو اچانک قرآن پاک کی صورت میں لوگ آپ ﷺ سے سننے لگے۔ کبھی آپ وعظ کہنے کھڑے نہ ہوئے تھے۔ کبھی کوئی دعوت اور تحریک لے کر نہ اُٹھے تھے، بلکہ کبھی آپ ﷺ کی سرگرمی سے گمان تک نہ ہو سکتا تھا کہ آپ ﷺ اجتماعی مسائل کے حل یا مذہبی اصلاح یا اخلاقی اصلاح کے لئے کوئی کام کرنے کی فکر میں ہیں اس انقلابی ساعت سے ایک دن پہلے تک آپ ﷺ کی زندگی ایک ایسے تاجر کی زندگی نظر آتی تھی جو سیدھے سادھے جائز طریقوں سے اپنی روزی کما رہا ہے۔ اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتا ہے۔ مہمانوں کی تواضع، غریبوں کی مدد اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا ہے اور کبھی کبھی عبادت کرنے کے لئے خلوت میں جا بیٹھتا ہے۔ ایسے شخص کا ایک عالمگیر زلزلہ ڈال دینے والی خطابت کے ساتھ اُٹھنا، ایک انقلاب انگیز دعوت شروع کر دینا، ایک نرالا لٹریچر پیدا کر دینا، ایک مستقل فلسفہ حیات اور نظام فکر و اخلاق و تمدن لے کر سامنے آ جانا کتنا بڑا تغیر ہے جو انسانی نفسیات کے لحاظ سے کسی بناوٹ اور تیاری اور ارادی کوشش کے نتیجے میں قطعاً رونما نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ ایسی ہر کوشش اور تیاری بہر حال تدریجی ارتقاء کے مراحل سے گزرتی ہے اور یہ مراحل ان لوگوں سے کبھی مخفی نہیں رہ سکتے جن کے درمیان آدمی شب و روز زندگی گزارتا ہو۔ اگر آنحضرت ﷺ کی زندگی ان مراحل سے گزری ہوتی تو کمہ میں سینکڑوں زبانیں یہ کہنے والی ہوتیں کہ ہم نہ کہتے تھے کہ یہ شخص ایک بڑا دعویٰ لے کر اُٹھنے والا ہے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کفار مکہ نے آپ ﷺ پر ہر طرح کے اعتراضات کیے مگر یہ اعتراضات کرنے والا ان میں کوئی ایک بھی نہ تھا۔

انکر حراسے سوئے قوم آیا:

پھر یہ بات کہ آپ ﷺ خود بھی نبوت کے خواہشمند، یا اس کے لئے متوقع اور منتظر نہ تھے بلکہ پوری بے خبری کی حالت میں اچانک آپ ﷺ کو اس معاملہ سے سابقہ پڑا، اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے جو احادیث میں آغازِ وحی کی کیفیت کے متعلق منقول ہوا ہے، جبریلؑ سے پہلی ملاقات اور سورہٴ علق کی ابتدائی آیات کے نزول کے بعد آپ ﷺ غارِ حراسے کانپتے اور لرزتے ہوئے گھر پہنچتے ہیں، گھر والوں سے کہتے ہیں کہ ”مجھے اڑھاؤ، مجھے اڑھاؤ“ کچھ دیر کے بعد جب خوفِ زندگی کی کیفیت دور ہوتی ہے تو اپنی رفیقِ زندگی کو سارا ماجرا سنا کر کہتے ہیں کہ ”مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔“ وہ فوراً جواب دیتی ہیں۔ ”ہرگز نہیں۔ آپ ﷺ کو اللہ کبھی رنج میں نہ ڈالے گا۔ آپ تو قرابت داروں کے حق ادا کرتے ہیں، بے بس کو سہارا دیتے ہیں، بے زر کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دستگیری کرتے ہیں۔ مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں۔ ہر کارِ خیر میں مدد کے لئے تیار رہتے ہیں۔“ پھر وہ آپ ﷺ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس جاتی ہیں جو ان کے چچا زاد بھائی اور اہل کتاب میں سے ایک ذی علم اور راستباز آدمی تھے۔ وہ آپ ﷺ سے سارا واقعہ سننے کے بعد بلا تامل کہتے ہیں کہ ”یہ جو آپ ﷺ کے پاس آیا تھا۔ وحی ناموس (کارِ خاص پر مامور فرشتہ) ہے جو موسیٰ کے پاس آیا تھا۔ کاش میں جو ان ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔“ آپ ﷺ پوچھتے ہیں۔ ”کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟“ وہ جواب دیتے ہیں ”ہاں، کوئی شخص ایسا نہیں گزرا کہ وہ چیز لے کر آیا ہو، جو آپ لے کر آئے ہیں اور لوگ اس کے دشمن نہ ہو گئے ہوں۔“

یہ پورا واقعہ اس حالت کی تصویر پیش کر دیتا ہے جو بالکل فطری طور پر ایک خلاف توقع ایک انتہائی غیر معمولی تجربہ پیش آ جانے سے کسی سیدھے سادھے انسان پر طاری ہو سکتی ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ پہلے سے نبی بننے کی فکر میں ہوتے اور اپنے متعلق یہ سوچ رہے ہوتے کہ مجھ جیسے آدمی کو نبی ہونا چاہئے اور اس انتظار میں مراقبہ کر کر کے اپنے ذہن پر زور ڈال رہے ہوتے کہ کب کوئی فرشتہ آتا ہے اور میرے پاس پیغام لاتا ہے تو غارِ حرا والا معاملہ پیش آتے ہی آپ ﷺ خوشی سے اچھل پڑتے اور بڑے دم دعویٰ کے ساتھ پہاڑ سے اتر کر سیدھے اپنی قوم کے پاس پہنچتے اور اپنی نبوت کا اعلان کر دیتے۔ لیکن اس کے برعکس یہاں حالت یہ ہے کہ جو کچھ دیکھا تھا اس پر ششدر رہ جاتے ہیں۔ کانپتے اور لرزتے گھر پہنچتے ہیں۔ لحاف اوڑھ کر لیٹ جات ہیں۔ ذرا اول ٹھہرتا ہے تو چپکے سے بیوی کو بتاتے ہیں کہ آج غار کی تنہائی میں مجھ پر یہ حادثہ گزرا ہے، مجھے اپنی جان کی خیر نظر نہیں آتی۔ یہ کیفیت نبوت کے کسی امیدوار کی کیفیت سے کس قدر مختلف ہے؟

پھر بیوی سے بڑھ کر شوہر کی زندگی، اس کے حالات اور اس کے خیالات کو کون جان سکتا ہے، اگر ان کے تجربے میں پہلے سے یہ بات آئی ہوتی کہ میاں نبوت کے امیدوار ہیں اور ہر وقت فرشتے کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں، تو ان کا جواب ہر گز وہ نہ ہوتا۔ جو حضرت خدیجہؓ نے دیا۔ وہ کہتیں ’میاں گھبراتے کیوں ہو، جس چیز کی مدت سے تمنا تھی وہ مل گئی، چلو اب پیری کی دکان چمکاؤ، میں بھی نذرانے سنبھالنے کی تیاری کرتی ہوں۔“ مگر وہ پندرہ برس کی رفاقت میں آپ ﷺ کی زندگی کا جو رنگ دیکھ چکی تھیں اس کی بنا پر انہیں یہ بات سمجھنے میں ایک لمحہ کی بھی دیر نہ لگی کہ ایسے نیک اور بے لوث انسان کے پاس شیطان نہیں آ سکتا نہ اللہ اس کو بری آزمائش میں ڈال سکتا ہے، اس نے جو کچھ دیکھا ہے وہ سراسر حقیقت ہے۔

اور یہی معاملہ ورقہ بن نوفل کا بھی ہے۔ وہ کوئی باہر کے آدمی نہ تھے بلکہ حضور کی اپنی برادری کے آدمی تھے اور قریب کے رشتے سے برادرِ نسبتی تھے۔ پھر ایک ذی علم عیسائی ہونے کی حیثیت سے نبوت اور کتاب اور وحی کو بناوٹ اور تصنع سے میسر کر سکتے تھے۔ عمر میں بڑے ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کی پوری زندگی بچپن سے اس وقت تک ان کے سامنے تھی۔ انہوں نے بھی آپ ﷺ کی زبان سے حرا کی سرگزشت سنی تو فوراً کہہ دیا کہ یہ آنے والا یقیناً وہی فرشتہ ہے جو موسیٰؑ پر وحی لاتا تھا کیونکہ یہاں بھی وہی صورت پیش آئی تھی جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ پیش آئی تھی کہ ایک انتہائی پاکیزہ سیرت کا سیدھا سادھا انسان بالکل خالی الذہن ہے۔ نبوت کی فکر میں رہنا تو درکنار، اس کے حصول کا تصور بھی اس کے حاشیہ خیال میں کبھی نہیں آیا ہے اور اچاک وہ پورے ہش و حواس کی حالت میں علانیہ اس تجربے سے دوچار ہوتا ہے۔ اسی چیز نے ان کو دو اور دوچار کی طرح بلا دنی تامل اس نتیجہ تک پہنچا دیا کہ یہاں کوئی فریب نفس یا کوئی شیطانی کرشمہ نہیں ہے، بلکہ اس سچے انسان نے اپنے کسی ارادے اور خواہش کے بغیر جو کچھ دیکھا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وہ دراصل حقیقت ہی کا مشاہدہ ہے۔

یہ محمد ﷺ کی نبوت کا ایک ایسا بین ثبوت ہے کہ ایک حقیقت پسند انسان مشکل ہی سے اس کا انکار کر سکتا ہے۔ اسی لئے قرآن میں متعدد مقامات پر اس کے دلیل نبوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ یونس میں فرمایا ہے:

”اے نبی ﷺ ان سے کہو کہ اگر اللہ نے یہ نہ چاہا ہوتا تو میں کبھی یہ قرآن تمہیں نہ سنا تا۔ بلکہ اس کی خبر تک تم کو نہ دیتا۔ آخر میں اس سے پہلے ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔“ (رکوع-۲)

اور سورہ شوریٰ میں فرمایا:

”اے نبی ﷺ، تم جانتے تک نہ تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے مگر ہم نے اس وحی کو ایک نور بنا دیا جس سے ہم رہنمائی کرتے ہیں۔ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتے ہیں۔“

غازِ دعوت:

جب آیت ”وانذر عشیرتک الاقربین“ نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے سب سے پہلے اپنے دادا کی اولاد کو خطاب فرمایا اور ایک ایک کو پکار کر صاف صاف کہہ دیا کہ یا بنی عبد المطلب؟ یا عباس، یا صفیہ عمتہ رسول اللہ، یا فاطمہ بنت محمد ﷺ، انقذوا انفسکم من النار فانی لا املک لکم من اللہ شیئاً فستلوا من مالی ما شئتم۔ اے بنی عبد المطلب، اب عباس، اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی، اے فاطمہ بنت محمد ﷺ کی بیٹی تم لوگ آگ کے عذاب سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرو، میں خدا کی پکڑ سے تم کو نہیں بچا سکتا۔ البتہ میرے مال میں سے تم لوگ جو چاہو مانگ سکتے ہو۔

پھر آپ ﷺ نے صبح سویرے صفا کے سب سے اونچے مقام پر کھڑے ہو کر پکارا۔ ”یا صفا (ہائے صبح کا خطرہ) اے قریش کے لوگو، اے بنی کعب بن لوی، اے بنی مرہ، اے آلِ قصی، اے بنی عبد مناف، اے بنی عبد الشمس، اے بنی ہاشم، اے آل عبد المطلب“ اس طرح قریش کے ایک ایک قبیلے اور خاندان کا نام لے لے کر آپ نے آواز دی۔

عرب میں قاعدہ تھا کہ جب صبح تڑکے کسی اچانک حملے کا خطرہ ہوتا تو جس شخص کو بھی اس کا پتہ چل جاتا وہ اسی طرح پکارنا شروع کرتا اور لوگ اس کی آواز سنتے ہی ہر طرف سے دوڑ دوڑ پڑتے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی اس آواز پر سب لوگ گھروں سے نکل آئے اور جو خود نہ آسکا، اس نے اپنی طرف سے کسی کو خبر لانے کے لئے بھیج دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا ”لوگو، اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف ایک بھاری لشکر ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو تم میری بات سچ مانو گے؟“ سب نے کہا ہاں، ہمارے تجربے میں تم جھوٹ بولنے والے نہیں ہو۔“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اچھا تو میں خدا کا سخت عذاب آنے سے پہلے تم کو خبردار کرتا ہوں۔ اپنی جانوں کو اس کی پکڑ سے بچانے کی فکر کرو، میں خدا کے مقابلے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ قیامت میں میرے رشتہ دار صرف متقی ہوں گے۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ نیک اعمال لے کر آئیں اور تم

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لوگ دنیا کا وبال سر پر اٹھائے ہوئے آؤ۔ اس وقت تم پکارو گے یا محمد ﷺ، مگر میں مجبور ہوں گا کہ تمہاری طرف سے منہ پھیر لوں۔ البتہ دنیا میں میرا اور تمہارا خون کا رشتہ ہے۔ اور یہاں میں تمہارے ساتھ ہر طرح کی صلہ رَحْمٰی کروں گا۔“

مکی زندگی کے اہم دور:

پہلا دور:

آغازِ بعثت سے لے کر اعلانِ نبوت تک تقریباً تین سال، جس میں دعوتِ خفیہ طریقہ سے خاص خاص آدمیوں کو دی جا رہی تھی اور عام اہل مکہ کو اس کا علم نہ تھا۔

دوسرا دور:

اعلانِ نبوت سے لے کر ظلم و ستم اور فتنہ کے آغاز تک تقریباً دو سال جس میں پہلے مخالفت شروع ہوئی، پھر تضحیک، استہزاء، الزامات، سب و شتم، جھوٹے پروپیگنڈا اور مخالفانہ جتھ بندی تک نوبت پہنچی اور بالآخر ان مسلمانوں پر زیادتیاں شروع ہو گئیں، جو نسبتاً زیادہ غریب اور بے یار و مددگار تھے۔

تیسرا دور:

آغازِ فتنہ (۵ نبوی) سے لے کر ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات (۱۰ نبوی) تک تقریباً ۵، ۶ سال، اس میں مخالفت انتہائی شدت اختیار کرتی چلی گئی۔ بہت سے مسلمان کفارِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان اور باقی ماندہ مسلمانوں کا معاشی اور معاشرتی مقاطعہ کیا گیا اور اپنے حامیوں اور ساتھیوں سمیت شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیئے گئے۔

چوتھا دور:

۱۰ نبوی سے لے کر ۱۳ نبوی تک تقریباً ۳ سال۔ یہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے لئے انتہائی سختی اور مصیبت کا زمانہ تھا۔ مکہ میں آپ ﷺ کے لئے زندگی دو بھر کر دی گئی تھی۔ طائف گئے تو وہاں بھی پناہ نہ ملی۔ حج کے موقع پر عرب کے ایک ایک قبیلے سے آپ ﷺ ابیل کرتے رہے کہ وہ آپ ﷺ کی دعوت قبول کرے اور آپ ﷺ کا ساتھ دے مگر ہر طرف سے کورا جواب ہی ملتا رہا اور ادھر اہل مکہ بار بار یہ مشورہ کرتے رہے کہ آپ ﷺ کو قتل کر دیں یا قید کر دیں یا اپنی بستی سے نکال دیں۔ آخر اللہ کے فضل سے انصار کے دل آپ ﷺ کے لئے کھل گئے اور ان کی دعوت پر آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

ہجرت حبشہ:

قریش کے سردار جب تضحیک، استہزاء، اطماع، تخویف اور جھوٹے الزامات کی تشہیر سے تحریکِ اسلامی کو دبانے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے ظلم و ستم، مار پیٹ اور معاشیاد کے ہتھیار استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ ہر قبیلے کے لوگوں نے اپنے اپنے قبیلے کے نو مسلموں کو طرح طرح سے ستا کر، قید کر کے، بھوک پیاس کی تکلیفیں دے دے کر حتیٰ کہ سخت جسمانی اذیتیں دے کر انہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خصوصیت کے ساتھ غریب لوگ اور وہ غلام اور موالی جو قریش والوں کے زیر دست کی حیثیت رکھتے تھے، بری طرح پیسے گئے۔ مثلاً بلالؓ، عامر بن فہیدہؓ، ام عیسٰیؓ، زبیرہؓ، عمار بن یاسرؓ اور ان کے والدین وغیرہم۔ ان لوگوں کو مار مار کر ادھ موا کر دیا جاتا، بھوکا پیاسا بند رکھا جاتا، مکہ کی تپتی ریت پر، چلچلاتی دھوپ میں لٹا دیا جاتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ کر گھنٹوں تڑپایا جاتا، جو لوگ پیشہ ور تھے۔ ان سے کام لیا جاتا اور اجرت ادا کرنے میں پریشان کیا جاتا۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت خبابؓ بن ارت کی یہ روایت موجود ہے کہ:

”میں مکہ میں لوہار کا کام کرتا تھا۔ مجھ سے عاص بن وائل نے کام لیا، پھر جب میں اس سے اجرت لینے گیا تو اس نے کہا کہ میں تیری اجرت نہ دوں گا جب تک تو محمد ﷺ کا انکار نہ کرے۔“

اسی طرح جو لوگ تجارت کرتے تھے ان کے کاروبار کو برباد کرنے کی کوششیں کی جاتیں اور جو معاشرے میں کچھ عزت کا مقام رکھتے تھے انہیں ہر طریقہ سے ذلیل و رسوا کیا جاتا۔ اسی زمانے کا حال بیان کرتے تھے۔

حضرت خبابؓ کہتے ہیں کہ ایک روز نبی ﷺ کعبے کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ”یا رسول اللہ! اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے آپ ﷺ خدا سے دعا نہیں فرماتے یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ متمماً اٹھا اور آپ نے فرمایا: ”تم سے پہلے جو اہل ایمان تھے ان پر اس سے زیادہ مظالم ہو چکے ہیں۔ ان کی ہڈیوں پر لوہے کی کنگھیاں گھسی جاتی تھیں۔ ان کے سروں پر رکھ کر آڑے چلائے جاتے تھے، پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے تھے۔ یقین جانو کہ اللہ اس کام کو پورا کر کے رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آئے گا کہ ایک آدمی صنعا سے حضرت موت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہو گا۔ مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو۔“ (بخاری)

یہ حالات جب ناقابل برداشت حد کو پہنچ گئے تو (رجب ۴۵ عام الفیل ۵ نبوی) حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ: ”اچھا ہو کہ تم لوگ نکل کر حبش چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سر زمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے تو لوگ وہاں ٹھہرے رہو۔“

اس ارشاد کی بنا پر پہلے گیارہ مردوں اور چار خواتین نے حبش کی راہ لی۔ قریش کے لوگوں نے ساحل تک ان کا پیچھا کیا مگر خوش قسمتی سے شعیبیہ کی بندرگاہ پر ان کو بروقت کشتی مل گئی اور وہ گرفتار ہونے سے بچ گئے۔

پھر چند مہینوں کے اندر مزید لوگوں نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ ۸۳ مرد، گیارہ عورتیں اور غیر قریشی مسلمان حبش میں جمع ہو گئے اور مکہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف ۴۰ آدمی رہ گئے۔

رہ عمل:

اس ہجرت سے مکہ کے گھر گھر میں کہرام مچ گیا۔ کیونکہ قریش کے بڑے اور چھوٹے خاندانوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کے چشم و چراغ ان مہاجرین میں شامل نہ ہوں، کسی کا بیٹا گیا تو کسی کا داماد، کسی کی بیٹی گئی تو کسی کا بھائی اور کسی کی بہن۔ ابو جہل کے بھائی سلیم بن ہشام اس کے چچا زاد بھائی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہشام بن ابی حذیفہ اور عیاش بن ابی ربیعہ، اور اس کی چچا زاد بہن حضرت ام سلمیٰ، ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ، عتبہ کے بیٹے اور ہندہ جگر خور کے سگے بھائی ابو حذیفہ، سہیل بن عمرو کی بیٹی سہلہ اور اسی طرح دوسرے سردارانِ قریش اور مشہور شمنانِ اسلام کے اپنے جگر گوشے دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے تھے۔

اسی لئے کوئی گھر نہ تھا جو اس واقعہ سے متاثر نہ ہوا ہو۔ بس لوگ اس کی وجہ سے اسلام دشمنی میں سخت ہو گئے اور بعض کے دلوں میں اس کا ایسا اثر ہوا کہ آخر کار وہ مسلمان ہو کر رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی اسلام دشمنی پر سب سے پہلی چوٹ اسی واقعہ سے لگی۔ ان کی ایک قریبی عزیزہ لیلیٰ بنت ابی حشمہ بیان کرتی ہیں کہ میں ہجرت کے لئے سامانِ باندھ رہی تھی اور میرے شوہر عامر بن ربیعہ کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں عمرؓ آئے اور میری مشغولیت دیکھتے رہے، کچھ دیر کے بعد کہنے لگے ”عبداللہ کی ماں جا رہی ہو؟“ میں نے کہا ”ہاں! خدا کی قسم تم لوگوں نے ہمیں بہت ستایا ہے۔ خدا کی زمین بڑی کھلی پڑی ہے۔ اب ہم کسی ایسی جگہ چلے جائیں گے جہاں خدا ہمیں چین دے۔“ یہ سن کر عمرؓ کے چہرے پر رقت کے ایسے آثار طاری ہوئے جو میں نے کبھی ان پر نہ دیکھے تھے اور بس یہ کہہ کر نکل گئے کہ ”خدا تمہارے ساتھ ہو۔“

ہجرت کے بعد قریش کے سردار سر جوڑ کر بیٹھے اور انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ (ابو جہل کے ماں جائے بھائی) اور عمرو بن العاص کو بہت سے قیمتی تحائف کے ساتھ حبش بھیجا تا کہ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح نجاشی کو اس بات پر راضی کریں کہ وہ ان مہاجرین کو مکہ واپس بھیج دے۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمیٰؓ جو خود مہاجرین حبشہ میں شامل تھیں) یہ واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ قریش کے یہ دونوں ماہر سیاسیات سفیر ہمارے تعاقب میں حبش پہنچے۔ پہلے انہوں نے نجاشی کے اعیانِ سلطنت میں خود ہیرے تقسیم کیے۔ سب کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ مہاجرین مکہ کو واپس کرنے کے لئے نجاشی پر بالاتفاق زور دیں گے۔ پھر نجاشی سے ملے اور اسے بیش قیمت نذرانے دینے کے بعد کہا کہ ”ہمارے شہر کے چند نادان لونڈے بھاگ کر آپ کے ہاں آگئے ہیں اور قوم کے اشراف نے ہمیں آپ کے پاس ان کی واپسی کی درخواست کرنے کے لئے بھیجا ہے یہ لڑکے ہمارے دن سے نکل گئے ہیں اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں بلکہ انہوں نے ایک نرالا دین نکال لیا ہے۔“ ان کا کلام ختم ہوتے ہی درباری ہر طرف سے بولنے لگے کہ ایسے لوگوں کو ضرور واپس کر دینا چاہئے ان کی قوم کے لوگ زیادہ جانتے ہیں کہ ان میں عیب کیا ہے۔ انہیں رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔ مگر نجاشی نے بگڑ کر کہا کہ ”اس طرح تو میں انہیں حوالے نہیں کروں گا، جن لوگوں نے دوسرے ملکوں کو چھوڑ کر میرے ملک پر اعتماد کیا اور یہاں پناہ لینے کے لئے آئے۔ اُن سے بے وفائی نہیں کر سکتا۔ پہلے میں انہیں بلا کر تحقیق کروں گا کہ یہ لوگ ان کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے۔“ چنانچہ نجاشی نے اصحابِ رسول اللہ ﷺ کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔

نجاشی کے دربار میں:

نجاشی کا پیغام پا کر سب مہاجرین یکجا ہوئے اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بادشاہ کے سامنے کیا کہنا ہے۔ آخر سب نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ نبی ﷺ نے جو تعلیم ہمیں دی ہے ہم تو وہی بے کم و کاست پیش کریں گے۔ خواہ نجاشی ہمیں نکال دے یا رکھے۔ دربار میں پہنچے تو چھوٹے ہی نجاشی نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سوال کیا کہ ”تم لوگوں نے کیا کیا کہ اپنی قوم کا دین بھی چھوڑا اور میرے دین میں بھی داخل نہ ہوئے نہ دنیا کے دوسرے ادیان ہی میں سے کسی کو اختیار کیا؟“ آخر یہ تمہارا اپنا دین ہے کیا؟“ اس پر مہاجرین کی طرف سے جعفر بن ابی طالب نے ایک برجستہ تقریر کی جس میں عرب کی دینی، اخلاقی و معاشرتی خرابیوں کو بیان کیا پھر نبی ﷺ کی بعثت کا ذکر کر کے بتایا کہ آپ کیا تعلیمات پیش فرماتے ہیں، پھر ان مظالم کا ذکر کیا جو آنحضور ﷺ کی پیروی کرنے والوں پر قریش کے لوگ ڈھارہے ہیں۔ اور اپنا کلام اس بات پر ختم کیا کہ دوسرے ملکوں کی بجائے ہم نے آپ کے ملک کا رخ اس امید پر کیا ہے کہ یہاں ہم پر ظلم نہ ہو گا۔“

نجاشی نے تقریر سن کر کہا کہ ذرا مجھے وہ کلام سناؤ، جو تم کہتے ہو کہ خدا کی طرف سے تمہارے نبی پر اترا ہے۔ حضرت جعفر نے جواب میں سورہ مریم کا وہ ابتدائی حصہ سنایا جو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے متعلق ہے۔ نجاشی اس کو سنتا رہا اور تاربا۔ یہاں تک کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی۔ جب حضرت جعفر نے تلاوت ختم کی تو اس نے کہا۔ ’یقیناً یہ کلام اور جو کچھ عیسیٰ علیہا السلام لائے تھے دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں۔ خدا کی قسم میں تمہیں ان لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔‘

دوسرے روز عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ ذرا ان لوگوں کو بلا کر یہ تو پوچھیے کہ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے، یہ لوگ ان کے متعلق ایک بری بات کہتے ہیں۔ نجاشی نے پھر مہاجرین کو بلا بھیجا۔ مہاجرین کو پہلے عمرو کی چال کا علم ہو چکا تھا۔ انہوں نے جمع ہو کر پھر مشورہ کیا کہ اگر نجاشی نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا تو کیا جواب دو گے؟ موقع بڑا نازک تھا اور سب پریشان تھے مگر پھر اصحاب رسول اللہ ﷺ نے یہی فیصلہ کیا کہ جو کچھ ہوتا ہے ہو جائے ہم تو وہی بات کہیں گے جو اللہ نے فرمائی اور اللہ کے رسول ﷺ نے سکھائی۔ چنانچہ جب یہ لوگ دربار میں گئے تو نجاشی نے عمرو بن العاص کا پیش کردہ سوال ان کے سامنے دوہرایا تو جعفر بن ابی طالب نے اٹھ کر بلاتل کہا کہ ”هُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ وَرُوحَهُ وَكَلِمَتَهُ الْقَاحَا إِلَى مَرْيَمَ الْعَذْرَا الْبَتُولِ“ ”وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا کیا۔“ نجاشی نے سن کر ایک تنکا زمین سے اٹھایا اور کہا خدا کی قسم جو کچھ تم کہتے ہو عیسیٰ اس سے ایک تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔ اس کے بعد نجاشی نے قریش کے بھیجے ہوئے تمام ہدیے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ میں رشوت نہیں لیتا اور مہاجرین سے کہا کہ تم بالکل اطمینان سے رہو۔

ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِ الہی ﷺ:

مخالفین دعوت کی طرف سے مزاحمت پوری شدت اختیار کر چکی ہے۔ وہ نبی اور پیروانِ نبی کو اپنے درمیان برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ان سے اب یہ امید باقی نہیں رہی ہے کہ تفہیم و تلقین سے راہِ راست پر آجائیں گے اب انہیں انجام سے خبردار کرنے کا موقع آگیا ہے جو نبیؐ کو آخری اور قطعی طور پر رد کر دینے کی صورت میں انہیں لازماً دیکھنا ہو گا۔

اس انجام کا آغاز ہجرت سے ہوا۔ جس میں نبیؐ نے اس زمین کو چھوڑ دیا، جو دعوتِ حق کے لئے نجر ہو گئی تھی اور پھر آٹھ سال بعد اس میں فاتح کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حیثیت سے داخل ہوئے۔

کئی دور کے آخری تین چار سالوں میں یثرب میں اسلام کی شعاعیں مسلسل پہنچ رہی تھیں اور وہاں کے لوگ متعدد وجوہ سے عرب کے دوسرے قبیلوں کی بہ نسبت زیادہ آسانی کے ساتھ اس روشنی کو قبول کرتے جا رہے تھے۔ آخر کار نبوت کے بارہویں سال حج کے موقع پر ۵۷ نفوس کا ایک وفد نبی ﷺ سے رات کی تاریکی میں ملا اور اس نے نہ صرف یہ کہ اسلام قبول کیا بلکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے پیروں کو اپنے شہر میں جگہ دینے پر بھی آمادگی ظاہر کی۔ یہ اسلام کی تاریخ میں ایک انقلابی موقع تھا، جسے خدا نے اپنی عنایت سے فراہم کیا اور نبی ﷺ نے ہات بڑھا کر پکڑ لیا۔ اہل یثرب نبی ﷺ کو محض ایک پناہ گزین کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کے نائب اور اپنے امام و فرمانروا کی حیثیت سے بلارہے تھے اور اسلام کے پیروں کو ان کا بلاوا اس لئے نہ تھا کہ وہ ایک اجنبی سرزمین میں محض مہاجر ہونے کی حیثیت سے جگہ پالیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ عرب کے مختلف قبائل اور خطوں میں جو مسلمان منتشر ہیں۔ وہ یثرب میں جمع ہو کر اور یثربی مسلمانوں سے مل کر ایک منظم معاشرہ بنالیں۔ اس طرح یثرب نے دراصل خود اپنے آپ کو مدینۃ الاسلام کی حیثیت سے پیش کیا اور نبی ﷺ نے اسے قبول کر کے عرب میں پہلا دارالسلام بنالیا۔

عرب کو چیلنج

اس پیش کش کے معنی جو کچھ تھے اس سے اہل مدینہ ناواقف نہ تھے۔ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ ایک چھوٹا سا قصبہ اپنے آپ کو پورے ملک کی تلواروں اور معاشی و تمدنی بایکاٹ کے مقابلہ میں پیش کر رہا تھا۔ چنانچہ بیعت عقبہ کے موقع پر رات کی اس مجلس میں اسلام کے ان مددگاروں (انصار) نے اس نتیجہ کو خوب اچھی طرح جان بوجھ کر نبی ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا۔ عین اس وقت جب کہ بیعت ہو رہی تھی یثربی وفد کے ایک نوجوان رکن اسد بن زرارہؓ نے جو پورے وفد میں سب سے کم سن شخص تھا اٹھ کر کہا:

”ٹھہرو اے اہل یثرب! ہم لوگ ان کے پاس آئے ہیں تو یہ سمجھتے ہوئے آئے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور انہیں یہاں سے نکال کر لے جانا عرب سے دشمنی مول لینا ہے اس کے نتیجہ میں تمہارے نو نہال قتل ہوں گے اور تلواریں تم پر برسیں گی۔ لہذا اگر تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت اپنے اندر پاتے ہو تو ان کا ہاتھ پکڑو اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو پھر چھوڑ دو اور صاف صاف عذر کر دو۔ کیونکہ اس وقت عذر کر دینا خدا کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔“

اس بات کو وفد کے ایک دوسرے شخص عباس بن عبادہ بن نضلہ نے دہرایا:

”جانتے ہو اس شخص سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟“ (آوازیں) ”ہاں ہم جانتے ہیں“ ”تم اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہو۔ پس اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ جب تمہارا مال تباہی کے اور تمہارے اشراف ہلاکت کے خطرے میں پڑ جائیں تو تم اسے دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو بہتر ہے آج ہی اسے چھوڑ دو۔ کیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے اور اگر تمہارا ارادہ یہ ہے کہ جو بلا و اتم اس شخص کو دے رہے ہو اس کو اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کی ہلاکت کے باوجود تباہ کر سکو گے تو بیشک اس کا ہاتھ تھام لو کہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کی بھلائی ہے۔“

اس پر تمام وفد نے بالاتفاق کہا (ترجمہ) ”ہم اسے لے کر اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کو ہلاکت میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔“ تب وہ مشہور بیعت واقع ہوئی جسے تاریخ میں بیعتِ عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔

قریش کے لئے ہجرت کے نتائج:

دوسری طرف اہل مکہ کے لئے یہ معاملہ، جو معنی رکھتا تھا۔ وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔ دراصل اس طرح محمد ﷺ کو جن کی زبردست شخصیت اور غیر معمولی قابلیت سے قریش کے لوگ واقف ہو چکے تھے، ایک ٹھکانا میسر آ رہا تھا اور ان کی قیادت و رہنمائی میں پیروانِ اسلام، جن کی عزیمت و استقامت اور فدائیت کو بھی قریش ایک حد تک آزما چکے تھے، ایک منظم جتھے کی صورت میں جمع ہوئے جاتے تھے۔ یہ پرانے نظام کے لئے موت کا پیغام تھا۔ نیز مدینہ جیسے مقام پر مسلمانوں کی اس طاقت کو مجتمع ہوتے دیکھ کر قریش کو مزید خطرہ یہ تھا کہ یمن سے شام کی طرف جو تجارتی شاہراہ ساحل بحر احمر کے کنارے کنارے جاتی تھی اور جس کے محفوظ رہنے پر قریش اور دوسرے بڑے بڑے مشرک قبائل کی معاشی زندگی کا انحصار تھا وہ مسلمانوں کی زد میں آ جاتی تھی اور اس شہ رگ پر ہاتھ ڈال کر مسلمان نظام جاہلی کی زندگی دشوار کر سکتے تھے۔ صرف اہل مکہ کی وہ تجارت جو اس شاہراہ کے بل پر چلتی تھی، ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ تک پہنچتی تھی۔ طائف اور دوسرے مقامات کی تجارت اس کے ماسوا تھی۔ قریش ان نتائج کو خوب سمجھتے تھے۔ جس رات بیعتِ عقبہ واقع ہوئی اسی رات اس معاملہ کی بھنگ اہل مکہ کے کانوں میں پڑی اور پڑتے ہی کھلبلی مچ گئی۔ پہلے تو انہوں نے اہل مدینہ کو نبی ﷺ سے ٹوڑنے کی کوشش کی۔ پھر جب مسلمان ایک ایک دو دو کر کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے تو قریش کو یقین ہو گیا کہ اب محمد ﷺ بھی وہاں منتقل ہو جائیں گے۔ اور وہ اس خطرے کو روکنے کے لئے آخری چارہ کار اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

قتل کا منصوبہ:

یہ اس موقع کا ذکر ہے جب کہ قریش کا یہ اندیشہ یقین کی حد کو پہنچ چکا تھا کہ اب محمد ﷺ بھی مدینہ چلے جائیں گے۔ اس وقت وہ آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہ شخص مکہ سے نکل گیا تو پھر خطرہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کے معاملہ میں آخری فیصلہ کرنے کے لئے دار الندوہ میں تمام رؤسائے قوم کا ایک اجتماع کیا اور اس پر باہم مشاورت کی کہ اس خطرے کا سد باب کس طرح کیا جائے۔ ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ اس شخص کو بیڑیاں پہنا کر ایک جگہ قید کر دیا جائے اور جیتے جی رہا نہ کیا جائے، لیکن اس رائے کو قبول نہ کیا گیا۔ کیونکہ کہنے والوں نے کہا کہ اگر ہم نے اسے قید کر دیا تو اس کے ساتھی قید خانے سے باہر ہوں گے وہ برابر اپنا کام کرتے رہیں گے اور جب ذرا بھی قوت پکڑ لیں گے تو اسے چھڑانے کے لئے جان کی بازی لگانے میں بھی دریغ نہیں کریں گے۔ دوسرے فریق کی رائے یہ تھی کہ اسے اپنے ہاں سے نکال دو پھر جب یہ ہمارے درمیان نہ رہے تو ہمیں اسے سے کچھ بحث نہیں کہ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ بہر حال اس کے وجود سے ہمارے نظام زندگی میں خلل پڑنا تو بند ہو جائے گا۔ لیکن اسے بھی یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ یہ شخص جادو بیان آدمی ہے۔ دلوں کو موہ لینے میں اسے بلا کا کمال حاصل ہے۔ اگر یہ یہاں سے نکل گیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تو نامعلوم عرب کے کن کن قبیلوں کو اپنا پیر و بنالے گا اور پھر کتنی قوت حاصل کر کے قلبِ عرب کو اپنے اقتدار میں لانے کے لئے حملہ آور ہو گا۔ آخر کار ابو جہل نے یہ رائے پیش کی کہ ہم اپنے تمام قبیلوں میں سے ایک ایک عالی نسب تیز دست جوان منتخب کریں اور یہ سب مل کر یکبارگی محمد ﷺ پر ٹوٹ پڑیں اور اسے قتل کر دیں۔ اس طرح محمد ﷺ کا خون تمام قبیلوں پر تقسیم ہو جائے گا اور بنی عبد مناف کے لئے ناممکن ہو جائے گا کہ یہ سب سے لڑ سکیں۔ اس لئے مجبوراً انہوں نے فیصلہ کرنے کے لئے راضی ہو جائیں گے۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ قتل کے لئے آدمی بھی نامزد ہو گئے اور قتل کا وقت بھی مقرر کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ جو رات اس کام کے لئے تجویز کی گئی تھی اس میں ٹھیک وقت پر قاتلوں کا گردہ اپنی ڈیوٹی پر پہنچ بھی گیا لیکن۔۔۔

ہجرت:

آپ ﷺ عین اس وقت رات کو، جو قتل کے لئے مقرر کی گئی تھی، مکہ سے نکل کر مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد دو دو چار چار کر کے پہلے ہی مدینہ میں جا چکی تھی۔ مکہ میں صرف وہی مسلمان رہ گئے تھے جو بالکل بے بس تھے یا جو صرف دل میں ایمان چھپائے ہوئے تھے اور ان پر کوئی بھروسہ نہ کیا جاسکتا تھا۔ اس حالت میں جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ آپ کو قتل کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے تو آپ ﷺ صرف ایک رفیق حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر مکہ سے نکلے اور اس خیال سے کہ آپ ﷺ کا تعاقب ضرور کیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے مدینہ کی راہ چھوڑ کر جو شمال کی جانب تھی، جنوب کی راہ اختیار کی۔ یہاں تین دن تک آپ ﷺ غارِ ثور میں چھپے رہے۔ خون کے پیاسے دشمن آپ ﷺ کو ہر طرف ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ اطرافِ مکہ کی وادیوں کا کوئی گوشہ انہوں نے نہ چھوڑا جہاں آپ ﷺ کو تلاش نہ کیا ہو۔ اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ ان میں سے چند لوگ عین اس غار کے دہانے پر بھی پہنچ گئے جس میں آپ ﷺ چھپے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کو سخت خوف لاحق ہوا کہ اگر ان لوگوں میں سے کسی نے ذرا آگے بڑھ کر جھانک لیا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ لیکن نبی ﷺ کے اطمینان میں ذرا فرق نہ آیا اور آپ ﷺ نے ابو بکرؓ کو یہ کہہ کر تسکین دی کہ 'غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'

ہجرت مسلمانوں کا شعار ہے اور خداوند تعالیٰ کی جانب سے اپنے ماننے والوں کی صداقت اور عزم و ہمت جانچنے کا طریقہ۔ جب نبی ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو سب مسلمان آہستہ آہستہ مکہ چھوڑ کر مدینہ آئے اس مرحلہ پر مومنین کو جس سخت آزمائش سے گزرنا پڑا اور اس آزمائش سے جس جرأت و ہمت سے وہ گزر گئے وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

جس ظلم کے ساتھ یہ لوگ نکالے گئے اس کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کے چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

حضرت صہیبؓ رومی جب ہجرت کرنے لگے تو کفارِ قریش نے ان سے کہا کہ تم یہاں خالی ہاتھ آئے تھے اور اب خوب مالدار ہو گئے ہو۔ تم جانا چاہو تو خالی ہاتھ ہی جاسکتے ہو، اپنا مال نہیں لے جاسکتے۔ حالانکہ انہوں نے جو کچھ کمایا تھا اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا تھا۔ کسی کا دیا نہیں کھاتے تھے۔ آخر وہ غریب دامن جھاڑ کر کھڑے ہو گئے اور سب کچھ ظالموں کے حوالے کر کے اس حال میں مدینہ پہنچے کہ تن کے کپڑوں کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضرت ام سلمہؓ اور ان کے شوہر ابو سلمہؓ اپنے دودھ پیت بچے کو لے کر ہجرت کے لئے نکلے۔ بنی مغیرہ ام سلمہ کے خاندان) نے راستہ روک لیا اور ابو سلمہ سے کہا کہ تمہارا جہاں جی چاہے پھرتے رہو مگر ہماری لڑکی لے کر نہیں جاسکتے۔ مجبوراً بچارے بیوی کو چھوڑ کر چلے گئے پھر بنی عبد الاسد (ابو سلمہ کے خاندان والے) آگے بڑھے اور انہوں نے کہا کہ بچہ ہمارے قبیلہ کا ہے، اس ہمارے حوالے کر واسطیہ بچہ بھی ماں اور باپ دونوں سے چھین لیا گیا۔ تقریباً ایک سال تک حضرت ام سلمہؓ بچے اور شوہر کے غم میں تڑپتی رہیں اور آخر بڑی مصیبت سے بچے کو حاصل کر کے مکہ سے اس حال میں نکلیں کہ اکیلی عورت گود میں بچہ لئے اونٹ پر سوار تھیں اور ان راستوں پر جارہی تھیں جن سے مسلح قافلے بھی گزرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

عیاش بن ربیعہ ابو جہل کے ماں جائے بھائی تھے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ پیچھے پیچھے ابو جہل اپنے ایک بھائی کو ساتھ لے کر جا پہنچا اور بات بنائی کہ اماں جان نے قسم کھالی ہے کہ جب تک عیاش کی شکل نہ دیکھ لوں گی نہ دھوپ سے سائے میں جاؤں گی اور نہ سر میں لنگھی کروں گی۔ اس لئے تم بس چل کر انہیں صورت دکھاؤ، پھر واپس آجانا۔ وہ بے چارے ماں کی محبت میں ساتھ ہو لیے۔ راستے میں دونوں بھائیوں نے ان کو قید کر لیا اور مکہ میں انہیں لے کر اس طرح داخل ہوئے کہ وہ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور دونوں بھائی پکارے جارہے تھے کہ اے اہل مکہ! اپنے ان نالائق لونڈوں کو یوں سیدھا کرو، جس طرح ہم نے کیا ہے۔“ کافی مدت یہ بیچارے قید رہے اور آخر کار ایک جانباز مسلمان انہیں نکال لانے میں کامیاب ہوا۔

مسلمانوں کا یہ عمل اس بے مثال اخلاقی تربیت کا براہ راست نتیجہ تھا جو مکی زندگی کے پورے دور میں قرآن کی راہنمائی میں نبی کریم ﷺ نے ان کو دی۔ ان کو بایا گیا تھا کہ ہجرت کرنے میں فکرِ جان کی طرح فکرِ روزگار کے لئے بھی پریشان نہ ہونا چاہئے۔ آخر یہ بے شمار چرند و پرند اور آبی حیوانات جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا، خشکی اور پانی میں پھر رہے ہیں، ان میں سے کون اپنا رزق اٹھائے پھرتا ہے، اللہ ہی تو ان سب کو پال رہا ہے، جہاں جاتے ہو اللہ کے فضل سے کسی نہ کسی طرح رزق مل ہی جاتا ہے۔ لہذا تم یہ سوچ کر ہمت نہ ہارو کہ اگر ایمان کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل گئے تو کھائیں گے کہاں سے۔ اللہ جہاں سے اپنی جاندار مخلوق کو رزق دے رہا ہے، تمہیں بھی دے گا۔ ٹھیک یہی بات ہے جو سیدنا مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمائی تھی۔ انہوں نے فرمایا:

”کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت یا ایک سے ملارہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے لگا۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پیئیں گے اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔ کیا جان، خوراک سے اور بدن، پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟“

آبادشاہ پوری

معراجِ نبوی ﷺ

شبے دیباچہ، صبحِ سعادت	زدولت ہائے روز افزوں زیادت
سوادِ طرہ آتشِ فحلتِ دہ نور	بیاضِ غرہ آتشِ نورِ علی نور
مسیمشِ جعدِ سنبلِ شانہ کردہ	ہوایشِ اشکِ شبنمِ وانہ کردہ
طرفِ راچوں سحر خنداں ازاں لب	گریزاں روزِ محنتِ زوشا شب
دریں شبِ آں چراغِ اہلِ بینش	سزائے آفریں از آفرینش
چوں دولت شد زبدِ خواہاں نہانی	سوئے دولت سرائے ائمِ ہانی
بہ پہلو تکیر بر مہرِ زمیں کرد	زمیں رامہر جانِ نازنین کرد
ولش بیدار و چشمش در شکرِ خواب	ندیدہ چشمِ بختِ این خواب در خواب
در آمد ناگہاں ناموسِ اکبر	سبکِ روتر ازیں طاؤسِ اخضر
بر و مالید پر کاری خواجہ بر خیز	کہ ایں شبِ خوابت آمد و دولت انگیز
بروں بریک زماں زیں خواجہ رفت	تو بختِ عالمی بیدار بہ بخت
ازاں دولت سراچوں خواجہ دین	خراماں شد بہ عزمِ خانہ زیں
شد از سبوحیاں گردوں صد ادہ	
کہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ (جامی)	

معراجِ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مقدسہ ہی کا نہیں، پوری تاریخِ انسانیت کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ ایک ایسا عظیم الشان واقعہ۔ جس نے زمانے کے دھارے کا رخ موڑ دیا اور شاہراہِ حیات پر اخلاق و تمدن کا ایک ایسا بلند و بالا منارِ نور نصب کر دیا جس کی روشنی سے بے نیاز ہو کر انسانی قافلے ایک قدم بھی راہِ راست پر چل نہیں سکتے۔ لیکن یہ حیرت ناک بات ہے کہ انسان کی عملی زندگی کے لئے یہ مہتمم بالشان واقعہ جتنی اہمیت اپنے دامن میں رکھتا ہے، اتنا ہی اس کو عقل و دانش کی پیچیدگیوں اور افسانہ پسندیوں میں گم کر دیا گیا ہے۔ اغیار تو اغیار ہیں، وہ اگر اس عظیم واقعہ کے ظہور کا انکار کریں تو یہ انکار سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو رولِ صادق و مصدوق ﷺ کی رسالت پر یقین و ایمان نہیں رکھتے، وہ شبِ اسریٰ میں رونما ہونے والے اس واقعہ کو کیوں کر تسلیم کر سکتے ہیں۔ کور بین آنکھ اگر روشنی کے وجود ہی سے انکار کرتی ہے تو وہ اس منبع پر کیسے ایمان لے آئے گی جس سے نور کی کریں پھوٹ پھوٹ کر ایک عالم کو منور کر رہی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

گر نہ بیند روزِ شپہ چشم

چشمہ آفتابِ راجہ گنا

مگر اپنوں نے کچھ خرد کی دامانِ گیوں اور کچھ غیروں سے ذہنی مرعوبیت کی بنا پر اس واقعہ کو جس طرح تاویلات کا گور کھ دھند بنا ڈالا ہے، وہ زیادہ افسوسناک ہے۔

ایمان و صدیقیت کا ایک عالم وہ تھا کہ جب حضرت ابو بکرؓ سے قریش مکہ شبِ اسریٰ کی واردات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں ”لو تمہارے صاحب یہ تو کہتے ہی تھے کہ ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے، آج انہوں نے یہ خبر سنائی ہے کہ وہ راتوں رات بیت المقدس اور آسمان کی سیر کر آئے ہیں تو یہ مردِ مومن جو حقیقتِ حال سے بے خبر تھے، کسی تذبذب اور تامل کے بغیر جواب دیتے ہیں کہ جو کچھ تم کہتے ہو اگر رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمایا ہے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور ﷺ سچ فرماتے ہیں۔ اور ایک حالت یہ ہے کہ مدتوں سے ذہنی و فکری موشگافیاں جاری ہیں، رسول اللہ ﷺ جسدِ عنصری کے ساتھ معراج پر تشریف لے گئے تھے یا یہ عالم خواب کا واقعہ تھا۔ آج جب کہ انسان سپونگ اور مصنوعی سیاروں کے ذریعے چاند اور مریخ پر پہنچا اور آسمان میں تھگی لگایا چاہتا ہے شاید ان لوگوں کے لئے جن کی خرد معراج کی اصل حقیقت سے بہرہ یاب ہونے سے قاصر تھی، بصیرت افروزی کا کوئی سامان مل جائے۔ لیکن اس فکری موشگافی اور بحثِ مجسم کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ امت کی نظر سے معراج کی اصل اہمیت اور جھل ہو گئی اس کے علماء ذہنی کشتی میں مصروف رہے اور اس کے عوام نے اسے اپنی خوش عقیدگی کا سرمایہ بنا لیا۔

معراج کا واقعہ جس وقت پیش آیا، رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ حق دیتے ہوئے گیارہ برس گزر چکے تھے۔ مکہ میں جن سعید روحوں کو اس دعوت پر لبیک کہنی تھی، وہ کہہ چکی تھیں اور اب متمر دین اور شورہ پشتوں یا ایسے لوگوں کے سوا جن کے دل کی آنکھیں دعوتِ حق کی فتوحات اور کامرانیوں ہی سے کھل سکتی تھیں اور کوئی باقی نہ رہا تھا اور اب یہ دعوت نئے مرکز کو منتقل ہونے کو تھی جہاں اُسے ایک اسٹیٹ کی روح رواں بننا تھا۔ اب تک اس دعوت کا دائرہ عقائد و نظریات کو دلوں میں راسخ کرنے اور انفرادی اخلاق و کردار کی اصلاح تک محدود تھا۔ آئندہ اس کی بنیادوں پر ایک ایسی مملکت تعمیر کی جانے والی تھی جسے رہتی دنیا تک قوموں اور ملکوں کے لئے ہدایت و رہنمائی کا نمونہ بننا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حضور بلا کر وہ اصول عطا کئے جن پر مدینہ کی اسلامی ریاست اور مسلم معاشرہ قائم کیا جانے والا تھا۔

یہ اصول سیاست، اخلاق، تمدن، معاشرت، معیشت، تجارت، تعلیم غرض ہر شعبہ زندگی سے متعلق تھے۔ ان میں بتایا گیا تھا کہ ایک اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اسی شاہنشاہ کی بندگی اور غلامی اس ریاست کا مقصود وجود ہونا چاہئے۔ تمدن میں خاندان کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور افراد خاندان کے باہمی خوشگوار تعلقات پر ہی اس تمدن کی مضبوطی اور قوت کا انحصار ہے۔ معاشرہ کے مختلف طبقات باہم ہمدرد، ہمیں خواہ اور مصائب و آلام میں مددگار بننے چاہئیں دولت کے ضیاع، بخل اور اسراف سے بچ کر معیشت کی بنیادیں استوار کرنی چاہئیں۔ وسائل رزق کا جو انتظام اللہ نے کر دیا ہے اس کو بعینہ برقرار رکھنا چاہئے۔ معاشی مشکلات اور رزق کی کمی کے خوف سے افزائشِ نسل کی روک تھام نہیں کرنی چاہئے کہ رزق کی کنجیاں اللہ کے ہات میں ہیں، جو تمہیں رزق دیتا ہے وہی آنے والی نسلوں کو بھی دے گا۔ نہ صرف فواحش اور بدکاری کے دروازے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کلیہ بند کر دینے چاہئیں بلکہ ایسا ماحول پیدا کرنا چاہئے جس سے یہ دروازے کھلنے ہی نہ پائیں۔ انسانی جان کا احترام کرنا چاہئے اور حق کے بغیر کسی انسان کا خون نہیں بہانا چاہئے، عہد و پیمان کا پاس کرنا چاہئے کہ اس کی اللہ کے ہاں جوابدہی کرنا ہوگی۔ تجارت، صدق و دیانت اور ٹھیک ٹھیک ناپ تول پر مبنی ہونی چاہئے۔ نظام تعلیم کی بنیاد وہم و گمان کے بجائے علم پر کھنی چاہئے۔ غرور و نخوت سے بچنا چاہئے۔

یہ تھے انسان کی حیات اجتماعی کے وہ اصول جو معراج کی بابرکت اور عظیم رات میں رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے نوع انسان کو دیئے گئے۔ ان اصولوں پر مدینہ کی جو اسلامی ریاست قائم ہوئی اور جو اسلامی معاشرہ وجود میں آیا تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ وہ ایک ایسا معاشرہ تھا جو ایک اللہ کے سوا کسی کے آگے سرنگوں نہ ہوتا تھا، جس کے افراد سگے بھائیوں سے زیادہ ایک دوسرے کے ہمدرد، بی خواہ اور مددگار تھے، جو پاکیزگی، فکر و نظر اور طہارتِ اخلاق و کردار کا پیکر تھے، جو تجارت، معیشت، معاشرت اور سیاست غرض زندگی کی ہر کسوٹی پر کھرا سونا تھے۔ جن کے عہد و پیمان پر دشمن بھی اعتماد کرتا تھا اور جن کی زندگی سادگی، فیاضی، خوفِ خدا اور مسئولیتِ آخرت کے احساس سے عبادت تھی اور جو ریاست وجود میں آئی وہ امن و امان، نظم و ضبط، عدل و قسط، انسانی مساوات اور نزعِ عمل کی ہم آہنگی کا ایک دل پذیر مرقع تھی۔ جہاں جاہلی امتیازات اور طبقاتی تفریقات ناپید تھیں اور حکمران اور عوام ایک ہی قانون کے تحت زندگی بسر کرتے تھے۔ جہاں اگر کوئی امتیاز تھا تو ان نظریات عقائد پر ایمان اور عمل کی بنیاد پر تھا جس پر یہ ریاست اور معاشرہ قائم تھا۔

شبِ معراج کی سب سے بڑی اہمیت یہی ہے اور آج بھی اس کے دامن میں کوئی پیغام مسلمانوں کے لئے ہے تو یہی کہ جو اصول اخلاق و تمدن اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو اپنی بارگاہ میں بلا کر عطا کیے تھے ان پر وہ اپنے معاشرہ اور ریاست کی بنیادوں کو از سر نو استوار کریں۔ دنیا کو آج بھی ان اصولوں کی ویسی ہی ضرورت ہے، جیسی ضرورت اس وقت تھی جب رسول اللہ ﷺ کو سفرِ معراج پر بلایا گیا۔ بلکہ دنیا سے پہلے خود مسلمانوں کو ضرورت ہے۔ وہ جہاں آزاد ہیں وہاں اپنے نفس و خواہشات کی بندگی کر رہے ہیں اور جہاں محکوم ہیں وہاں اغیار کے آگے سرنگوں ہیں۔ ان کا معاشرہ پر آگندگی اور عناد کا شکار ہے۔ ایک دوسرے کی ہمدردی، بی خواہی اور دکھ سکھ میں موانست قصہ ماضی بن چکا ہے۔ ان کا تمدن جن بنیادوں پر قائم تھا وہ ایک ایک کر کے ڈھے چکی ہیں۔ فواحش، بدکاری اور بے یائی کا ایک طوفان ہے جو اُمد آرہا ہے۔ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے۔ مسلمان کی جان بغیر کسی حق کے مباح قرار پا چکی ہے۔ بخل اور اسراف نے ان کی معیشت کو تہہ وبالا کر رکھا ہے۔ اللہ کی رزاقیت پر سے ان کا ایمان اٹھ چکا ہے اور ہر جگہ وہ قتل اولاد کے منصوبے تیار کر رہے ہیں۔ بددیانتی اور بد عہدی، جہالت اور وہم و گمان کی پیروی اور غرور و تکبر ان کی قومی خصوصیات بن چکی ہیں۔ اخلاقی قدریں ایک ایک کر کے دم توڑتی جا رہی ہیں۔ ان کی زندگی اسی پیغام کو اپنانے میں ہے، جو شبِ معراج ان کو دیتی ہے۔

سریت من حرم لیللاً الی حرم	کما سری البدنی داج من الظلم
وبت ترقی الی ان قلت منزلة	من قاب قوسین لم تدرك ولم ترم
وانت تحرق السبع الطباق بهم	فی مولب کنت فیہم صاحب العلم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

من الدنوا ولا مرقا لمستم	حتی اذا لم تدع شأواً.....
علی حبیبک خیر الخلق کلهم	یا رب صلّ وسلّم دائماً ابداً

(امام بصیریؒ)

مدینے میں ماہِ تمام آگیا ہے

غلام محمد ﷺ کا رتبہ بڑا ہے	ہر اورنگ زیب اس کے در کا گدا ہے
یہ گرد و غبار گزر گاہِ بطحا	یہ کل جو اہر ہے خاکِ شفا ہے
یہاں کا ہر اک ذرہ ہے سنگِ پارس	مہوس! یہ مٹی نہیں کیمیا ہے
ہیں جاؤ بکش اس جگہ کے فرشتے	یہ آرام گاہِ شرا نبیا ہے
وہ تعبیر خواب خداوندِ پیچوں	وہ نقشِ بیولائے ارض و سما ہے
جو پچھلے پہر کالی کملی میں لپٹا	تیر چرخِ دوارِ محوِ دعا ہے
محبت ہے گو اس کی و شب و روزن سے	مگر ٹھنڈک آنکھوں کی ذکرِ خدا ہے
بشر کو ملا ہے، رسالت کا رتبہ	وہ ہم میں سے ہے، ہم سے لیکن جدا ہے
یہ آسمان ہے ذاتِ الطاقین دیکھو	یہ سارا گھر انہ ہی اس پر فدا ہے
بجائے ہیں ذفرہ چشمانِ یثرب	مدینے میں ماہِ تمام آگیا ہے
مکیں یاد آئے مجھے ذی سلم کے	جگر کا لہو آنسوؤں میں ملا ہے
ہر اک شے ہے آساں مگر ذکرِ خواہاں	بیانِ بجا ہے حدیثِ وفا ہے
کہاں ہو سکی عشق کی پردہ داری	برستا ہے پانی دھواں اٹھ رہا ہے
بسی ہے فضاؤں میں خوشبوئے رفتہ	کفِ دستِ صحرا پہ رنگِ حنا ہے
سُراقہ کے ہاتھوں میں کُسرِ ی کے نگن	عمرِ پیش گوئی پہ سر دھن رہا ہے
فراشِ محمد ﷺ پہ مشرک نہ بیٹھے	یہ اُمِ حبیبہ نے کس سے کہا ہے؟
کسے وصلہ اس کی نعت و ثنا کا	امامِ رسل ہے امینِ خدا ہے
صدائِ قُرْب کی آتی ہے پیہم	یہ ڈھرن ہے دل کی کہ بانگِ درا ہے
صبا گد گداتی ہے جب تک گلوں کو	لبِ سارباں پر نشید و خدا ہے
تری رحمت اس کی کرے دستگیری	دلِ خالد آماجِ رنج و بلاء ہے
پریشان و مخزون و خاموش و حیراں	صنم آشنا، رہن خوف ورجا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مدینے میں ماہِ تمام آگیا ہے

رہے ذکر سے عمر معمور اس کی	کہ خواب و خورش اس کا حرف و نوا ہے
عوض سے معرّ اغرض سے مبرا	سخن و رہے لوح و قلم مانگتا ہے
یکے جرمہ دریا! یکے قطرہ باراں!	
ہے لبہ تشنہ، جو یائے آب بقاء ہے!	

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پروفیسر امان اللہ خاں،

شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

سرور کائنات ﷺ بحیثیت مؤسس و مدبر ریاست

ایک عظیم الشان ریاست کی تاسیس اور تدبیر و تنظیم سرور کائنات ﷺ کا حیرت انگیز اور لاثانی کارنامہ ہے۔ ایک ایسی شخصیت جسے اپنے ہم وطنوں نے قتل کر دینے کا تہیہ کر رکھا ہو صرف ایک مونس و مدگار رفیق سفر کے ساتھ غاروں میں چھپتی، نانوس اور دشوار گزار راستوں پر چلتی، اپنے وطن سے سینکڑوں میل دور مدینہ میں پناہ گزین ہوتی ہے۔ وطن سے بے وطن ہونے والی یہ ہستی تائید ایزدی اور اپنی فراست سے اہ میں مدینہ کے چند محلوں پر مشتمل ایک شہری ریاست قائم کرتی ہے۔ یہ ریاست اوسطاً ۲۷۴ مربع میل فی یوم کی بے نظیر سرعت کے ساتھ دس سال کے قلیل عرصہ میں بڑھ کر دس لاکھ مربع میل ہو جاتی ہے۔ پورا عرب جس میں نزاج کا دور دورہ تھا اور جس نے ایک جھنڈے اور ایک حکومت کے ماتحت اکٹھا ہونا سیکھا ہی نہیں تھا یکایک پرچم اسلام کے ماتحت متحد و منظم ہو گیا اور اس نے آنحضور ﷺ کی روحانی و سیاسی قیادت کو تسلیم کر لیا۔ قومیت کا بت پاش پاش ہو گیا اور اس کی جگہ پر ایک عالمگیر مسلم برادری کا قیام عمل میں آیا۔ پوری ملت کو ایک معبود، ایک رسول، ایک کتاب، ایک قبیلے اور ایک مرکز پر جمع کر دیا گیا۔ میثاق مدینہ کو تحریر صورت دے کر اسے دنیا کا پہلا تحریری دستور بنادیا گیا۔ عوام اور ریاست کے حقوق و فرائض کا تعین ہوا۔ انصاف اور قانون کی حکومت قائم ہوئی اور قانون کے سامنے مساوات کا اصول وضع ہوا۔ انتظامیہ، مقننہ اور دلیہ کے اصول و ضوابط مرتب ہوئے۔ شوریٰ کی فضیلت قائم ہوئی۔ ریاست کے شہریوں کی معاشرتی، معاشی، تعلیمی، اخلاقی و روحانی اور سیاسی زندگی کے ضابطے وضع ہوئے اور ان کا عملی نفاذ ہوا۔ خارجہ پالیسی کے اصول اور طریق کار کا تعین ہوا۔ غیر مسلم اقلیتوں اور مختلف مذہبی جماعتوں سے سلوک اور ان کے حقوق و فرائض کی نشاندہی کی گئی۔ جنگ اور صلح کے قوانین مرتب ہوئے۔ انسانی شرف و عظمت کی حرمت قائم ہوئی۔ الغرض معاشرہ انسانی کی تشکیل، تعمیر اور فلاح و بہبود نیز ایک صحیح اور اعلیٰ درجہ کی اسلامی فلاحی مملکت کے قیام سلسلے میں جتنے بھی ضروری اقدامات ہو سکتے ہیں، کیے گئے۔ معاشرہ اور ریاست کی اسی تنظیم و تدبیر کا اثر تھا کہ جب ربیع الاول ۱۱ھ میں سرور کائنات ﷺ اس جہان فانی سے رخصت ہوئے ہیں تو کم و بیش پورا عرب آپ ﷺ کی سیادت کو تسلیم کر چکا تھا اور دس لاکھ مربع میل پر آپ ﷺ کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک مضبوط، متحد، بااخلاق، ایثار و اخلاص کی پیکر رنگ و زبان و نسل کے امتیازات سے بالاتر، **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ....** امت و ملت تیار ہو چکی تھی۔ اسی ملت کے افراد نے آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے شرع کیے ہوئے کام کو جاری رکھا اور پوری نسل انسانی کو توحید خداوندی، وحدت نسل انسانی، شرف انسانیت، عدل و مساوات، رواداری، خوش معاملگی اور دیگر اعلیٰ روحانی، اخلاقی اور انسانی اقدار کی تعلیم دینے کا سلسلہ جاری رکھا۔

اس وقت کی دنیا کی دو عظیم طاقتوں نے جسے تاریخ ایرانی ایمپائر اور بازنطینی ایمپائر کے نام سے یاد کرتی ہے، اس نئی ابھرنے والی عالمی اصلاحی و فلاحی تحریک کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور اسے دبا دینے اور کچلنے کے سارے حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ نتیجہ ملت اسلامیہ اور ان عظیم الشان حکومتوں کی ٹکری صورت میں نکلا۔ لیکن تاریخ، عالم نے یہ نظارہ دیکھا کہ عرب کے ریگزاروں سے اٹھنے والی یہ ملت جس کی آبیاری دنیا کو آخری اور مکمل پیغام رشد و ہدایت دینے والے ہادی برحق، خاتم الانبیاء کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ دیکھتے دیکھتے ان حکومتوں پر چھا گئی۔ اور آنحضور ﷺ کی وفات کو ابھی پندرہ برس بھی نہیں گزرے تھے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ایرانی شہنشاہیت کا مکمل طور پر خاتمہ ہو گیا اور اس کے تمام مقبوضات پر وان اسلام کے زیر نگین آ گئے۔ باز نطنی شہنشاہیت کا غرور بھی خاک میں مل گیا۔ شام، مصر، فلسطین ان کے ہاتھوں سے چھن گئے اور ایک عظیم اور انسانیت نواز برادری کا حصہ بن گئے۔ اس نئی قائم شدہ اسلامی ریاست کی وسعت ابھی رکھی نہیں۔ آنحضور ﷺ کی وفات کو ابھی پورے سو برس بھی نہیں گزرے تھے کہ مسلمان ایک ایسی عظیم الشان مملکت کے مالک بن گئے جس کی نظیر پوری تاریخ عالم میں موجود نہیں تھی۔ عظیم رومی حکومت بھی اپنے انتہائی عروج کے زمانے میں اس وسعت اور عظمت کو نہیں پہنچ سکی تھی۔ اس عظیم حکومت کی سرحدیں مشرق میں چین، مغرب میں فرانس کی خلیج بسکے، شمال میں بحیرہ آرال اور جنوب میں عدن تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اور اس وسیع و عریض سلطنت میں تین براعظموں ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے وسیع و عریض اور زرخیز و شاداب خطے شامل تھے اور ان علاقوں میں پھیلی ہوئی لاکھوں مساجد کے میناروں سے روزانہ پانچ مرتبہ محمد عربی ﷺ کے خدائے برتر و بالا کا نام پکارا جاتا تھا اور اسلام کی عظمت و سچائی کی شہادت دی جا رہی تھی۔

آج کم و بیش چودہ برس گزر جانے کے بعد اس عظیم مدبر اور ہادی کے ماننے والوں کو پس پشت نہیں ڈالا جاسکتا بالخصوص جبکہ:

1. دنیا کی کم و بیش چوتھائی آبادی آنحضور ﷺ کو اپنے لئے اسوۂ حسنہ سمجھتی ہے اور ان کو دیئے ہوئے قانون کو احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔
2. آپ ﷺ کے پیرو مشارق و مغارب ارض میں پھیلے ہوئے ہیں۔
3. پرانی دنیا کی اکثر اہم شاہراہوں پر سیستائیا سکونت انہی کا قبضہ ہے۔
4. پیروان اسلام کی اکثریت جنگی نسلوں پر مشتمل ہے۔
5. دنیا کی سب سے مفید اور قیمتی دولت تیل کی پیداوار کا کثیر ترین حصہ انہی کے حصے میں آیا ہے۔
6. یہ ملت عظیم الشان اور قابل رشک تاریخ رکھتی ہے۔
7. یک نسل نہ رکھنے کی وجہ سے اس ملت کا کوئی نہ کوئی حصہ نئی زندگی کا ثبوت دیتا رہتا ہے۔
8. اور اس کا پھیلاؤ ابھی رکا نہیں۔ اس کے بعض طبقات میں انتہائی ناسازگار مقامات پر زبردست اور منتظم دشمنوں کو شکست دینے کی صلاحیت ابھی باقی ہے۔

یہ سارا فیض اسی ہستی کا ہے جسے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا اور جسے پوری نسل انسانی کی اصلاح، ہدایت اور تعمیر و ترقی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک اسلامی ریاست کی تاسیس اور تنظیم و تدبیر کا جو کام سر انجام دیا اس کو بالتفصیل بیان کیا جائے۔ آنحضور ﷺ ماہ ربیع الاول ۱ھ میں جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپ نے تین امور پر اپنی خاص اور فوری توجہ مبذول کی۔

1. مسلمانوں کو یک جا اور متحد ہو کر روحانی و اجتماعی رفعتیں حاصل کرنے کے لئے مسجد نبوی کی تعمیر کی۔ اذان کی ابتداء ہوئی اور مسلمان باقاعدگی سے دن رات میں پانچ وقت ایک جگہ پر اکٹھے ہونے شروع ہوئے۔ عبادت کے علاوہ مسجد مسلمانوں کی جملہ سماجی و سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنی۔
2. سرور کائنات نے فرمان الہی اِنَّمَا الْبُؤْمُنُونَ اِخْوَةٌ اور وَاذْكُرُوا اللّٰهَ عَلَيْهِمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبِرْهُمْ بِرَبِّهِمْ اِخْوَانًا (۱۰۳:۱۰۳) کی عملی مثال قائم کی اور جملہ مسلمانوں میں رشتہ مواخاة قائم کیا۔ یوں یہ بات واضح کر دی گئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کہ رشتہ اسلام اور جبل اللہ مادی اور خونی رشتوں سے زیادہ وسیع اور زیادہ قوی ہے۔ اس رشتہ اخوت میں کسی قسم کا دنیاوی امتیاز یا قومیت کا امتیاز جس کے مختلف ماہر رنگ، نسل، لسان اور وطن وغیرہ ہیں، حائل نہیں ہو سکتا۔

3. میثاقِ مدینہ طے کر کے آپ ﷺ نے مسلمانوں کی شہری ریاست کا آغاز کیا اور خود اس کے سربراہ تسلیم کر لئے گئے۔

میثاقِ مدینہ:

سرورِ کائنات ﷺ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو آپ ﷺ کے سامنے علاوہ دیگر امور کے مدینہ اور اس کے ساکنانِ قدیم و جدید کے مندرجہ ذیل مسائل فوری توجہ طلب تھے۔

1. مہاجرین مکہ کی آبادی و رہائش اور روزگار کا انتظام۔ نیز قریش مکہ سے مہاجرین کو پہنچے ہوئے نقصان کا بدلہ۔

2. اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین۔

3. شہر کے غیر مسلم عربوں اور خاص کر یہود سے سمجھوتہ۔

4. شہر کی سیاسی تنظیم اور اس کے تحفظ و دفاع کا کام۔

انہی مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے آنحضور ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے چند ماہ بعد ہی مدینہ کے شہریوں کی رضامندی سے ایک دستاویز مرتب فرمائی جسے میثاقِ مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق یہ میثاق دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور تھا¹²۔ اس دستور کے ترپن جملے یا دفعات تھیں۔ یہ میثاق پورے کا پورا ابنِ اسحاق، ابنِ ہشام اور صاحبِ کتاب الاموال ابو عبیدہ القاسم بن سلام نے اپنی کتابوں میں محفوظ کر رکھا ہے¹³۔ میثاق کی پہلی ۲۳ دفعات مہاجرین و انصار سے متعلق قواعد پر مشتمل ہیں اور بقیہ حصہ مدینے کے یہودی قبائل کے حقوق و فرائض سے بحث کرتا ہے۔ ان دونوں میں ایک جملہ دہرایا گیا ہے کہ آخری عدالتِ مرافعہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہوگی۔ اختصار پسندی کے پیش نظر ذیل میں اس معاہدہ کی چند اہم دفعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

یہ نوشتہ یادستاد ہے۔ محمد ﷺ کی طرف سے جو نبی ہیں، قریش اور اہل یثرب میں سے ایمان داروں، اطاعت گزاروں نیز ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابع ہوں، ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیں۔

(۱) دوسرے لوگوں کے بالمقابل وہ ایک امت (سیاسی وحدت) ہوں گے۔

(۲-۱۰) قریشی مہاجرین، بنو عوف، بنو ساعدہ، بنو جشم، بنو حارث، بنو نجار، بنو النبیہ، بنو عمرو بن عوف اور بنو اوس اپنے اپنے دستور کے مطابق خوں بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمانداروں کا ہر تاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(۱۱) اور ایمان دار لوگ کسی مفلس اور زیر بار شخص کو مدد دیئے بغیر نہ چھوڑیں گے تاکہ اس کا فدیہ یا خوں بہا بخوبی ادا ہو سکے۔

¹² ڈاکٹر حمید اللہ، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی (حیدر آباد دکن، تاریخ طباعت نامعلوم) صفحات 11-17

¹³ ابنِ ہشام، السیرۃ النبویہ (اردو ترجمہ) از مولانا عبد الجلیل (لاہور) ج ۱ ص 575-525۔ نیز دیکھیے ڈاکٹر حمید اللہ، الوثائق السیاسیہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(۱۳) اور متقی، ایماندار ہر اس شخص کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں گے جو ان میں سے سرکشی کرے، ظلم، گناہ یا زیادتی کا مرتکب ہو یا ایمان دار لوگوں میں فساد پھیلانے۔ ان سب کے ہاتھ ایسے شخص کی مخالفت میں ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۴) ایمانداروں کی صلح ایک ہی ہوگی۔ اللہ کی راہ میں ہو تو کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا جب تک یہ صلح سب کے لئے برابر نہ ہو۔

(۲۱) اور کوئی مشرک قریش مکہ کو یا ان کے مال کو پناہ نہیں دے گا اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی اہل ایمان کے لئے رکاوٹ بنے گا۔

(۲۲) جو شخص کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا اور گواہوں سے اس کا ثبوت مل جائے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

(۲۴) اور جب کبھی تم میں کسی چیز کے متعلق اختلاف پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(۲۶) اور بنی عوف کے یہودی، ایمانداروں کے ساتھ ایک امت (سیاسی وحدت) تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہودی اپنے دین پر رہیں۔ مسلمان اپنے دین پر رہیں خواہ وہ موالی ہوں یا اصل البتہ جو لوگ ظلم اور جرم کے مرتکب ہوں گے وہ اپنی ذات یا گھرانے کے سوا کسی کو ہلاکت و فساد میں نہیں ڈالیں گے۔

(۳۶-۲۷) مندرجہ بالا حقوق دیگر یہودی قبائل کو حاصل ہوں گے۔

(۳۷) اور یہ کہ ان میں (یہود) سے کوئی بھی محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر جنگ کے لئے نہیں نکلے گا۔

(۳۲) یہودی اس وقت تک مصارف برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر شریک جنگ رہیں گے۔

(۴۶) اس صحیفہ کو قبول کرنے والوں کے درمیان کوئی نیا معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو جس پر فساد رونما ہونے کا خطرہ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا۔

(۴۷) نہ قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ اس شخص کو جو ان کا معاون ہو۔

(۴۸) اگر کوئی شرب پر حملہ آور ہو تو ان معاہد فریقوں پر ایک دوسرے کی امداد و نصرت لازم ہوگی۔

(۵۲) اس معاہدہ کی خلاف ورزی ظالم اور مفسد کے سوا اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ جو شخص مدینہ میں خلوص اور امن کے ساتھ سکونت رکھے یا خلوص اور امن کے ساتھ کسی دوسری جگہ منتقل ہونا چاہے اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ لیکن فساد اور شرارت کرنے کے لئے قیام مدینہ اور یہاں سے ترک سکونت دونوں پر گرفت ہے۔

(۵) جو شخص متقی، بھلائی کا طلب گار اور عہد و اقرار میں وفا شعار ہے، اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ بھی اس کے حامی و خیر اندیش ہیں^{۱۴}۔

اس دستاویز کے مندرجات پر ایک سرسری نظر سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کی بدولت آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے عدالتی، تشریعی، فوجی، تنفیذی اور دیگر سیاسی اختیارات محفوظ فرمائے اور ایک شہری ریاست کی بنیاد رکھ دی۔

^{۱۴} حوالے کے لئے دیکھیے سیرت ابن ہشام ج ۲، صفحات ۵۷۵-۵۲۵، نیز الوثائق السیاسیہ۔

دورِ حاضر میں ریاست کے تین اہم شعبے یا اعضاء بیان کیے جاتے ہیں جن کو انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ اگر ریاست کی اس تقسیم کو سامنے رکھتے ہوئے سرورِ کائنات ﷺ کے مبارک عہد کا جائزہ لیا جائے تو مندرجہ ذیل امور کا پتہ چلتا ہے۔

انتظامیہ:

آنحضور ﷺ انتظامیہ کے سربراہ تھے۔ اور اس نصب العینِ امامت و خلافت کو عملی شکل دینے والے تھے جس کا ذکر خالق کائنات نے قرآن حکیم میں کیا ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت جملہ مذہبی و سیاسی اختیارات کی حامل تھی۔ اسلام کا تحفظ و نفاذ، اجرائے قوانین اسلامی، صلاح و فلاحِ عامہ، والیوں اور عمال کا تقرر، فوجوں کی تنظیم و قیادت، قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد، اقتصادی انتظامات، اجرائے فرامین، امورِ خارجہ۔ دیگر اقوام و مصالحت و معاہدے، عہدہ داروں کی خبر گیری اور احتساب، نو مسلموں کے انتظامات، تبلیغی خطوط و وفود و ارسال کرنا، تعلیم کا بندوبست اور دیگر اہم امور آپ ﷺ ہی کی نگرانی میں سرانجام پاتے تھے۔ عام ملکی قانون قرآن حکیم تھا یہ جوں جوں نازل ہوتا جاتا ہادیٰ برحق نبی کی حیثیت سے اس کا ابلاغ کرتے جاتے اور منتظم و سربراہ ریاست و حکومت کی حیثیت سے اس کا نفاذ کرتے چلے جاتے تھے۔

ریاست کے جو معاملات دین (عبادات) سے تعلق نہیں رکھتے تھے ان میں مشورہ کے لئے باقاعدہ مجالس منعقد کی جاتی تھیں اور باہم تبادلہٴ خیال کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچا جاتا تھا۔ اہم امور میں باہمی مشاورت کا اصول بنیادی اور مستقل حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ قرآن حکیم نے **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ** (۱۵۹:۳) اور **وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ** (۳۸-۴۲) کے واضح ارشادات سے شوریٰ کو لازوال اور مستقل حیثیت دے دی تھی۔ اسی تعلیم اور آنحضرت ﷺ کے عمل نے اسلامی نظامِ سیاست میں اس اصول کو ایک مضبوط رکن کی حیثیت دے دی۔

مقننہ:

جیسا کہ پہلے بیان ہوا اس نوزائیدہ مملکت کا آئین و قانون اللہ تعالیٰ کی کتاب تھی جو نازل ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے رسول اور نمائندے سرورِ کائنات ﷺ جو مہبطِ وحی و الہام تھے وہ موجود تھے اور یہ آئین و قانون لوگوں تک پہنچا رہے تھے اور اس کا نفاذ عمل میں لا رہے تھے۔ یوں آپ ﷺ کی ذات واحد ہی مقننہ اور اس کی سربراہ تھی۔ مسائل شرعیہ میں افتاء کا کام اور معاملات و مذہب میں اجتہاد کا سلسلہ اگرچہ شروع ہو چکا تھا لیکن ابھی اس کا دائرہ وسیع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

قرآن حکیم کی تشریح، اس کے اجمال کی تفصیل، اسلامی روح کے مطابق مسائل کا حل اور قوانین و ضوابط کا وضع کرنا آنحضور ﷺ کے ہی دائرہ اختیار میں تھا۔ یہی تشریحات اور آپ ﷺ کا عمل بعد میں سنت کے نام سے موسوم ہوا اور قانونِ اسلامی کا دوسرا بنیادی ماخذ قرار پایا۔

عدلیہ:

آنحضور ﷺ نے عدل کا جو تور دیا اور اس پر عمل کی جو تصویر پیش کی وہ پوری تاریخِ انسانی میں لازوال حیثیت کی حامل ہے۔ وحی الہی کی زبان میں آپ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ﷺ نے نسل انسانی کو یہ بتایا کہ انصاف ہر قسم کی نفرت یا دشمنی، لالچ یا خوف اس میں حائل نہیں ہونے چاہئیں۔ قرآن حکیم کے یہ ارشادات:

(الف) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ** (۳۵:۴)

(ب) **وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا** (۱۵۳:۶)

(ج) **وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا، اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ** (۸:۵)

اور اسی قسم کی دوسری تعلیمات اور آنحضور ﷺ کی احادیث اور اسوہ حسنہ عدل و انصاف کی افادیت، حیثیت اور عظمت کو بیان کرتی ہیں اور عدل کے راستے میں جتنی ممکن رکاوٹیں ہو سکتی ہیں ان کے سدباب کی تلقین کرتی ہیں۔ اسلام کی رو سے قانون و عدالت کے سامنے ایک عام اور معمولی شہری سے لے کر سربراہ مملکت تک سبھی مساوی ہیں۔ اس میں ادنیٰ و اعلیٰ، امیر و غریب، خویش و بیگانہ، قریبی و غیر، دوست و دشمن، راعی و رعایا کی قطعاً کوئی تمیز نہیں ہے۔ سرور کائنات نے عدل و انصاف کا جو عملی معیار قائم کیا اس کو سمجھنے کے لئے صرف ایک مثال ہی کافی ہے اور وہ یہ ہے کہ خاندانِ قریش کی ایک ذی اثر خاتون نے چوری کا ارتکاب کیا۔ اس کی رہائی کے لئے بڑی موثر اور عظیم سفارشیں آنحضور ﷺ کے پاس بھیجی گئیں۔ اس پر بھی آپ ﷺ نے یہ فیصلہ صادر کیا۔ تم سے پہلے ایسے لوگ ہلاک کر دیئے گئے اور وہ عذابِ الہی کے سزاوار بنے۔ کیونکہ جب ان میں سے کوئی سربراہ آوردہ شخص چوری کرتا تو وہ اس کو معاف کر دیتے لیکن اگر کوئی غریب اور کمزور ایسا کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہؓ محمد ﷺ چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کٹا دیتا۔

عہد نبوی میں عدلیہ کی سربراہ عدالتِ عالیہ خود آنحضور ﷺ کی ہی ذات تھی۔ قاضیوں کا تقرر اور انہیں عدالتی و اصولی ہدایات دینا آپ ﷺ ہی کے فرائض میں داخل تھا۔ معاذ ابن جبل کا یمن کے قاضی اور والی کی حیثیت سے تقرر اس پہلو پر واضح روشنی ڈالتا ہے۔

عسکری تنظیم:

مضمون کا یہ حصہ ڈاکٹر حمید اللہ کے مندرجہ ذیل الفاظ سے شروع کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

The Prophet's empire, which commenced with a few streets of a small city-state, expanded at the average rate of 274 square miles daily; and after ten years of political activity, when he breathed his last, he was ruling over a million square miles. This area, as big as Europe minus Russia, and inhabited certainly by millions of people at that time, was conquered at a cost of barely 150 men killed on the battlefields on the enemy side. Loss of Muslims was at the rate of one martyr a month for a period of ten years at an average. This respect of human blood is unequalled in the annals of man. Moreover, the firmness of occupation, the mental transformation of the conquered and their complete assimilation, and the production of such trained officers who in a bare fifteen years after the

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

death of the leader delivered millions of square miles from bellum omnium contra omnes to enjoy the pax Islamica and similar phenomena arouse in us an intense curiosity to study the wars of the time of prophet. These wars of the Prophet had nothing in common, except the name, with our mundane wars and we see in his wars the truth of his own saying: "I am the Prophet of Battle, I am the Prophet of Mercy"!

Dr. Hamidullah, The Battlfields of the Prophet Muhammad – (England, 1953), P.5. 1.

- کتاب و سنت کی رو سے اسلامی تصور جنگ کے بارے میں جن اہم باتوں کا پتہ چلتا ہے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:
1. جنگ ظلم و استبداد کے انسداد کی خاطر، ظالم کو اس کے ظلم سے روکنے دینے یا اس کا بچہ ستم توڑ دینے کے لئے اور منظلوم، ضعیف و ناتوان افراد انسانیت کی حمایت کی خاطر لڑی جاسکتی ہے۔
 2. فتنہ و فساد کے خاتمے کے لئے بھی جنگ کی اجازت ہے۔
 3. ملت و ریاست کے تحفظ و دفاع کی خاطر کہ جب غنیم آپ پر حملہ آور ہو یا حملہ کی تیاری کر رہا ہو، دشمن سے جنگ چھیڑنے کی اجازت ہے۔
 4. فریق مخالف پر زیادتی نہیں کی جائے گی اور صلح کو ہر حال میں ترجیح دی جائے گی۔¹⁵

پیغمبر اسلام ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال کے اندر کم و بیش انیس جنگی محاذوں پر امیر الافواج کے فرائض بذات خود سرانجام دیئے اور پینتیس فوجی مہموں کے لئے امراء فوج کا تقرر فرمایا۔ طریقہ جنگ میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی۔ فوجوں میں صف بندی کا طریقہ رائج کیا۔ محاذ کی تشکیل دینے کا اسلوب سمجھایا۔ فوجی علم دینے کا سلسلہ رائج کیا۔ پیدل فوج میں فولاد پوش دستوں کی تیاری پھر اسپ سوار دستوں کا تیار کرنا۔ سالار افواج کی حفاظت اور اطاعت امیر کے اصول اور دوسری ضروری باتیں مسلمانوں کو سمجھائی گئیں۔ احد کے معرکے میں آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ سو سپاہیوں کی زرہ پوش پلٹن قائم کی اور اس کو اتنی ترقی دی کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ کی پوری فوج جس کی تعداد دس ہزار تھی زرہ پوش مجاہدین پر مشتمل تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ آدمی لوہے کے سمندریں تیر رہے ہیں۔

- وہ امور جن کی بنا پر آنحضرت ﷺ دیا کے عظیم ترین سپہ سالاروں میں لاثانی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک فوجی ماہر کے نقطہ نگاہ کے مطابق یہ تھے۔
1. شخصی اخلاق و کردار کے وہ تمام اوصاف و محاسن جو ایک سپہ سالار میں موجود ہونا ضروری ہیں اور جنہیں زمانہ جدید کے دفاعی ماہرین اس کی شخصیت کا فکری منتہائے کمال سمجھتے ہیں، آنحضرت ﷺ کی ذات میں بہ تمام و کمال موجود تھے۔ قدیم و جدید فوجی ماہرین کی رائے میں سپہ سالار کو اعلیٰ خصائل کا حامل، شخصی طور پر قابلِ تعظیم اور حکومت کی اہلیت کا مالک ہونا چاہئے۔ اس کے دل و دماغ، عزم و اعتماد، عقل و شعور، استقلال و سلامت روی

¹⁵ حوالے کے لئے دیکھیے: القرآن الحکیم ۲۲: ۳۹-۴۰، ۴۵: ۴، ۲۸: ۱۸۶-۱۸۹، ۲: ۱۹۰، ۸: ۶۱

انصاف پروری اور اعتدال پسندی کی خوبیوں سے متصف ہوں۔ اسے زندہ دل، جفاکش بے خوف اور بے باک ہونا ہے۔ اسی طرح مصائب کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا، غور و خوض کا عادی ہونا، نیز مردم شناس ہونا تاکہ وہ اپنے آدمیوں اور دشمن کو صحیح طور پر سمجھ سکے۔

2. آنحضرت ﷺ نے قلیل ترین مدت میں مسلمانوں کے اندر اعلیٰ درجہ کا لشکری ضبط و نظم، بہترین حربی استعداد، عزم و حوصلہ، بے نفسی و خود اعتماد یا اعتمادی، جفاکشی و ایثار، اطاعت شعاری و فرمانبرداری، اخوت و مساوات کی بے مثال خوبیاں پیدا کر کے انہیں منظم و مرتب فوج بنادیا تھا۔

3. آنحضرت ﷺ نے آنے والے حالات کا اندازہ کر کے مدینہ سے یمنوع اور یمنوع سے مکہ تک فوجی نقل و حرکت کر کے مجاہدین کو ہر نشیب و فراز کا مشاہدہ کرایا۔ تاکہ وہ اس کے دشوار گزار راستوں، پگھلندہ یوں، چشموں اور غاروں وغیرہ سے اچھی طرح واقف ہو جائیں اور جب لڑائی کا وقت آئے تو نقل و حرکت میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔

4. آنحضرت ﷺ نے مجاہدین کو اسلحہ استعمال میں ماہر بنایا۔ انہیں بلا تکان رات ہو یا دن، منزل مقصود پر پہنچنے کی عادت ڈالی اور ان میں فوجی راز کو راز رکھنے کی قابلیت پیدا کی۔

5. فوجوں کو علم عطا فرما کر آپ ﷺ نے سارے عرب میں اپنی دفاعی فضیلت کا اعلان کیا۔ سیاسی طور پر یہ منافقین پر بہت کاری ضرب تھی۔ فوجوں میں صف بندی اور مہمات پر روانگی سے قبل ان کا معائنہ آپ ﷺ کی بہت اہم کارروائی تھی۔ جن سے سیاسی و فوجی نظم و استحکام میں بہت زیادہ مدد ملی۔

6. مکہ میں نامہ نگار متعین کیا۔ جو خفیہ طور پر آپ ﷺ کو وہاں کے حالات سے باخبر رکھتا۔ ایک طرف آپ ﷺ فوجی دستوں اور جاسوسوں کے ذریعے حالات معلوم فرماتے دوسری طرف خبر رسانی کا بھی انتظام رکھتے۔

7. اس کے ساتھ اپنے شہری باشندوں اور فوجی آدمیوں کو اپنی نقل و حرکت کے راز رکھنے کا پابند بنایا۔ فوجی دستوں کو قبل از وقت کبھی یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ کتنے عرصے کے لئے اور ہاں جارہے ہیں۔

8. فوج کی تکمیل و تربیت کے ساتھ آپ ﷺ نے سیاسی پہلوؤں کی تکمیل کا بھی پورا بندوبست فرمایا۔ مدینہ کے شہریوں کو منظم کیا جو قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور دشمن تھے اور مذہبی اختلافات اور ذاتی بعض وعداوت کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، ان سب کو مجتمع کیا اور نہ صرف زمانہ امن کے لئے باہمی اعتماد کا رشتہ قائم کیا بلکہ جنگ کے زمانہ کے لئے بھی عہد و پیمان کرائے۔ تمدن و معاشرت کا معیار بدلا۔ حقوق و فرائض کا ایسا ضابطہ مرتب فرمایا کہ اتحاد و محبت کا دور دورہ ہو گیا۔ امن و اعتماد کی فضا سے تجارت نے فروغ پایا۔ معیشت کا نظام بلند ہوا۔ اندرونی اختلافات دور کرنے کے بعد آپ ﷺ نے خارجی سیاست پر توجہ فرمائی۔ تبلیغ کے لئے پہلے گرد و نواح کے علاقے میں پھر حجاز کے دور افتادہ قبائل کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کو اس خوبی سے اپنے مشن کے مقاصد سمجھائے کہ وہ ہمدرد بن گئے اور اگر مسلمان نہ ہوئے تو غیر جانبداری اختیار کر لی۔ تبلیغ کے راستے ہموار ہو گئے۔ آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کا ان پر بہت زیادہ اثر ہوا۔

مدینہ کے اندر اتنا عمدہ نظام قائم ہو گیا کہ آپ ﷺ کی اور فوج کی غیر موجودگی میں بھی کامل امن و امان رہتا اور سب لوگ آپ کے نائب کے احکام کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اطاعت کرتے۔

9. فوجی اور شہری انتظامات کی تکمیل کے بعد آپ ﷺ نے خارجی سیاست کا حربہ استعمال کیا اور اہل مکہ کی تجارت ختم کرنے کے ذریعہ عمل میں لائے۔ ابتدا میں قریش نے اس خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے ساحل کے متوازی راستے اختیار کیے۔ مگر ان پر چل کر ان کے منافع کی مقدار بہت کم ہو گئی۔ اور سامانِ خوراک بڑی دقت سے اور گراں قیمت پر ملنے لگا۔ اس لئے انہوں نے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس طرح سے مشرکین کی عسکری حرکت کے لئے سازگار نہ تھے اور یہی وہ وجہ تھی جن کی بنا پر آپ نے کفار و مشرکین کے کئی کئی گئے بڑے لشکروں کو شکست فاش دی مشرکین کو جنگ میں سبقت بھی کرنی پڑی اور ہر دفعہ شکست کھا کر ہتھیار بھی ڈالنے پڑے۔¹⁶

اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ:

آنحضور ﷺ نے دیگر مذاہب کے متعلق اور غیر مسلم اقلیتوں کے بارے میں جو ضابطہ مرتب فرمایا وہ رواداری اور رحمت کے اصول پر مبنی تھا۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے اسلامی معاشرے میں مذہب و عقیدہ کی پوری آزادی ہے۔ قرآن حکیم میں تمام انبیاء کا، خواہ ان کا نام لیا گیا ہے یا نہیں، ایک سا احترام کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسلامی ریاست اس امر کی پابند ہے کہ وہ تمام اقلیتوں کی جان، مال، آبرو و دیگر بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کا مکمل اہتمام کرے۔ قرآن حکیم کی یہ تعلیم کہ **لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ** (۲۵۶:۲) اور آنحضور ﷺ کو یہ تلقین **”فَأَنْتَ تَكْرَهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مَوْمِنِينَ“** (۹۹-۱۰) مذہب کے معاملے میں زبردستی اور جبر و اکراہ کو سختی سے روکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے تئیں رب العالمین اور رحمان و رحیم ہونے کا اعلان کیا ہے وہاں رسول اکرم ﷺ کو رحمۃ للعالمین کا خطاب دے کر پوری نسل انسانی سے مسلمانوں کے رحمانہ سلوک کی نشان دہی کی ہے۔

اقلیتوں کے بارے میں سرور کائنات ﷺ کی واضح، رحمانہ اور انصاف پر مبنی پالیسی کا پتہ یثاقِ مدینہ اور آپ ﷺ کے جاری کردہ فرامین و عہد ناموں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ آنحضور ﷺ کے اقلیتوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کے تحفظ کا اگر صرف ایک واقعہ بیان کرنا ہو تو وہ اہل نجران کے عیسائی پادریوں کا واقعہ ہے جو وفد کی صورت میں مدینہ آئے تھے۔ آنحضور ﷺ نے انہیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا تھا۔ انہیں ان کے طریق کے مطابق عبادت کی اجازت دی تھی۔ مذہب پر ان کے ساتھ تبادلہ خیال کیا تھا لیکن ان کے انکار پر انہیں حقوق کی ادائیگی کے بارے میں مکمل تحفظ کا یقین دلایا تھا۔ نجران کے پادریوں کے لئے ایک فرمان جو آپ ﷺ نے جاری فرمایا تھا اس کی عبارت کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من جانب محمد نبی ﷺ بنام ابو حارث بشمول نجران کے دیگر پادری، راہب اور کاہن۔

1. سب اپنی اپنی جائیداد کے خود مالک ہیں۔

2. ان کے گرجے، عبادت خانے اور خانقاہوں کی حفاظت خدا کے ذمے ہے۔

3. ان کے پادری اور راہبوں کو ان کے طریق عبادت اور کاہنوں کو ان کے کام سے نہ ہٹایا جائے گا اور نہ ہی ان کے حقوق میں مداخلت کی جائے گی۔

¹⁶ مزید تفصیل کے لئے دیکھیے میجر جنرل محمد اکبر خاں، حدیث دفاع (لاہور ۱۹۵۳ء) صفحات ۱۳۹-۱۴۱، اسلامی طریق جنگ (لاہور ۱۹۵۹ء)

ان امور پر ایفاء عہد کی ذمہ داری بھی خدا اور رسول پر ہے بشرطیکہ یہ لوگ ہمارے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کی خود بھی پابندی کریں اور ہماری خیر طلبی پر قائم رہیں تب انہیں کسی قسم کی مزید زیر باری سے دوچار کیا جائے گا اور نہ ہی ان پر کسی کا ظلم روار کھا جائے گا۔¹⁷

شہریوں کے بنیادی حقوق کا تعین و تحفظ:

ہادیٰ برحق کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ اس نے پوری نسل انسانی کو اس کے بنیادی انسانی حقوق سے نہ صرف یہ کہ آگاہ کیا بلکہ ایک ایسی ملت کی تشکیل کی جو ان حقوق کا تحفظ کرنے والی تھی۔ رنگ، خاندان، نسل، وطن اور لسان کی بنیاد پر برتری، فوقیت اور استحصال کو ختم کرتے ہوئے وحدت و مساوات نسل انسانی کا عملی سبق دیتے ہوئے عربی و عجمی، کالے، گورے، گندمی و زرد رنگ، حبشی و غیر حبشی، رومی و ایرانی، ترک و ہندی کا امتیاز ختم کر دیا اور وجہ فضیلت فقط کردار کی مضبوطی اور اہلیت کو قرار دیا۔ جملہ انسانوں کو بحیثیت انسان محترم اور مساوی قرار دیا گیا۔ اور ان کے جان، مال اور آبرو کے تحفظ کی ضمانت دی گئی۔ مملکت اسلامیہ میں بسنے والے مسلمانوں کے حقوق و فرائض کی نشاندہی کرتے ہوئے ہی آنحضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر کہا تھا: لوگو! تمہارے خون، تمہارا مال، اس دن، اس ماہ اور اس شہر کی حرمت کی طرح حرام ہے تاںکہ تم اپنے رب سے جاملو۔ کیا میں نے بات پہنچادی! اے اللہ گواہ رہنا۔ جس شخص کے پاس کوئی امانت ہو وہ جس کی امانت ہے اسے لوٹا دے۔ جاہلیت کا سود میرے پاؤں تلے ہے۔ پہلا سود جس سے میں اس حکم کا آغاز کرتا ہوں میرے چچا عباس بن عبد المطلب کا سود ہے۔ جاہلیت کا خون منسوخ ہے اور اس ضمن میں پہلا خون جسے ہم معاف کرتے ہیں۔ عامر بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کا ہے۔ جاہلیت کے اعزازت ختم کئے جاتے ہیں۔ بجز خد متہ کعبہ اور حجاج کو پانی پلانے کے۔ قتل عمد میں قصاص ہو گا اور شبہ عمدہ کسی کو لاٹھی یا پتھر سے مار ڈالا جائے اس میں سواونٹ دینے ہوں گے۔ جو اس پر اضافہ کرے گا وہ اہل جاہلیت میں سے ہے۔ کیا میں نے بات پہنچادی۔ اے اللہ گواہ رہنا۔ پھر فرمایا! اے لوگو تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے۔ تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بسر پر کسی دوسرے کو نہ آنے دیں اور تمہاری اجازت کے بغیر کسی ایسے آدمی کو تمہارے گھر نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ اور کوئی بے حیائی کا کام نہ کریں۔.....

اللہ کی امانت کے طور پر تم نے انہیں حاصل کیا اور اللہ کے کلمہ سے تمہارے لئے ان سے تمتع جائز ہوا۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔ کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا! اے اللہ گواہ رہنا۔ پھر فرمایا جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے یا جو غلام اپنے مولیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا مولا قرار دے اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت۔ اس سے کوئی بدلہ اور معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ والسلام علیکم۔¹⁸

عورتوں کے حقوق:

معاشرے کی ترقی و استحکام کے لئے اسلام ضروری سمجھتا ہے کہ افراد کی گھریلو زندگی بھی پرسکون، باسلیقہ اور منظم ہو۔ اسی لئے قرآن حکیم اور رسول اکرم

¹⁷ ڈاکٹر حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات (اردو ترجمہ) لاہور ۱۹۶۰ء، ص ۹۹

¹⁸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۲۵۰، جاحظ، البیان والتبیین ج ۲ ص ۲۴

ﷺ کی احادیث میں ایک اعلیٰ درجہ کے نظام منزل کے قیام کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور مرد، عورت اور بچوں کے حقوق و فرائض کی وضاحت کی گئی ہے۔ نکاح، مہر، نان و نفقہ، وراثت، طلاق وغیرہ سے متعلق مسائل پر اچھی طرح سے روشنی الی گئی ہے۔ اسلام نے مرد اور عورت کے باہمی رشتہ کو باعث سکون و مہمت اور رحمت قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً“ (۲۱:۳۰) (اور یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کر سکو اور تمہارے درمیان دوستی اور رحمت پیدا کی)

بنی نوع انسان پر اسلام کا یہ خاص احسان ہے کہ اس نے عورت کو ایک بلند اور باعزت مقام عطا کیا ہے۔ عورت بحیثیت ماں، بہن، بیوی، یا بیٹی غرضیکہ ہر حالت میں قابل احترام ہے۔ اسلامی معاشرے میں جہاں ”الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ“ (مرد عورتوں کے قوام ہیں) القرآن (۳۴:۴) کی تعلیم کے تحت مرد کو منظم اور مدبر کی حیثیت حاصل ہے، وہاں ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً“ (۱:۴) (اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کیے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان سے مرد و عورت پھیلانے) (القرآن ۱:۴) کے تحت مرد و عورت حقوق میں برقرار دیئے گئے ہیں۔ اسلام نے ”وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ“ (۲۲۸:۲) (اور ان پر (عورتوں) کے حقوق ہیں ویسے ہی جیسے ان پر (مردوں) کے حقوق ہیں) کی تعلیم دے کر عورتوں کے حقوق اور ان کے منصب کی حفاظت کی ہے۔

منزلی زندگی کی استواری کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ”خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لاهله وانا خَيْرُكُمْ لاهلي“ (تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لئے بہترین ہے اور میں اپنے عیال کے حق میں بہترین ہوں) (رواہ ترمذی و دارمی، مشکوٰۃ المصابیح کتاب الزکاح) بھی بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اور ایک اسلامی گھرانے کا نقشہ کھینچ کر سامنے رکھ دیتا ہے۔

ناظم حکومت اور مدبر ریاست کی حیثیت سے ہی آنحضور ﷺ نے ریاست کی اقتصادی تنظیم، تعلیمی تنظیم کا فریضہ سرانجام دیا اور خارجہ پالیسی کے اصول و ضوابط وضع کیے، طوالت کے خوف سے ان پہلوؤں کی تفصیل ان شاء اللہ کسی دوسری فرصت پر ملتوی کرتا ہوں۔

جسٹس بدیع الزمان کیکاؤس

رسول اکرم ﷺ بحیثیت منصف اور قانون ساز

جب کسی جج کے پاس کوئی مقدمہ پیش ہو تو وہ پہلے یہ دیکھتا ہے کہ آیا کسی نافذ شدہ قانون کی بنا پر مقدمے کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اگر کسی قانون کا اطلاق ہوتا ہو۔ تو وہ قانون پر فیصلہ کر دیتا ہے۔ لیکن اگر قانون اس مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لئے کافی نہ ہو تو پھر جج انصاف کے اصول تلاش کرتا ہے یعنی قانون میں جو غلا ہو اس کو انصاف سے پُر کرتا ہے۔ اور کسی انصاف کے اصول کی بنا پر فیصلہ کر دیتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے پاس جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو حضور ﷺ پہلے یہی دیکھتے کہ آیا قرآن کے کسی حکم سے مقدمہ کا فیصلہ ہو سکتا ہے اگر ہو سکتا تو حضور ﷺ قرآن کی بنا پر فیصلہ کرتے۔ اگرچہ ایسا بھی ہوتا کہ آپ ﷺ اپنے حکم کے ذریعے قرآن کے احکام کی تشریح یا تاویل کر دیتے۔ لیکن اگر اس معاملہ کے متعلق قرآن کی کوئی نص موجود نہ ہوتی تو حضور ﷺ خود اس پر حکم صادر فرماتے کیونکہ حضور ﷺ خود شارع¹⁹ تھے۔ یا جو کچھ حضور ﷺ کی رائے میں انصاف ہوتا، اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ چنانچہ جو تشریح یا تاویل حضور ﷺ نے نص قرآن کی کی، یا جو حکم حضور ﷺ نے خود صادر فرمایا۔ یا جس انصاف کے اصول کو حضور ﷺ نے نافذ کر دیا، وہ ہمارے لئے قانون ہے۔ اسی طرح بجائے کسی مقدمے کے اگر کوئی معاملہ حضور ﷺ کے روبرو پیش ہوا جس میں احکام جاری کرنے کی ضرورت تھی۔ تو جیسی صورت مقدمہ کے فیصلہ کی تھی، ایسی ہی صورت اس معاملہ کے فیصلہ کی بھی ہوئی اور اسی طرح حضور ﷺ کی تشریح، (تاویل) احکام یا نافذ کردہ اصول ہمارے لئے قانون بن گئے۔ یہ ضروری نہیں کہ حضور ﷺ نے واضح الفاظ میں کوئی قانون نافذ کیا ہو۔ حضور ﷺ کے عمل سے جو لازمی نتیجہ پیدا ہوا ہو وہ بھی قانون ہے۔

ظاہر ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی قانون سازی کا موضوع بہت وسیع ہے۔ چند صفحات میں تو یہی ہو سکتا ہے کہ اس میں کے کچھ حصوں پر تبصرہ کر دیا جائے۔ حصوں کا انتخاب میں اس نقطہ نگاہ سے کروں گا کہ موجودہ حالات میں کس قانون کی طرف توجہ مبذول کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

1. سب سے پہلے میں اُن مشہور ہدایات کا ذکر کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو دی تھیں۔ جب ان کو یمن کا حاکم مقرر کیا تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے دریافت کیا کہ ”کوئی معاملہ پیش ہو گا تو کیسے فیصلہ کرو گے۔“ حضرت معاذ بن جبلؓ نے جواب دیا۔ ”کتاب اللہ کے مطابق۔“ حضور ﷺ نے سوال کیا ”اگر کتاب اللہ میں کوئی حکم موجود نہ ہو؟“ حضرت معاذ بن جبلؓ نے کہا ”تو سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔“ سوال ہوا ”اور اگر اس میں بھی کوئی حکم موجود نہ ہو۔“ جواب تھا ”تو میں اجتہاد کروں گا۔“ حضور ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اور فرمایا، تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے اللہ کے رسول ﷺ کے قاصد کو

¹⁹ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فیصلہ، حکم، تشریح و تاویل حضور کی اپنی طرف سے ہوتی تھی اور بس! لہذا آپ ﷺ شارع تھے، تو ٹھیک نہیں کیونکہ یہ (إِن الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ) اور وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ وغیرہ) آیات قرآنیہ کے خلاف ہے ہاں اگر آپ ﷺ اس حیثیت سے شارع تھے کہ ظاہر احکام آپ ﷺ کی طرف سے صادر ہوتے تھے جو درحقیقت اللہ کی طرف سے وحی کے بعد یا وحی کے تحفظ (عصمت) کے تحت صادر ہوتے تھے تو پھر آپ ﷺ کو شارع کہنا ٹھیک ہے لیکن یہ کہنا مجاز ہو گا حقیقی ہیں۔ (مدیر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہدایت دی۔“

اس حدیث کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اجتہاد کی بنیاد ہے۔ لیکن یہ صرف اجتہاد کی بنیاد ہی نہیں اس میں مسلمان اولی الامر کے متعلق مفصل ہدایت موجود ہے۔ اس حدیث کی رو سے فیصلہ کیا جائے گا کہ کیا والی امر اسلام پر قائم رہا؟ اس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی یا نہیں؟ اس کا حکم شریعت کے مطابق ہے یا شریعت کے خلاف۔

میری رائے میں اس حدیث سے مندرجہ ذیل نتائج پیدا ہوئے:

(الف) کہ والی امر کی نیت کیا ہونی چاہئے۔ جس وقت وہ کوئی حکم صادر کرے۔ یہ لازم ہے کہ اس کی نیت یہ ہو کہ وہ قرآن کا پابند ہے اور پہلے قرآن و سنت سے تلاش کرے کہ اس قضیہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کیا حکم ہے اور اگر اس کو قرآن و سنت میں صاف حکم نہ ملے۔ تو وہ کوشش کرے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں صراطِ مستقیم دریافت کرے۔ والی امر کے لئے لازم ہے کہ ایسی ہی اس کی نیت ہو۔ کیونکہ اعمال کا خیر و شر نیت سے متعین ہوتا ہے۔ اگر اولی الامر کا ارادہ ہی نہ ہو کہ قرآن و سنت کی پابندی کرے تو اگرچہ محض اتفاق سے اس کا عمل قرآن و سنت کے مطابق ہو جائے تاہم اس کی نافرمانی تو باقی ہی رہے گی۔ جب اللہ کی اطاعت کا ارادہ نہ ہو تو محض اس وجہ سے کوئی عمل درست نہیں ہو پاتا کہ نفسانی خواہشات کی بنا پر جو عمل کیا جا رہا ہے فی الواقع وہی ہے جس کا اللہ نے بھی حکم دیا ہے۔ جس عمل کا محرک اللہ کی اطاعت نہیں بلکہ نفسِ امارہ ہے، وہ جہاں تک عذاب و ثواب کا تعلق ہے، درست عمل نہیں ہے۔ اگر آپ خیرات کریں اور نیت صاف اس سے کسی انسان کو راضی کر کے اس سے مالی فائدہ اٹھانے کی ہو۔ تو خیرات، خیرات نہ رہے گی۔

(ب) یہ کہ عمل کا قرآن پاک کے مطابق ہونا لازم ہے۔ اور جہاں ایک نتیجہ اس کا یہ ہے کہ قرآن کے مخصوص احکام کی پابندی ہوگی دوسرا نتیجہ یہ بھی ہے کہ اس کے عام احکام کی پابندی بھی لازم ہوگی۔ قرآن پاک بار بار معروف کا حکم دیتا ہے۔ اولی الامر کو خاص طور پر ہدایت کرتا ہے کہ وہ معروف کا حکم دیں۔ **الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَبِهِ الْعَاقِبَةُ الْأُمُورِ** (الحج-۴۱) لہذا والی امر خود بھی معروف کا پابند ہو گیا۔ اور اس امر کا بھی پابند ہوا کہ دوسروں کو معروف کا حکم دے۔ یعنی ایک محکمہ بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے قائم کرے۔ معروف وہ عمل ہے جس کو اسلامی ذہن رکھنے والا معاشرہ قبول کرے یعنی وہ عمل جو جمہور مسلمانوں کی رائے میں صحیح ہو جب کہ وہ اس عمل کے متعلق کوئی ذاتی خواہش نہیں رکھتے اور نہ ہی کے ذاتی مفاد اس سے وابستہ ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے بھی فرمایا ہے ”جسے مسلمان اچھا سمجھیں اللہ کے نزدیک وہی اچھا ہے۔“ سو والی امر معروف کا پابند ہو گا اور اس کا کوئی عمل جو معروف کے خلاف ہو، جائز نہ ہو گا اور لوگوں پر اس کے حکم کی پابندی لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے **”لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ“** البتہ مسلمان اس کو بہانہ نافرمانی کا نہیں بنا سکتے۔ معروف ایسا عمل ہے جس کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا اور کسی بحث کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ سوائے اس کے کہ کوئی انسان غلط نیت سے خواہ مخواہ ایک تنازعہ پیدا کرے۔

(ج) جہاں والی امر سنت کا پابند ہو گا۔ وہاں اجماع بھی پابند ہو گا۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کے بموجب اجماع صحیح ہے۔ اور لہذا قابل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پابندی۔

(د) والی امر کا صاحب اجتہاد ہونا بھی لازم ہے۔ اگر وہ اجتہاد کی قابلیت نہیں رکھتا تو اللہ و رسول کا منشا تو پورا نہ ہوا۔

2. تنازعات کے فیصلے کے متعلق حضور ﷺ نے حکم دیا کہ جب تک دونوں فریقوں کو سن نہ لیا جائے۔ فیصلہ اور نہ کیا جائے۔ یہ حکم حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو دیا تھا۔ جب ان کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا۔ ایک اور موقع پر حضور ﷺ نے حکم دیا کہ مدعی اور مدعا علیہ حاکم کے سامنے بیٹھیں۔ اس حکم کا نتیجہ بھی یہی ہے کہ دونوں سے برابری کا سلوک ہو اور دونوں کو سنا جائے۔

یہ اصول کہ کسی کے خلاف فیصلہ صادر نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک اس کو سن نہ لیا جائے، اُن اصولوں میں سے ہے، جن کو فی زمانہ قدرتی انصاف کے اصول کہا جاتا ہے۔ یہ اصول آپ کو پاکستان، ہندوستان، انگلستان کے فیصلہ میں ملے گا۔ اور عام طور پر تمام مہذب ممالک کے قوانین میں ہو گا۔ البتہ اشتر کی ملکوں کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ پاکستان کی موجودہ حکومت نے بہت سے سرکاری ملازموں کو بغیر نوٹس اظہار وجوہ موقوف کر دیا تو ہائیکورٹ اور سپریم کورٹ کے ریٹائر ججوں نے ایک قرار داد منظور کر کے حکومت کو بھیجی تھی جس میں لکھا گیا تھا کہ اسلامی انصاف کے اصولوں کے مطابق ان ملازمین کا حق ہے کہ ان کو موقع صفائی کا مہیا کیا جائے۔ اسلامی انصاف کا جب ذکر ججوں نے کیا تو ان کا اشارہ رسول اکرم ﷺ کی مندرجہ بالا حدیثوں کی جانب تھا۔ لیکن حکومت کے ایک وزیر نے بیان دیا کہ یہ اصول کہ ملزم کو صفائی کا موقع ملنا چاہئے ایک بورژوائی اصول ہے۔ اسی بیان کی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے اشتر کی ممالک اس اسلامی اصول کو قبول نہ کرتے ہوں۔

3. دوسرا اصول جو رسول اکرم ﷺ نے تنازعات کے فیصلہ کے متعلق قائم کیا وہ یہ تھا کہ تنازعہ کا فیصلہ ریکارڈ پر ہوتا ہے۔ یعنی اس مواد کی بنا پر ہوتا ہے۔ جو مواد حاکم یا قاضی کے سامنے بطور حاکم یا قاضی آئے۔ ادھر ادھر کی باتیں سن کر یا کسی ایسی شہادت سے متاثر ہو کر، جو حاکم کے سامنے بطور حاکم نہیں آئی، فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اصول بھی مہذب اقوام نے قبول کر لیا ہوا ہے (سوائے کمیونسٹ ممالک کے) اور یہ مسلمہ ہے۔ اس کی دو بنیادیں ہیں۔ اول یہ کہ قانون شہادت کی اقسام معین کر دیتا ہے اور ان اقسام کے علاوہ مواد کو قبول نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ جو مواد حاکم کے پاس بطور حاکم پیش نہیں ہوا، اس کی تردید کا موقع فریق مخالف کو نہیں ملتا۔ اور یہ ناجائز ہے کہ تردید کا موقع فریق مخالف کو نہیں ملا۔ اور یہ ناجائز ہے کہ تردید کا موقع مہیا کیے بغیر کسی کے خلاف کوئی شہادت قبول کر لی جائے۔

یہاں رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہو گا کہ اگر کسی نے غلط فیصلہ کر لیا۔ تو اس نے صرف آگ کا ٹکڑا خریدا۔ جو چیز ایک فریق کے لئے حرام تھی، فیصلہ کے ذریعے حلال نہ ہو جائے گی۔ فیصلہ تو محدود مواد پر ہوتا ہے اور اس بحث پر ہوتا ہے جو حاکم کے سامنے کی جائے۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ جو فریق حق پر نہیں وہ اس وجہ سے مقدمہ جیت جائے کہ اس نے مواد بہتر پہنچایا یا اس کی بحث زیادہ اثر پیدا کرنے والی تھی۔

4. انسانی برابری کا عملی نمونہ اسلام نے دنیا کے روبرو پیش کیا۔ اسلام سے پہلے یورپ انسانی برابری کا قائل ہی نہ تھا۔ یونانی تہذیب نے انسانوں کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ اور رومن تہذیب نے تین طبقات میں۔ یہ دونوں تہذیبیں غلاموں کو شیروں کے آگے ڈالتی تھیں۔ عیسائیت نے بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

غلاموں کو قانوناً جائز تسلیم کیا۔ اور غلاموں کو ہدایات دیں کہ وہ اپنے مالکوں کی پوری اطاعت کریں۔ غلامی کا جواز یہ بتایا کہ انسان چونکہ گنہگار ہو گیا تھا اس لئے اس کو گناہ کی سزا مل رہی ہے۔ اسلام نے آکر انسانوں کو یکسر برابر کر دیا۔ برابری انصاف کا سب سے بڑا اصول ہے اور سچ یوں کہ انصاف کی عمارت کی بنیاد برابری ہی ہے۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو قصاص اور دیت میں بھی برابر کر دیا۔ قرآن پاک نے فرمایا کہ وجہ تکریم تقویٰ ہے۔ نسل و رنگ وغیرہ کی بنا پر کوئی فوقیت کسی کو حاصل نہیں اور یہی حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا۔ اسلام نے انسانوں کو حقوق میں برابر کر دیا، اس کے متعلق حضور ﷺ کا ایک مسلسل طرز عمل ہے۔ جب غزوہ خندق کے موقع پر مسلمان خندق کھود رہے تھے تو حضور ﷺ خود اپنے سر پر ٹوکری اٹھاتے تھے۔ جب مسلمانوں نے اعتراض کیا تو فرمایا: ”کیا میں تمہارا بادشاہ بن کر بیکار رہوں؟“ ایک دفعہ حضور ﷺ مسلمانوں کی ایک قطار ٹھیک کر رہے تھے۔ چھڑی حضور ﷺ کے ہاتھ میں تھی، ایک مسلمان کی پیٹھ پر لگ گئی۔ اس نے کہا حضور ﷺ میں قصاص لوں گا۔ حضور ﷺ نے پیٹھ کو نگا کیا اور فرمایا لو۔ اس نے بڑھ کر مہر نبوت چوم لی، لیکن حضور ﷺ نے تو پیٹھ پیش کر ہی دی تھی۔ اس سلسلے میں سب سے اہم رسول اکرم ﷺ کا چوری کے ایک مقدمہ کے متعلق رد عمل ہے۔ ایک اونچے گھرانے کی عورت نے چوری کی۔ جو لوگ اس کو حد سے بچانا چاہتے تھے انہوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سفارشی بنا کر حضور ﷺ کے پاس بھیجا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اسامہؓ تو اللہ کی حدود میں سفارش کرتا ہے؟ اس پر حضرت اسامہؓ نے فوراً کہا ”یا رسول اللہ مجھے معاف فرمائیے مجھ سے خطا ہوئی۔“ پھر حضور نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ ”لوگو تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اس سے درگزر کرتے۔ اور جب کوئی کمزور آدمی ایسے فعل کا مرتکب ہوتا۔ تو اس کو سزا دیتے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ پر بھی یہ جرم وارد ہوتا تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتا۔“

برابری کی جو مثال حضور ﷺ نے قائم کی، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اگر خدا نخواستہ فی الواقع حضرت فاطمہؓ کسی چوری کی مرتکب ہوتیں۔ تو ساری امت کہتی کہ ان کو ایسی سزا نہ دی جائے بلکہ امت کے کسی فرد کی جرأت ہی نہ ہوتی کہ ایسی سزا کا ذکر کرے۔ لیکن حضور ﷺ جو کچھ فرما رہے تھے اس میں کوئی مبالغہ نہ تھا۔ اور حضور ﷺ وہی کرتے جو حضور ﷺ نے زبان مبارک سے فرمایا۔ یہ درست ہے کہ ایسا واقع ہونے کا کوئی احتمال نہ تھا لیکن حضور ﷺ نے ایک مثال بیان کر کے انسانوں کی قطعی برابری پر مہر ثبت کر دی۔ اسی طرز عمل کا نتیجہ وہ برابری تھی جس کا ہم نے بعد میں مشاہدہ کیا۔ ہمارے خلیفہ یا بادشاہ نے کبھی قاضی کے سامنے پیش ہونے پر اعتراض نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ پیش ہوئے، حضرت علیؓ پیش ہوئے۔ خلیفہ مامون الرشید، سلطان مراد، محمد بن تغلق وغیرہ پیش ہوتے رہے۔ جہاں تک امیر کے سزا سے بچنے کا تعلق ہے، حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کو بھی سزا دی حالانکہ یہ سزا مصر میں بھی، ان کو دی جا چکی تھی صرف وہ سزا لوگوں کے سامنے نہ دی گئی تھی۔ اس لئے حضرت عمرؓ کے مطابق شریعت کا منشا پورا نہ ہوا تھا۔ اسی سزا کے نتیجہ میں حضرت عمرؓ کا بیٹا جاں بحق ہو گیا۔ اسی طرح حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیٹے کو بھی مصر سے بلوایا جب ان کو معلوم ہوا کہ ان کو سزا نہیں دی گئی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیٹے نے ایک قبیلے کو مارا تھا۔ حضرت عمرؓ نے قبیلے کو بلایا اور اپنے سامنے حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیٹے کو اس سے مروایا۔ اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے۔ ”مار بڑوں کی اولاد کو۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہمارے موجودہ آئین کے مطابق صدر اور گورنر کسی عدالت کے سامنے پیش نہیں ہو سکتے۔ چاہے وہ جتنے انسانوں کو چاہیں قتل کر دیں۔ جس قدر روپیہ چاہیں غبن کر لیں۔ غرض کہ چاہے کیسا بھی جرم کریں۔ جب تک وہ صدر یا گورنر ہیں۔ ان سے کوئی باز پرس نہیں ہو سکتی۔ یہ ملحدانہ تصورات کا اثر ہے۔ ورنہ کہاں اسلام اور کہاں اس قسم کے امتیازات حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ، خلیفہ مامون الرشید، سلطان مراد سب عدالت میں پیش ہو سکتے ہیں لیکن پاکستان کے گورنر اور صدر نہیں ہو سکتے۔ حضرت عمرؓ کا محاسبہ تو قوم اتنے جرم پر بھی کر سکتی ہے کہ ان کی قمیض دوسروں سے تھوڑی سی لمبی تھی۔ اور خود حضرت عمرؓ نے جب سوال کیا کہ اگر میں نے فی الواقع قمیض کا کپڑا زیادہ لے لیا ہوتا تو تم کیا کرتے تو اس کا ان کو جواب ملا کہ یہ تلوار ہے اس سے تیرا سر قلم کرتے۔ اور حضرت عمرؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ اگر وہ غلطی کریں تو ان کو قتل کرنے والے موجود ہیں۔ لیکن جہاں وہ اپنی قمیض کی لمبائی کے بھی جوابدہ تھے، ہمارے حاکم قتل کے بھی جوابدہ نہیں۔ اس موقع پر حضرت معاذ بن جبلؓ کی صلح کی گفتگو بھی یاد آگئی ہے، جو انہوں نے رومیوں سے کی تھی۔ رومیوں نے کہا ہمارا بادشاہ بڑی طاقت والا، بڑی شان و شوکت والا ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے جواب دیا۔ تمہارا بادشاہ ایسا ہو گا۔ ہمارا بادشاہ ہم میں سے ایک ہے اگر وہ چوری کرے ہم اس کا ہاتھ کاٹ دیں۔ اگر وہ زنا کرے تو ہم اس کو سنگسار کر دیں۔ اور جب ہم اس کے پاس کسی کام کے لئے جاتے ہیں تو اس کا فرض ہے کہ ہماری سنے ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ عدالت کے روبرو پیش ہونے سے ہماری عزت کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی ہے، اگر حضرت عمرؓ وغیرہ قاضی کے روبرو پیش ہوئے تو کیا ان کی عزت کم ہوئی۔ یا تاریخ میں انہوں نے اپنا مقام پیدا نہیں کیا؟ آج ہمیں اس امر کا احساس نہیں کہ ہم اس قسم کا قانون وضع کر کے اسلام پر دھبہ لگا رہے ہیں۔ اس ملک کا بیان کردہ مذہب اسلام ہے تو کیا اسلام اس قسم کا امتیاز روا رکھتا ہے؟ آئین سے تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ روار کھتا ہے۔

5. حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو ان کے حقوق کا پرواہ عطا فرمایا۔ حکم دیا کہ سب کی جان و مال، عزت اسی طرح حرام ہے جیسے اس ماہ کی حرمت، جس میں حج ہو رہا تھا۔ اس حکم کا نتیجہ ہے کہ کوئی فرد یا گروہ یا حکومت کسی مسلمان کی جان، مال یا عزت پر حملہ نہیں کر سکتے۔ اقوام متحدہ نے تو ۱۹۴۸ء میں انسانی حقوق کا اعلان کیا ہے اور رسول اکرم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے انسانی حقوق کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ اعلان فرد کے حقوق کو قبول کرتا ہے۔ اور حکومت کے اختیارات پر حد قائم کرتا ہے۔ اس معاملہ میں اسلام اور اشتراکیت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اشتراکیت سرے سے انسان کا کوئی حق تسلیم ہی نہیں کرتی وہ تمام حقوق حکومت کو دیتی ہے۔ جس کا اختیار ہے کہ جس فرد کی چاہے جان لے لے اور جس فرد کا چاہے مال لے لے۔ اشتراکی ممالک کی مقننہ کے قانون سازی کے اختیارات انسانی حقوق سے محدود نہیں ہوتے اور وہ جیسا چاہے قانون وضع کر سکتی ہے۔ اس کے خلاف جمہوری ممالک میں مقننہ کے اختیارات محدود ہیں۔ وہ مال لیں تو معاوضہ ادا کریں گی۔ وہ کسی کی جان نہیں لے سکتے سوائے اس کے کہ ایک قانون ہے جس کے ماتحت سوائے مستثنیات کے افراد معاشرہ فوجی خدمت پر مجبور ہوتے ہیں۔

6. قانون سازی کی ایک واضح مثال ہمیں رسول اکرم ﷺ کے ان احکام میں بھی ملتی ہے جس کے ذریعے انہوں نے حاکم یا قاضی کو نکاح کی تشخیص کا اختیار دیا۔ قرآن پاک میں یہ وضاحت کسی جگہ نہیں کی گئی کہ حاکم یا قاضی کو اختیارِ تشخیص نکاح حاصل ہے۔ قرآن پاک میں تو صرف نکاح اور طلاق کا ذکر ہے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کی حدیثوں سے کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ حاکم یا قاضی کو یہ اختیار حاصل ہے اور اب تو شرع محمدی ﷺ کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یہ ایک مسلمہ اصول سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت پاکستان کے قانون کے مطابق ایک نکاح متعدد وجوہات کی بنا پر منسوخ کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر زوجہ کو گزراہ دو سال سے زائد مدت نہ دیا جائے یا خاوند عادتاً بے رحمی کا مرتکب ہو یا عورت کی جائیداد پر قبضہ کرے تو عدالت نکاح کو منسوخ کر سکتی ہے۔ ایک حدیث تو اس بارے میں رسول اکرم ﷺ کی یہ ہے کہ ”اگر نکاح قائم رکھیں اور اس سے بے انصافی ہوتی تو ہو تو نکاح منسوخ کر دیا جانا چاہئے۔“ اس کے علاوہ دو واقعات ہیں جن میں حضور ﷺ نے نکاح کے ختم کرنے کا خود حکم دیا۔ وہ دونوں واقعات ثابت بن قیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ثابت بن قیس کی بیوی جمیلہؓ نے صرف اس بنا پر نکاح سے خلاصی چاہی کہ اس کا خاوند بد شکل ہے اور وہ اس کے ہمراہ نہیں رہ سکتی۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ”جمیلہؓ وہ باغ، جو اسے ثابت بن قیس نے دیا تھا، واپس کر دے اور ثابت اس کو طلاق دے دے۔“ دوسرا واقعہ ثابت بن قیس کی دوسری بیوی حبیبہؓ کا ہے اس نے بھی اس بنا پر نکاح سے خلاصی طلب کی کہ وہ ثابت کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ حضور ﷺ نے ثابت کو جو اس نے دیا ہوا تھا واپس دلوا دیا اور ثابت کو حکم دیا کہ حبیبہؓ کو طلاق دے دے۔

7. رسول اکرم ﷺ نے یہ حکم دے کر کہ متوفی اور میراث پانے والے کا دین ایک ہی ہونا چاہئے، دینی رشتہ کی اہمیت ثابت کی اور یہ واضح کر دیا کہ جو ہمارے دین پر نہیں اس کے اور ہمارے درمیان کس قسم کا رشتہ ہے۔ مسلمان کا وارث صرف مسلمان ہو سکتا ہے۔ اور مسلمان غیر مسلم کا وارث نہیں ہو سکتا۔ نیز حضور ﷺ نے یہ بھی حکم دیا کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا۔ تاکہ کوئی انسان اپنے جرم سے فائدہ نہ اٹھائے اور اپنے ہر ناجائز فعل کا خمیازہ بھگتے۔

میں نے چند امور کی وضاحت مثال کے طور پر کی ہے۔ اگر پوری تشریح حضور ﷺ کے احکام کی کی جائے تو بہت وقت درکار ہے۔

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

(ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (علیگ))

خاتم النبیین ﷺ

محمد رسول اللہ ﷺ کا تعارف قرآن مجید ان الفاظ میں کرتا ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

(محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ رسول اللہ و خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے)

خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا۔ **لا نبی بعدی** کا بھی یہی مطلب ہے اور آپ ﷺ کی غزوہ بدر کی دعا بھی ختم نبوت کی ایک دلیل ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ”یا اللہ اگر یہ لوگ ہلاک ہو گئے تو پھر کبھی بھی تیری عبادت نہیں ہو گی۔“

محمد رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے قرآن مجید ہمیں پہنچا ہے۔ آپ ﷺ ہی کے واسطے سے انسان کمالِ علم و ہدایت پر فائز ہوا ہے۔ اس علم و ہدایت میں پوری نوعِ انسانی کے فلاح پانے کی ضمانت ہے۔

اللہ پاک فرماتا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔

کہ ہم نے آپ کو پوری نوعِ انسانی کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ اور یہ کہ ہم نے آپ کو تمام اقوامِ عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نوعِ انسانی آپ ﷺ کی بعثت کے بعد ہر نئی بعثت کی احتیاج سے بے نیاز ہو گئی ہے اور آپ ﷺ ہی کے اتباع اور نفوذ سے غیر پیغمبرانہ قیادت کی رہ نمائی میں تمام پسندیدہ نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

در اصل نئی بعثت کی احتیاج اُممِ سابقہ میں صرف اسی وقت پیدا ہوتی تھی جب منزلِ من اللہ ہدایت محفوظ ہو یا بغیر پیغمبرانہ قیادت کے اصلاحِ احوال موثر نہ رہی ہو یا نئی بعثت کے ذریعہ کوئی اعلیٰ تر نصب العین اور اس کے حصول کے لئے اور زیادہ موثر طریق کارِ نوعِ انسانی کو پہنچانا باقی رہ گیا ہو۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصود ایک ایسا معاشرہ پیدا کر کے اس کے ذریعہ دینِ حق کو بین الاقوامی سطح پر غالب کرنا ہے جو نوعِ انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو۔

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ) اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الذہن افراد پر مشتمل ہو (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ) جن کی جدوجہد کا رخ یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہیں کیونکہ یہی منزلِ من اللہ ہدایت کا مقصود تھا اور ہے (فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ) اور اس معاشرے میں محمد رسول اللہ ﷺ سے ایسی خالص وفاداری جس میں ”شُرک فی النبوة“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کاشائے پیدا نہ ہو سکے اس لئے ضروری ہے کہ کلمہ طیبہ کے جزو اول لا الہ الا اللہ پر ایمان لانے سے فرد شرک سے پاک ہوتا ہے اور جزو ثانی محمد رسول اللہ پر ایمان لانے سے اس آیت پاک کے مطابق **لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُولٌ** رسول کے ساتھ غیر منقسم وفاداری رکھنے ہی سے معاشرہ اختلاف سے محفوظ رہ سکتا ہے اور جس طرح توحید پر ایمان کے بغیر ایک خدا، اس کی ایک طاقت، ایک نظام اور ایک قانون پر ایمان راسخ نہیں ہو سکتا اسی طرح صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی کو توحید و رسالت اور آخرت اور انبیائے سابقین کی اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی سند مانے بغیر اور معیارِ عمل اور نمونہ کمال کی حیثیت سے قبول کیے بغیر معاشرہ اختلاف سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

علم سے عمل کا پیدا ہونا ضروری نہیں۔ عمل کے لئے مقصد کا شعور ہونا، حق و باطل کے درمیان تضاد اور تضادم کا محرک عمل ہونا اور معیار کا پیش نظر ہونا اور نمونہ کمال کا سند ہونا ضروری ہے۔ معاشرہ جن افراد پر مشتمل ہو ان کے پسندیدہ نمونے پر ڈھلنے کے لئے مابعد الطبعی اساس کی حیثیت سے ایمان باللہ، ایمان بالآخرت سے عمل کا صحیح رخ اس وقت تک متعین نہیں ہو سکتا جب تک اس مقصد سے سازگاری کے اصول پر تخلیق کائنات متصور نہ ہو اور حق و باطل کے درمیان تضاد و تضادم محرک عمل نہ ہو۔ اس محرک عمل کے بغیر جاں سپاری اور سرفروشی کی امنگ اور حق کی خاطر اپنے آپ قربان کرنے کی امنگ پیدا نہیں ہو سکتی۔

محمد رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی ایک بنیاد قرآن مجید کا تکمیل دن کا دعویٰ بھی ہے جس کا مفہوم ہماری سمجھ میں اس لئے نہیں آتا کہ اپنے زوال سے سازگاری کی نفسیات کے تحت ”تکمیل دین“ کا تصور مسخ ہو کر رہ گیا ہے۔ ہم چند مابعد الطبعی عقائد، چند اخلاقی اسباق، چند تمدنی ضوابط، چند عدالتی قوانین، چند معاشرتی اصولوں وار چند رسم و ظواہر کو تکمیل دین سمجھتے ہیں اور اپنی زوال پذیر مذہبیت کے تابع تکمیل دین کا مفہوم وضع کرتے ہیں۔

قرآن مجید تو خاتم الانبیاء علیہم وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی غایت اور اس تک پہنچانے کا دعویٰ اس تحدی کے ساتھ کرتا ہے: **هُوَ الَّذِي اَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلٰى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ** کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے غالب کر دے تمام ادیان پر اگرچہ یہ بات مشرکین کو ناپسند ہو“ اور جس طریق کار میں اس مقصد کو پانے کی اور چیلنج کے پورا ہونے کی ضمانت ہے۔ اسی کے پیش نظر قرآن مجید جتہ الوداع کے روز نازل ہونے والی اس آیت میں تکمیل دین کا دعویٰ کرتا ہے۔

الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِيْنًا کہ آج کے دن وہ لوگ مایوس ہو گئے جنہوں نے تمہارے دین سے انکار کیا۔ پس ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو، آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا۔ اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند فرمایا۔

مگر جب تک ہماری سمجھ میں یہ بات نہ آئے کہ کفار کی مایوس کی وجہ کیا تھی ہم کبھی تکمیل دین کے مفہوم کو نہیں پاسکتے۔ کفار کو اس وجہ سے ہوئی کہ **لِيُظْهِرَ عَلٰى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ** کا چیلنج پورا ہو گیا اور کافروں کو اس چیلنج کے پورا ہونے سے مایوسی یہ ہوئی کہ اب اسلام

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مغلوب نہیں ہو سکتا اور ہم غالب نہیں آسکتے۔ دین حق کا یہ غلبہ اور کفار کا اپنے غلبے سے مایوس ہونا جس ہدایت کا نتیجہ ہے وہ دوشروں پر مشتمل ہے۔ ایک تو غایت تخلیق کائنات، غایت بعثت اور غایت نزول قرآن کا ایک ہونا، دوسرے کائناتی سطح پر جس تکوینی قانون سے نتائج پیدا ہوتے ہیں اس قانون کا تاریخی سطح پر تاریخی کشمکش کے نتائج کو متعین کرنے والے قانون سے تعلق اور محمد رسول اللہ ﷺ کے عطا کردہ اس مابعد الطبعی قانون سعادت و شقاوت سے ربط جس پر قوموں اور تہذیبوں کی بقاء اور فنا کا انحصار ہے، ان تینوں قوانین کا باہم و گروہ مرابط ہونا۔ ان دوشروں پر اس چیلنج کے پورا ہونے کا انحصار ہے۔ اگر ہم قرآن مجید سے ان قوانین کو متعین کر سکیں تو کافروں کی مایوسی کے اعتبار سے ہر یوم ویسا ہی ”الیوم“ ہو گا جیسا جتہ الوداع کا دن تھا۔

محمد رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے ہمارا ان قوانین سے مشرف کیا جانا آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی ایک اور اساس ہے۔ یہی وہ قوانین ہیں جن کی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے۔

لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اسِ تَبْدِيلًا

وہ تین قوانین یہ ہیں۔

1. کائناتی قانون تضاد: جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمَجْرِمِينَ
2. اصحابِ میمنہ اور اصحابِ مشئمہ کے درمیان تصادم کا قانون۔ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَّصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَّصَوْا بِالْمَرْحَةِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِالْآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ
3. وہ قانون سعادت و شقاوت جو اصحابِ میمنہ کے غلبے اور اصحابِ مشئمہ کی شکست کا ضامن ہے: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا

نفس انسانی حرص و لالچ سے پاک ہو تو نشوونما کی نفع بخشی کی اور فیض رسانی کی راہیں کھولتا ہے اور حرص و لالچ میں مبتلا رہے تو مزرعہ مفادات پیدا کر کے نفع بخشی اور قبض رسانی اور نشوونما کی راہیں بند کرتا ہے۔

مگر جب سے ہم ”استعمار“ سے مغلوب ہوئے ہیں ہمارے معاشرے کی اساس دین کے بجائے وطن پرستی کر دی گئی، معیشت حرام حلال کے امتیاز سے آزاد ہو گئی۔ سیاست بھی لادینی ہو گئی اور نظام تعلیم بھی لادینی ہو گیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ عقیدے کا کوئی اثر نہ معاشرت پر رہا نہ معیشت پر، نہ سیاست پر نہ ثقافت پر نہ تعلیم پر۔ اس صورت حال نے عقیدے کو ایک وہم باطل (Myth) کر کے رکھ دیا اور عبادت کا اثر معاشرت، معیشت، سیاست، ثقافت اور تعلیم پر نہ رہنے سے عبادات رسوم و ظواہر میں تبدیل ہو گئیں۔ اور آج جسے ہم دینی تعلیم کہتے ہیں وہ بھی لادینی نظام حیات سے اس معنی میں سازگاری پر قائم ہے کہ وہ مراسم دینی کے ادا کرنے کی تربیت پر مشتمل ہے اور مذہبی ذہن نے عملاً لادینی نظام کے آگے سپر ڈال دی ہے۔ اور کسی گوشہ سے یہ دعویٰ نہیں کیا جا رہا کہ عقائد کو، جو اوہام بن چکے ہیں اور عبادات کو جو رسوم و ظواہر بن چکی ہیں کسی طرح عقائدِ راستہ اور عباداتِ صحیحہ بنایا جاسکتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ان احوال میں ہمارا فرض ہے کہ اپنی 'دین پناہی' کا جائزہ لے کر ان موثرات کا تدارک کریں جن کی بدولت جدید تعلیم یافتہ ذہن یقین و عمل سے محروم ہوا ہے۔

اس دور کے مسائل اس ماحول میں پیدا ہو رہے ہیں کہ فرد اور معاشرے کا تضاد ابھر رہا ہے شہری اور ریاست کے مفادات ٹکرا رہے ہیں، معاشی تخلیق کا عمل حقوق کے تضاد کی بنا پر اس تعاون سے محروم ہو چکا ہے جو تخلیق دولت کے لئے ضروری ہے۔ اخلاق اور معیشت میں تضاد اور اخلاق اور سیاست میں تضاد انتہاء کو پہنچ چکا ہے۔ اخلاقی فضیلت اور جمالیاتی مسرت میں ہم آہنگی کا اس دور میں تصور بھی نہیں کیا جا رہا۔ ایمان اور علم اور ایمان اور عمل کے درمیان تضاد ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ دین و دنیا اور دنیا و آخرت کا تضاد انحراف کی راہ پر لے آیا ہے۔ کیا خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تعلیمات سے ان مسائل کو حل کیے بغیر جو اس ماحول میں پیدا ہو رہے ہیں انحراف سے نہیں روکا جاسکتا۔

اگر اسلام یقین کو عمل پر مقدم رکھتا ہو تو کیا اس یقین کو مہیا کرنے کی تدبیر کے بغیر جو عمل سے پہلے ضروری ہے تکمیل دستور حیات کے نعرے سے مسائل حل ہو سکتے ہیں اور اتحاد بین المسلمین کا وعظ کار آمد ہو سکتا ہے۔

منظور احسن عباسی

نعتِ رسول مقبول ﷺ

دونوں جہاں کے واسطے رحمت حضور ﷺ ہیں
واللہ! کائنات کی عزت حضور ﷺ ہیں

انفاسِ پاک گوشِ تحیل کا نغمہ زار
میری نگاہِ شوق کی جنت حضور ﷺ ہیں

اہل صفا و صدق و عدالت صحابہؓ ہیں!
عین صفا و صدق و عدالت حضور ﷺ ہیں

وہ فخر کائنات کہ ہیں افضل البشر
نازاں ہے جس بشر پہ فضیلت، حضور ﷺ، میں

جو انبیاء بھی آئے امام الامم ہوئے
کی انبیاء کی جس نے امامت حضور ﷺ ہیں

لا تمیسوا! خدائے غفور و رحیم ہے
لا تقنطوا! کہ شافعِ اُمت حضور ﷺ ہیں

کل کائنات قدرتِ حق کا صحیفہ ہے
اور اس میں ایک آیت رحمت حضور ﷺ ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عاصم نعمانی

ہستی بے قرار

(اک ولولہ تازہ دیا جس نے دلوں کو)

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے اس پہلو پر کئی تقریریں کر چکا ہوں کہ بھولی بھٹکی اور دکھی انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت سے وابستہ کرنے، حق و صداقت اور عدل و مساوات کا بول بالا کرنے، نیکی کو پروان چڑھانے اور بدی، ظلم و ستم اور سرکشی کا سرنگوں کرنے کے معاملے میں آنحضور ﷺ زندگی بھر بے قرار اور بے چین رہے۔ چند دن ہوئے کہ روزنامہ 'دعوت'، دہلی (بھارت) کا ایک پرانا 'رحمتِ ﷺ عالم نمبر'، نظر سے گزرا۔ اس میں مولانا محمد یوسف اصلاحی صاحب کا ایک مضمون پڑھنے کا اتفاق ہوا جس سے حسن توارد کی ایک عمدہ مثال سامنے آئی۔ سیرت کے جس پہلو کو میں کئی برس سے مختلف تقاریر میں بیان کرتا چلا آ رہا ہوں، جناب یوسف صاحب کا مضمون اسی پہلو کو واضح کرتا ہے۔ اب جب کہ 'محدث' لاہور، کے لئے سیرت پر لکھنے کا حکم ملا ہے تو میں اسی مضمون کو بنیاد بنا کر کچھ ترمیم و اضافہ اور اپنی ترتیب کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔)

حضور ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ کرتے وقت جو چیز ایک قاری کے فکر و احساس پر نمایاں طور پر اثر ڈالتی ہے اور اپنی طرف کھینچتی ہے، وہ رحمتِ عالم کی 'بے قراری' ہے۔ ان نادان انسانوں کے لئے بے قراری جو دین و اخلاق کی بلندیوں سے کفر و معصیت کے عمیق ترین گڑھوں میں جا گرتے ہیں اور یوں، 'احسن تقویٰ' کی بلندی سے 'اسفل السافلین' کی پستی میں لڑھکتے نظر آتے ہیں۔ حضور ﷺ کی یہ بے قراری اس بے قراری سے کہیں زیادہ ہے جو ہم کسی دنیوی تباہی یا جسمانی حادثات پر محسوس کرتے ہیں۔ سیرت کے اس پہلو کا مطالعہ کرتے وقت ایک ایسی ہستی کا تصور بندھتا ہے جو سراپا بے قراری اور اضطراب ہے، جسے صرف ایک ہی غم ہے اور ایک ہی فکر لاحق ہے کہ خدا کے نادان بندے جہنم کی ہولناک تباہی سے بچ جائیں اور کفر و شرک کی راہ سے ہٹ کر ہدایت کی سیدھی راہ پر گامزن ہو جائیں۔ جب دنیا کی محدود اور ختم ہونے والی تباہی کا منظر ہمیں بے چین کر دیتا ہے تو آخرت کی ہولناکیوں کا غیر متزلزل یقین رسول اللہ ﷺ کو کتنا بے چین اور بے قرار رکھتا ہو گا جب وہ اپنے جیسے جسم و جان رکھنے والے انسانوں کو دائمی تباہی اور جہنم کی طرف بڑھتا دیکھتے ہوں گے۔

کسی دو منزلہ عمارت پر ایک ننھا سا بچہ چھت کے کنارے کھڑا ہے اور آگے بڑھ رہا ہے۔ نادان بچہ بالکل نہیں جانتا کہ وہ ایسی خوفناک موت اور تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ایسی تباہی کہ گرتے ہی اس کی ہڈیاں چور چور ہو جائیں گی اور اس کے جسم و جان کا تعلق نہایت عبرتناک طریقے سے ختم ہو جائے گا۔ یہ منظر دیکھتے ہی ہم بے چینی اور اضطراب کے عالم میں چینٹے اور بے تابانہ اس کو بچانے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔ کون ہو گا جو اس کی سسکتی لاش، پھٹے ہوئے سر اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا دل دوز منظر دیکھنے کے لئے تیار ہو گا اور کون ہو گا جو اس وقت اپنی جان پر کھیل کر اس بچے کو موت کے اس خوفناک انجام سے بچانے کی کوشش نہ کرے گا۔ ایسا کیوں ہے؟ اسی لئے تو، کہ اس بچے سے ہمیں محبت ہے، وہ ہماری نوع کا ایک نادان فرد ہے، اور ہمیں یقین ہے کہ دو منزلہ عمارت سے گرنا اس کی تباہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سرپا رحمت ہستی ہے جسے شب و روز ایک ہی فکر و دامن گیر ہے، ایک ہی دھن اور ایک ہی غم ہے کہ خدا سے بچھڑے ہوئے خدا سے مل جائیں۔ اسی تصور میں اس کی راتیں کٹتی ہیں اور اسی تنگ و دو میں اس کے دن بیتتے ہیں۔ گمراہوں اور سرکشوں کو دندناتے دیکھ کر اس کا دل روتا ہے، اس کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں اور وہ ان کی ہدایت کے لئے بے قرار اور بے چین ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔ (التوبہ)

لوگو، تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ تمہارا گمراہی میں پڑنا ان پر انتہائی شاق سے۔ تمہاری فلاح کے لئے وہ انتہائی حریص ہیں اور مومنوں کے لئے تو بہت شفیق و مہربان ہیں۔

عَنِتُّمْ کے معنی دنیوی مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہونے کے بھی ہیں اور گناہ کرنے اور گمراہی میں پڑنے کے بھی، لیکن قرآن کریم نے جس سیاق و سباق میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے وہ کفر و معصیت کی تباہی میں مبتلا ہونے اور گمراہی کی راہ پر پڑنے کے معنی میں ہے۔ سورہ الحجرات میں ہے:

لَوْ يُبِطِئُكُمْ فِي تَكْفِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ (اگر بہت سی باتوں میں رسول ﷺ تمہارا کہانا لیا کریں تو تم گمراہی میں جا پڑو)

رسول خدا ﷺ پر سب سے زیادہ شاق یہ بات ہے کہ لوگ گمراہی اور کفر و شرک میں پڑے رہیں۔ اور آپ ﷺ کی انتہائی آرزو اور دلی تمنا یہی رہی ہے کہ لوگ فلاح یاب ہوں۔ وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ کفر و شرک کی حقیقت دائمی عذاب ہے اور ایمان و ہدایت کی حقیقت خدا کی رضا اور جنت کی لازوال نعمتیں ہیں۔ یہی یقین اور انسانی درد آپ ﷺ کو ہر وقت بے چین رکھتا تھا اور اللہ کی طرف سے بار بار تسلی پانے کے باوجود آپ ﷺ کے اضطراب اور فکر مندی میں کوئی کمی نہیں آتی تھی۔ **مَا عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاءُ** (تمہارے ذمے صرف پہنچا دینا ہے) اور یہ فریضہ آپ ﷺ نے بحسن و خوبی انجام دیا۔ اب اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ ﷺ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ **مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ** (ان کے حساب اور بد عملی کی ذمہ داری آپ ﷺ پر ہرگز نہیں) **وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا**۔ (آپ ﷺ کو تو ہم نے صرف انجام بد سے خبردار کرنے والا اور انجام خیر کی خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا ہے) لیکن ان تسلیوں کے باوجود آپ ﷺ کا حال یہ ہے کہ خدا سے بھٹکے ہوئے نادانوں کے لئے گھلے جاتے ہیں گمراہی سے بچانے اور ہدایت کی طرف بلانے کا شوق، تڑپ اور ولولہ اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ آپ ﷺ اپنے چچا ابوطالب کو ٹھیک ان کے مرض الموت میں وفات کے وقت اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ ”چچا جان اگر آپ اس وقت بھی کلمہ پڑھ لیں تو قیامت کے روز میں آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں گا۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آقَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا

(شاید آپ ﷺ اس رنج و غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے اگر یہ لوگ اس کلام ہدایت پر ایمان نہ لائیں)

یہ مختصر آیت رسول اللہ ﷺ کی بے قراری کی صحیح تصویر ہمارے سامنے رکھتی ہے اور اس چھوٹے سے آئینے میں ہم حضور ﷺ کی تڑپ، ولولہ، شوق اور بے قراری کو پوری طرح دیکھ سکتے ہیں اور اس آیت میں تین حقیقتیں بیان کی گئی ہیں:

ایک یہ کہ رسول ایک بے قرار ہستی ہے جسے اپنے مقصد کا شوق ہے، سچی لگن ہے اور جسے یہ فکر و دامن گیر ہے کہ اپنے رب کو خوش کرنے کے لئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بھٹکے ہوئے بندوں کو اس سے ملائے۔

دوسری حقیقت یہ واضح ہوتی ہے کہ شوقِ ہدایت میں گھلنا ہی داعی کا حقیقی جوہر ہے اور یہی چیز اللہ کے ہاں اس کی قدر و قیمت کا ذریعہ اور معیار ہے۔

اور تیسری بات یہ کہ اس راہ پر چلنے والے تمام داعیانِ حق کو یہ مقام حاصل کرنا چاہئے اور اپنے شوق و ولولے کا ایسا مظہر بننا چاہئے کہ انہیں بھی یوں مخاطب کیا جاسکے کہ ”لَعَلَّكُمْ بَاخِعِينَ انْفُسَكُمْ عَلَى اَثَارِهِمْ اِنْ لَمْ يَوْمُوا۔“

سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چار حقیقتیں ہر وقت حضور ﷺ کو بے قرار رکھتی تھیں:

ان میں سے ایک تصورِ آخرت ہے۔ ہم جسے جنت کہتے ہیں وہ ہدایت و ایمان کی حقیقت ہے اور جسے جہنم کہتے ہیں وہ کفر و شرک اور معصیت کی حقیقت۔ اس حقیقت کو پا جانے والی ہستی یہ کیسے برداشت کر سکتی ہے کہ اپنے ہم نوع انسانوں کو کفر و شرک میں پارہنے دے تاکہ ہولناک آگ کا ایندھن بنیں۔ ایسی ہولناک آگ جس کے شعلے کبھی ماند نہ پڑیں گے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَّاشُ وَهَذِهِ الدُّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا رَجُلٌ يَبْجِزُ هُنَّ وَيَغْلِبُنَهُ فَيَتَّقِمْنَ فِيهَا فَاَنَا اخَذَ بِحِزْمٍ مِّنَ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقْعَبُونَ فِيهَا (متفق علیہ)

”میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی اور جب ماحول آگ کی روشنی سے روشن ہو گیا تو کیڑے پتنگے اس میں گرنے لگے۔ وہ شخص پوری قوت سے ان پتنگوں کو آگ میں گرنے سے روک رہا ہے۔ لیکن پتنگے اس کی کوشش پر غالب آجاتے ہیں اور آگ میں گھسے پڑ رہے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا لوگو، اس طرح میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر جہنم کی آگ سے روک رہا ہوں اور تم ہو کہ اس آگ میں گھسے جا رہے ہو۔“

اس اندازِ بیان پر غور فرمائیے ”میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے روک رہا ہوں۔“ یہ آگ کیا ہے یہی کفر و شرک اور معصیت و نافرمانی۔ تو جو ہستی کفر و شرک کو یقین کی آنکھوں سے جہنم کی ہولناک آگ دیکھ رہی ہو وہ کیسے اپنے اقراءِ نوع کو اس میں گرفتار نہ دیکھ کر چین سے بیٹھ سکتی ہے۔

دوسری حقیقت خدا کی رضا کا حقیقی جذبہ ہے۔ عمل کے بہت سے محرک ہو سکتے ہیں لیکن ہر محرک ختم ہونے والا ہے۔ خدا کی رضا اور خوشنودی ایک ایسا محرک ہے جسے دوام حاصل ہے۔ حضور کے وصال کے وقت جب صحابہ کرامؓ دل شکستہ ہونے لگے اور وفورِ غم میں مختلف قسم کی کیفیتیں ان پر طاری ہوئیں تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک حقیقت افروز خطبہ دیا۔ آپؓ نے فرمایا:

”اَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنْ مُحَمَّدٌ □ اَقْدَمَاتِ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ فَاِنْ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ“

جو شخص محمد ﷺ کی بندگی کر رہا تھا وہ خوب سن لے کہ محمد ﷺ اس دنیا سے جا چکے اور جو اللہ کی بندگی کر رہا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہ آئے گی۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک بلیغ ترین تمثیل میں اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب کوئی بھٹکا ہوا بندہ اس کی طرف پلٹتا ہے اور ہدایت پاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک ایسے شخص کا تصور کرو جو ایک بے آب و گیاہ لقا و دق صحرا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

میں سفر کر رہا ہوں، اس کے اونٹ پر کھانے پینے کا سامان اور ضروریات ہوں۔ وہ اس صحرا میں سستانے کے لئے لیٹ جاتا ہے اور اسے نیند آ جاتی ہے۔ اٹھ کر دیکھا ہے تو اونٹ غائب ہے۔ دن بھر تلاش کرتا ہے لیکن نہیں پاتا۔ مایوس ہو کر تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے کہ اب موت ہی موت ہے۔ اسی حالت میں اس کی آنکھ لگ جاتی ہے جب بیدار ہوتا ہے تو اونٹ پورے ساز و سامان کے ساتھ سامنے کھڑا ہے۔ اس شخص کی خوشی کا اندازہ کیجئے! اسی طرح جب کوئی بھٹکا ہوا بندہ خدا کی طرف پلٹتا ہے اور ہدایت پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس شخص سے بھی کہیں زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ تو خدا کی خوشنودی چاہنے والا پھر اس کے بندوں کی ہدایت کے لئے کیوں بے قرار نہ ہو گا۔

تیسری حقیقت انسانیت کا سچا درد ہے۔ حضرت عائشہؓ نے ایک بار حضور ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ احد کے دن سے زیادہ بھی کوئی سخت دن آپ ﷺ پر گزرا؟ تو آپ نے اثبات میں جواب دیا تھا کہ جب کہ والوں سے مایوس ہو کر آپ ﷺ طائف والوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے پہنچے۔ لیکن وہاں کے سردار نے غنڈوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے پیغام رحمت کے جواب میں آپ ﷺ پر پتھر برسائے۔ آپ ﷺ لبو لہان ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ پریشانی اور غم کی حالت میں وہاں سے چلے۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الجبال کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ ملک الجبال نے عرض کیا یا رسول اللہ، آپ ﷺ فرمائیں تو میں ابو قیس اور جبل احمر کو عکرا دوں اور اس بستی والوں کو پیس ڈالوں۔ رحمت عالم نے فرمایا: ”دعنی انذر قومی“ نہیں رہنے دو، مجھے اپنی قوم میں عوت و تبلیغ کا کام کرنے دو۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کے دل کھول دے یا ان کی اولاد میں سے وہ لوگ پیدا ہوں جو ہدایت قبول کریں۔ کیا تاریخ، انسانیت کے اس سچے درد کی کوئی اور مثال بھی پیش کر سکتی ہے۔ انسانیت کے اس سچے درد کے ہوتے ہوئے انسانوں کو جہنم کی طرف بڑھتا دیکھ کر آپ ﷺ کیسے بے قرار نہ ہوتے۔

جو تھی حقیقت یہ فکر ہے کہ انسان حقیقی فلاح سے ہمکنار ہو، جہنم سے نجات پائے۔ جہنم سے نجات ہی فلاح ہے۔ یہی انسان کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ یہی انسان کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ یہی اسلام کی جان ہے۔ اسی کے لئے انبیاء کی بعثت اور کتابوں کا نزول ہوا۔

مَنْ زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (جو کوئی آتش دوزخ سے بچا لیا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا، یقیناً وہ حقیقی مراد پا گیا)

زندگی کی منزل بہر حال آخرت ہے اور انسان چار و ناچار اس منزل سے قریب ہو رہا ہے۔ آخرت میں انسانی زندگی دو خانوں میں یقینی طور پر بٹ جائے گی۔ یاد انکی سکھ یاد انکی دکھ۔ اس حقیقت پر یقین رکھنے والا اور اس فلاح کی فکر کرنے والا یہ کیسے گوارا کرے گا کہ اس کے ہم نوع اس فلاح سے محروم رہیں اور ہمیشہ کی تباہی مول لیں جب کہ ان ہی انسانوں میں اس کی عزیز ترین اولاد بھی ہے، محبوب رین بیوی بھی ہے، شفقت کرنے والے ماں باپ بھی ہیں، سہارا دینے والے اہل خاندان بھی ہیں، اور بستی، شہر اور ملک کے وہ لوگ بھی ہیں جن کے ساتھ مل جل کر وہ زندگی گزار رہا ہے، جن سے اس کا انسانی رشتہ ہے اور جو اس کی طرح جان اور تکلیف و راحت کا احساس رکھتے ہیں۔

یہ چار حقیقتیں اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہیں۔ خدا کے رسول ان حقیقتوں کا پیکر تھے۔ وہ ہر وقت قوم کی فکر میں مضطرب اور بے قرار رہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس یقین و ایمان کا ایک معمولی سا حصہ بھی ہمیں مل جائے تو ہماری زندگیاں جمود و سکون سے نا آشنا ہو جائیں اور جوشِ عمل سے اضطراب و بے قراری کا سراپا بن جائیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سوز، ولولہ، شوق اور تڑپ، لگن اور جوشِ عمل داعیِ حق کے ہتھیار ہیں اور داعیِ راہِ حق کا سپاہی کسی وقت ہتھیار نہیں اتارتا۔ جس مہم پر اسے لگایا گیا ہے وہ چند دنوں یا چند سالوں کی نہیں ہے بلکہ زندگی بھر کی مہم ہے۔ جب تک سانس باقی رہے اسے اسی مورچے پر لڑنا ہے۔ اس حقیقت سے غافل ہو کر کبھی کبھی داعیانِ حق سستانے بیٹھ جاتے ہیں تو شیطانی وساوس انہیں گھیرتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ شیطان ان کے سارے ہتھیار اتار لیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غیر مسلح ہو جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو گمراہی اور معصیت میں دیکھ کر انہیں کوئی کڑھن نہیں ہوتی، وہ برائیوں کو پروان چڑھتے دیکھتے ہیں لیکن ان کو مٹانے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے۔ دین کو مٹا اور اللہ کی حدوں کو گرتا دیکھتے ہیں مگر آگے بڑھ کر خدا کے باغیوں سے نبرد آزما ہونے کا عزم و حوصلہ نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس حالات کی سنگینی دیکھ کر لرزتے رہتے ہیں اور قربانی کے تصور سے ان کے روٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر انہیں کوئی متوجہ کرتا ہے تو الٹا اسی کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ دل میں جھانکنے کی عادت ختم ہو جاتی ہے اور اپنی اس داعیانہ فسادگی کے اسباب خارج میں تلاش کرتے ہیں۔ مختلف خارجی اسباب کو مورد الزام ٹھہرانے لگتے ہیں اور اپنے جمود و غفلت کا سرچشمہ ماحول کی سنگینی اور حالات کی رنگینی کو قرار دیتے ہیں۔

دراصل جو چیز اندر ہے وہ اسے باہر تلاش کرتے ہیں۔ جو سب ان کے اپنے سینوں میں ہے، اسے دوسروں کے اقوال و اعمال میں ڈھونڈتے ہیں۔ اپنے آپ سے غافل ہو کر دوسروں کو نشانہٴ ملامت بناتے ہیں۔ سینے کے اندر دل و دماغ کی قوتوں سے نشوونما پانے والے جذبات کو باہر کی مادی غذاؤں سے پروان چڑھانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ کیسی نادانی ہے اور کتنا فریب ہے جو وہ اپنے آپ کو دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی داعیانہ زندگی کا یہ پہلو قیامت تک اٹھنے والے عام داعیانِ حق کے لئے کھلی کتاب اور روشنی کا مینار ہے۔ جب تک امت اس سے درس لیتی رہے گی اور اس روشنی سے استفادہ کرتی رہے گی، جمود و تعطل، مایوسی اور سرد مہری کا شکار نہ ہوگی۔ وہ نستعین!

احسان دانش

اے امتِ رسول مقبول ﷺ

ہماری فرمائش پر جناب احسان دانش نے 'محدث' کے 'رسول مقبول ﷺ نمبر' کے لئے خصوصی نعت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اور وہ وعدہ یوں ایفاء ہوا کہ ایک طویل ترین نعت صرف قلب و ذہن سے گوہر تاب دار بن کر وجود میں آئی۔ کاش کاغذ کی کم یابی و گرانی ہمارے آڑے نہ آتی اور ہم اس شاہکار کو مکمل صورت میں قارئینِ محدث کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے۔ اب اس نعت کے حصہ دوم کے چند بند اس اعلان کے ساتھ شائع کئے جا رہے ہیں کہ یہ طویل نعت دیدبان (رسول اور امت) کے عنوان سے جامد کتابی صورت میں منظرِ عام پر آرہی ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی نے کچھ ایسے ہی حالات میں مسدس حالی لکھ کر قوم کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی تھی اور آج جناب احسان دانش نے دیدہ بان لکھ کر ملت کو آئینہ دکھایا ہے۔

(ادارہ)

اے امتِ غنودہ و انبوہ بے وقار	چپ کیوں ہے بول پوچھ رہا ہوں میں بار بار
کہتے تھے خود کو تم قیدِ قدرت کے شاہکار	اور اب جہاں جہاں ہو غلط گوزبوں شعار
پہلے جو تھی وہ غیرت و جرأت کہاں گئی	
اس دل کو کیا ہوا وہ شجاعت کہاں گئی	
یہ اتفاق تھا وہ پیہر ملا نہیں	صدق و صفا و حلم کا پیکر ملا تمہیں
صادق، امین ساقی کو ملا تمہیں	آئینہ طبع سید و سرور ملا تمہیں
لازم تھا یہ تمہیں کہ بصدِ شکر کرو گار	
کرتے شعار، احمد مختار ﷺ اختیار	
ظاہر کو دیکھنے میں بھلے آدمی ہو تم	ناواقفِ سرورِ مئے زندگی ہو تم
انکار و اختلاف پہ مائل سبھی ہو تم	سوچو تو رہو انِ رہِ خود کشی ہو تم
تم میں سے کون بر سرِ پر خاش کیں نہیں	
تم امتی احمد مرسل ﷺ نہیں، نہیں	
یہ امتی کی شان نہیں ہے خدا گواہ	یزداں سے اختلاف، نبوت میں اشتباہ
اس علم و آگہی پہ بھی بنتے ہو کجکلاہ	مدت سے تم پہ بند ہے خیر و اماں کی راہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جب تک رہے ہو ایک، گراں سے گراں تھے تم	
اتنا تو سوچنا تھا کہاں ہو، کہاں تھے تم	
رکھانہ تم نے خلق و مروت سے دل کو شاد	سینے میں گاہ بغض بسایا گہ عناد
غیروں کی شہ پہ قوم میں برپا کئے فساد	لیکن نتیجہ نہ برآئی کوئی مراد
ہو منصب بلند تو آگھیرتے ہیں لوگ	
معزول دیکھتے ہیں تو منہ پھیرتے ہیں لوگ	
تھے کل جو درسِ علم و بصیرت کے واسطے	زینہ بنے ہیں کفر و ضلالت کے واسطے
چھانٹا گیا تھا جن کو امامت کے واسطے	ایماں فروش ہو گئے دولت کے واسطے
انسانیت سے روح کے رشتے کو توڑ کر	
پھرتے ہیں خوار دامن قرآن کو چھوڑ کر	
غلبہ تمہارے دین پہ دنیا نے کر لیا	قبضہ خرد پہ ساغر و مینا نے کر لیا
پروہ تمہاری آنکھ سے عقبی نے کر لیا	بے نور خود کو دیدہ بینا نے کر لیا
ہاتھوں سے تم نے عدل و مساوات کھو دیئے	
جو عرش آشنا تھے خیالات کھو دیئے	
حج حرم کو عرس کا میلہ سمجھ لیا	خیرات کو مصارف بیجا سمجھ لیا
سجدوں کو شرمناک تماشا سمجھ لیا	یران ہوں کہ تم نے کسے کیا سمجھ لیا
ڈھولک نے بابِ قلب کی زنجیر کھول دی	
خاکِ مزار اٹھائی تو سونے میں تول دی	
تم نے جہادِ راہِ خدا ترک کر دیا	احساسِ غم، ملالِ جفا ترک کر دیا
یعنی اصولِ مہر و وفا ترک کر دیا	سورج سے اکتسابِ ضیاء ترک کر دیا
لپکا جو احتسالیوں میں جا چھپے	
تم چھتیاں لگا کے اندھیروں میں جا چھپے	
تم فطرتاً ہو افسر اور نگ کے غلام	پاکیزگی پہ تم نے تراشے ہیں اتہام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تم نے لیا نبی ﷺ کے نواسوں سے انتقام	تم میں نہیں مقام محمد ﷺ کا احترام
راضی ہو انہ کوئی حصولِ بہشت پر	
افسوس تم پہ اور تمہاری سرشت پر	

پروفیسر خالد علوی شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہتر زندگی گزارنے کے لئے عقل و فکر اور فطری شعور بخشنے کے ساتھ ساتھ اس کے لئے خارجی رہنمائی کا بھی مکمل انتظام کیا ہے۔ اس نے انسانی رہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً ایسے منفرد انسان بھیجے جو اس کا پیغام بندوں تک پہنچاتے رہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ ہر قسم کے بگاڑ کی اصلاح ان کی ذمہ داری تھی۔ انسانوں کی کوئی بستی ایسے مقدس اشخاص سے محروم نہیں رہی۔ اور کوئی زمانہ ان نیک انسانوں سے خالی نہیں رہا۔ قرآن پاک میں ہے:

1. **وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ**²⁰ اور کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا۔

2. **وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ**²¹ اور ہر قوم کے لئے ایک راہ دکھانے والا ہے۔

انسان گمراہ ہوتا رہا۔ اور اس کی ہدایت کا انتظام بھی ہوتا رہا۔ وہ ذہنی، شعوری اور تمدنی طور پر جوں جوں ترقی کرتا رہا اس کے لئے طریق ہدایت و تبلیغ میں بھی فرق آتا رہا۔ تا آنکہ انسانیت شعور و احساس کی منزلیں طے کرتے کرتے ایک خاص مقام پر پہنچی۔ پختگی کے اس مقام پر اسے ایسی ہدایت کی ضرورت تھی کہ جامع اور کامل بھی ہو اور سہل اور واضح بھی۔ خالق کائنات نے اسی امر کے پیش نظر ہدایت کا آخری اور انوکھا انتظام فرمایا۔ جسے قرآن کہا جاتا ہے۔ اس قرآن کی تشریح و تعبیر اور احکام الہی کے نفاذ کے لئے ایسی شخصیت مبعوث کی جسے جامع کمالات بنایا۔ جس طرح یہ دین و ہدایت جامع اور مکمل تھی۔ اسی طرح اس شخصیت کو بھی جامع و کامل بنایا۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنا کر بھیجا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں سابقہ انبیاء کی خصوصیات جمع کرنے کے ساتھ کچھ ایسی انفرادی خصوصیات بھی عطا فرمائیں اور کسی نبی میں نہیں پائی گئیں۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات انبیاء بھی ہیں اور تمام انبیاء میں منفرد بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عالمی نبوت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین عالمگیر اور قیامت تک رہنے والا ہے۔ اس لئے اس انفرادیت کی خاص ضرورت تھی جسے اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا۔ مسلمانوں نے اپنے عظیم رہنما کے ساتھ عقیدت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خصوصیات کو شمار کرنے اور تفصیل سے قلم بند کرنے کی سعی کی ہے۔ اس سلسلے میں قاضی عیاض کی ”الشفاء“ ابو سعید نیشاپوری کی ”شرف المصطفیٰ“ سیوطی کی ”خصائص النبوت“ اور شیخ عبدالحق کی ”مدارج النبوة“ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہمارے دور میں سید سلیمان ندوی اور مولانا مودودی نے بھی اختصار کے ساتھ خصائص مصطفیٰ بیان کئے ہیں۔ لیکن قاضی سلیمان منصور پوری نے تو اپنی مشہور تصنیف ”رحمۃ للعالمین“ کی جلد سوم کا پورا ایک حصہ اس کے لئے وقف کیا ہے۔ قاضی صاحب نے قرآن پاک کی رو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چھبیس خصائص بیان کئے ہیں۔ احادیث میں جو

²⁰ طاہر: ۲۴

²¹ زمر: ۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کچھ بیان ہوا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں²²۔ کہ عقیدت کی وجہ سے بعض عام چیزوں کو بھی خصوصیت قرار دیا گیا ہے لیکن اگر ان کو نکال دیا جائے تو بھی آپ ﷺ کے بے شمار خصائص باقی رہتے ہیں۔

مولانا مودودی کے نزدیک آپ ﷺ کی خصوصیات میں تکمیل دین، ختم نبوت، نسخ ادیان سابقہ، عالمگیریت یا دعوت عام شامل ہیں²³۔ سید سلیمان ندوی نے آپ کی خصوصیات کی دو قسمیں قرار دی ہیں²⁴۔

1. ذاتی خصائص۔

2. نبوی خصائص۔

3. آنجناب ﷺ نے خود اپنی خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے۔ جسے بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے۔

عن جابر قال قال رسول الله ﷺ اعطيت خمسا لم يطعهن احد قبلى نصرت بالرعب مسيرة شهر وجعلت لى الارض مسجداً وطهوراً فاينما رجل من امتى ادركنه الصلوة فليصل واحلت لى الغنائم ولا تحصل لاحد من قبلى واعطيت الشفاعة وكان النبى يبعث الى قوم خاصة وبعثت الى الناس عامة²⁵ (متفق عليه)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں (۱) ابھی ایک ماہ کی مسافت ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے (ساری زمین میرے لئے مسجد اور پاکیزہ بنا دی گئی ہے جو جہاں چاہے نماز پڑھے (۳) غنیمت کا مال میرے لئے حلال کر دیا گیا جو پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا (۴) مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ (۵) پہلے نبی اپنی قوم کے لئے خاص ہوا کرتے تھے مگر میں ساری دنیا کے لئے نبی ہو کر آیا ہوں۔

مسلم شریف کی ایک حدیث میں چھ چیزیں فرمائی گئی ہیں۔ سب روایات کو جمع کرنے سے مندرجہ ذیل امور حاصل ہوتے ہیں۔

1. نصرت بالرعب۔

2. روئے زمین کا مسجد و طاهر ہونا۔

3. حلت غنائم۔

4. عطائے منصب و شفاعت۔

5. بعثت عامہ۔

²² سیرۃ النبی ج ۳ ص ۸۳۱

²³ اسلامی اصول اور اس کے مبادی ص

²⁴ سیرۃ النبی ج ۳، ص ۳۸۲

²⁵ صحیح بخاری، کتاب الصلوة باب قول النبى ﷺ جعلت لى الارض مسجداً وطهوراً جلد ۱ ص ۲۳۵۔ صحیح مسلم۔ کتاب

الایمان۔ حدیث نمبر ۳۲۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

6. جوامع الکلم ہونا۔

7. ختم نبوت۔

8. خزائن الارض۔

رحمۃ للعالمین:

آنجناب ﷺ کی ذات بابرکات کی سب خصوصیات اپنی جگہ مسلم ہیں اور ان کا ہر پہلو بے نظیر اور بے مثال ہے۔ ہمارا مقصود ان سب خصوصیات کو بیان کرنا نہیں ہے۔ ہمیں حضور ﷺ کے جس پہلو کو آج زیر بحث لانا ہے وہ آپ کی ذات کا رحمت ہونا ہے۔ قرآن پاک نے آپ ﷺ کی اس خصوصیت کا ذکر بڑی اہمیت کے ساتھ کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ²⁶ ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

آیت کی ترکیب پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات رحمت ہی رحمت ہے۔ یعنی آپ ﷺ کی بعثت سے رحمت کے سوا کچھ مقصود نہیں۔ آپ ﷺ کو پوری کائنات کے لئے رحمت قرار دیا۔ قبل اس کے کہ ہم بیان کریں کہ آپ ﷺ کس طرح رحمۃ للعالمین تھے یہ ضروری ہے کہ رحمت کے مفہوم کی توضیح کر دیں۔

رحمت کا مفہوم:

رحمت رَحْمٌ یَزِیْحُ کا مصدر ہے جس کے معنی بخشش و مہربانی کے ہیں۔ امام راغب لکھتے ہیں²⁷ کہ رحمت وہ رقت ہے جو مرحوم کی طرف (یعنی جس پر رحم کیا جائے) احسان کی مقضیٰ ہو۔ اور کبھی اس کا استعمال مجرد رقت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور کبھی صرف احسان کے معنی میں جو رقت سے خالی ہو جیسے رَحْمُ اللہ فلانا جب اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو احسان مراد ہو گا اور جب بندے کی طرف ہو تو رقت مراد ہو گی۔ مولانا ابوالکلام آزاد ترجمان القرآن میں رحمت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ 'عربی میں رحمت عواطف کی ایسی رقت اور نرمی کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے لئے احسان اور شفقت ارادۂ جوش میں آجائے۔ پس رحمت میں محبت، شفقت، فضل و احسان سب کا مفہوم داخل ہے۔ اور مجرد محبت، لطف اور فضل سے زیادہ وسیع اور حاوی ہے۔'²⁸

رقت کے اس مفہوم میں تو رحمت کے معنی میں پیار، ہمدردی، غمگساری، محبت اور خیر خواہی سب شامل ہوں گے۔ عالم سے مراد ہر وجود پذیر شے کا ایک طبقہ ہے۔ اس طرح اس کائنات میں کئی عالم ہیں اور چونکہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں اس لئے آپ کائنات کے ہر طبقہ کے لئے رحمت ہیں۔ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ذات ہے جسے کائنات کی ہر شے سے ہمدردی اور محبت ہے ہر ایک پر ترس کھاتی ہے اور ہر ایک کی غم گسار ہے۔

²⁶ الانبیاء: ۱۰۷

²⁷ راغب: مفردات القرآن، رحمت ص ۳۴۲

²⁸ ابوالکلام، ترجمان القرآن، جلد اول۔ زیر آیت 'الرحمن الرحیم' ص ۶۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آنحضور ﷺ رحمت ہیں:

حضور ﷺ کا رحمت ہونا دو اعتبار سے ہے۔

1. ذاتی اعتبار سے۔
2. نبوت کے اعتبار سے۔

ذاتی رحمت:

آپ ﷺ اپنی ذات کے اعتبار سے مجسم رحمت تھے۔ خالص انفرادی اور ذاتی معاملات میں بھی آپ ﷺ کی یہ خصوصیات نمایاں رہی۔ مثلاً انسانیت سے ہمدردی اور دکھی اور مظلوم لوگوں کا خیال۔ یہ کیفیت آپ کے دل پر اس طرح راسخ تھی کہ آپ ﷺ کسی لمحے بھی اس سے غافل نہ رہے۔ اعلان نبوت سے پہلے کی زندگی میں آپ ﷺ کا محبوب مشغلہ ہی انسانیت کی ہمدردی، خصوصاً مظلوم اور دکھی انسانوں کی ہمدردی تھی۔ جناب ابوطالب نے شاید اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

و ابیض یستقی الغمام بوجهہ

ثمال الیتامی عصمة للارامل²⁹

آپ ﷺ کی طبیعت کی رحیمی نے حرب الفجار سے خصوصی اثر لیا³⁰۔ اور اس سے مظلومیت کی حمایت کا احساس اور زیادہ مستحکم ہوا اور مکہ کی وہ انجمن جس کا مقصد مظلوموں کی حمایت تھا۔ آپ ﷺ کی کوششوں سے اور زیادہ مضبوط ہو گئی³¹۔ قدرت نے آپ ﷺ کی ذات میں رحمت کی یہ خصوصیت راسخ کی تھی اور یہی ملکہ راسخہ آگے چل کر نبوت اور فرائض نبوت کی انجام دہی میں مدد ثابت ہوا۔ قرآن پاک نے اسے یوں بیان کیا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لَئِنْ لَّهٗمْ وَلَوْ كُنْتُمْ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَقُضُوْا مِنْ حَوْلِكَ³²

”واللہ کی رحمت سے تو ان کے لئے نرم ہے اور اگر تو سخت کلام، سخت دل ہوتا تو یہ تیرے ارد گرد سے بکھر جاتے۔“

خالق کائنات نے حضور ﷺ کو اس لقب سے نوازا۔ رحمت کی بنیادی خصوصیات کو آپ ﷺ کے دل میں قائم کیا۔ اور اس کے بعد تربیت، ہدایت اور آگاہی سے اسے مستحکم کیا۔ کئی مقامات میں جہاں نبی ﷺ کو فرمایا گیا کہ آپ ﷺ رحمت کا یہ طریق کار اختیار کریں۔ مصائب و آلام میں صبر کریں۔ مشکلات کا بدلہ استقامت سے کریں۔ اور ایذا رسانی کے مقابلے میں عفو و درگزر سے کام لیں۔ ایک مقام پر طریق تبلیغ سمجھاتے ہوئے فرمایا:

²⁹ مسند احمد ج ۸ ص ۶۲ حدیث ۵۶۷۳

³⁰ ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۶

³¹ ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۸

³² آل عمران: ۱۵۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالنُّعْظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ³³

”اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے بلا اور ان کے ساتھ اس طریق پر بحث کر جو نہایت عمدہ ہو۔“

دوسری جگہ رحمانہ طرز عمل یوں سکھایا گیا:

إِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ³⁴

”(بدی کو) بہت اچھے طریق سے دور کر، پھر تو دیکھے گا کہ وہ شخص کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی ہے، گویا وہ دل سوز دوست ہے۔“

اس ودیعت اور تربیت کا اثر آنجناب ﷺ کی ذات گرامی پر کامل طور پر ظاہر تھا۔ طائف کے تبلیغی سفر میں جو سلوک آپ ﷺ کے ساتھ ہوا

ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور اس کے جواب میں رحمۃ اللعالمین کا ظہور ہے۔ پتھر کھا کر گالیاں سن کر فرمایا:

اللهم اهد قومی فانهم لا یعلمون³⁵ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے بلاشبہ وہ نہیں جانتے۔

یہ کہنا دراصل اس خصوصیت کا اثر ہے، جسے رحمت کہتے ہیں۔ رحمت کی یہ خصوصیت آپ ﷺ کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ سبکی زندگی میں

غلاموں کی آزادی³⁶ میں آپ کی کوشش اور مدنی زندگی میں رئیس المنافقین کے جنازے میں چلے جانا³⁷ اور اسے اپنا کرتہ پہنا دینا³⁸، مدینہ کے یہودیوں

³⁹ اور نجران کے عیسائیوں کے ساتھ آپ کا حسن سلوک⁴⁰ نیز فتح مکہ کے موقع پر سنگ دل قریشیوں کو

لا تثریب علیکم الیوم⁴¹ آج تم پر کوئی الزام نہیں۔

مژدہ سنایا صفت رحمت ہی کا عمل اظہار ہے۔ آپ کی ذات رحمت ہے، آپ کا انفرادی طرز عمل رحمت ہے بلکہ آپ ﷺ مجسم رحمت ہیں۔

رحمت نبوی:

’رحمت للعالمین‘ کا ظہور جس طرح آپ ﷺ کی ذاتی زندگی میں ہوتا ہے اسی طرح پیغام اور تحریک میں بھی ہوتا ہے۔ جو اسلام کے نام سے

شروع کی گئی۔ گویا یہ تحریک اور پیغام ایک رحمت ہے جو اس کائنات میں آنجناب ﷺ کی وساطت سے متعارف ہوا۔ حضور ﷺ یوں تو جملہ مخلوق

خدا کے لئے رحمت ہیں لیکن بالخصوص آپ ﷺ انسانوں کے لئے رحمت ہیں۔ کیونکہ یہ اشرف المخلوقات ہیں۔

³³ النحل: ۱۲۵

³⁴ طہ: السجۃ: ۳۴

³⁵ ابن سعد جلد ۱ ص ۲۱۰

³⁶ ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۳۹-۳۴۳

³⁷ ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۷۸

³⁸ بخاری باب الکسوف للاساری ص ۲۲۳

³⁹ بخاری جلد ۱ ص ۵۶۳ باب اتیان الیہود النبی ﷺ عین قدم المدینہ

⁴⁰ ابن کثیر جلد ۲ ص ۳۷-۳۷۱

⁴¹ ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

احادیث و سیرت کی کتابوں میں وہ تفصیلات موجود ہیں، جہاں نبی کریم ﷺ نے حیوانوں سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ اور آدابِ زندگی میں یہ بات بتائی کہ کائنات کی ہر شے مصروفِ تسبیح ہے۔ تمہیں اس خیال کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ ہم یہاں رحمت کے صرف اسی پہلو کا ذکر کریں گے جس کا تعلق انسانوں سے ہے۔ کیونکہ بات کو مختصر کرنا ہے ورنہ مضمون پھیل جائے گا۔ آپ ﷺ کی ذات کی طرح آپ ﷺ کا پیغام انسانوں کے لئے خصوصی رحمت ہے۔ کیونکہ پیغامِ ربانی سے مسلسل انحراف اور خود ساختہ خداؤں کی بندگی نے عقل و فکر اور آزادی و آدمیت کی صحیح روح کو ختم کر دیا تھا۔ کہیں کہیں روشنی کی کرن دکھائی دیتی تھی لیکن وہ بھی اتنی مدھم کہ اس سے رہنمائی کا کام نہیں لیا جاسکتا تھا۔ مذہبی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی لحاظ سے دھاندلی کا بازار گرم تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے رحمانہ طرزِ عمل سے ایک عظیم انقلاب برپا کیا اور انسان کو اس کے حقیقی مقام سے روشناس کرایا۔ صفتِ رحمت کی رحمۃً للعالمین کا ظہور پوری انسانی زندگی کو محیط کرتا ہے۔ لیکن ہم سہولت کے لئے انسانی زندگی کو چار بڑے حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ ان حصوں میں آنجناب ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کے پیغام کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ یہ چار حصے صرف تعارف کے لئے ہیں ورنہ آپ ﷺ کو کسی ایک جگہ محدود کرنا درست نہیں۔ وہ چار حصے یہ ہیں:

1. مذہبی

2. معاشرتی

3. معاشی

4. سیاسی

مذہبی زندگی:

مذہبی زندگی سے وہ امور مراد ہیں جو عبودیت اور پرستش سے تعلق رکھتے ہیں۔ انسانی زندگی کا وہ حصہ جس قدر اہم تھا اسی قدر مجروح تھا۔ شرک اور مذہبی جاگیر داری نے خود ساختہ شریعت کے ذریعے عوام کو مفلوج کر رکھا تھا۔ عقل و فکر کے استعمال پر قدغنیں تھیں۔ انسانی ذہن خرقِ عادت کی بازی گری سے آگے نہیں جاسکتا تھا۔ مذہبی خداؤں نے حلال و حرام کے لئے اپنے پیانوں سے انسانی زندگی کو بوجھل بنا دیا تھا۔ جہاں کہیں پیغامِ ربانی کی روشنی تھی اسے دور از کار تاویلات اور تحریفات سے تاریک کر دیا گیا تھا۔ انسان اسی تاریک ماحول میں آنکھ کھولتا اور تاریکی کے انہی دبیز پردوں کے اندر ابدی نیند سو جاتا۔ رحمتِ نبوی نے انسان کو اس تاریکی سے نجات دلانے کی سعی فرمائی۔ اس کے لئے آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل امور اختیار فرمائے۔

1. دعوتِ فکر و تدبیر

2. مذہبی خداؤں کی نفی

3. خود ساختہ قوانین کی تردید

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

معجزات اور خرقِ عادات کے عادی انسان کو پہلی مرتبہ یہ بات سمجھائی کہ پختہ کردار اور درست سیرت سب سے بڑا معجزہ ہے۔ عقل و فکر کی قوتوں سے کام لے کر خود کو، اور خالق کائنات کی حکمتوں کو سمجھنا ہی سب سے بڑا کام ہے۔ قرآن پاک میں اس پہلو پر بڑے مبلغ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً

1. أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا⁴²

کیا پھر قرآن میں تدبیر نہیں کتے اور اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔

2. أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا⁴³

تو کیا قرآن پر غور نہیں کرتے، یادلوں پر ان کے تالے لگے ہوئے ہیں۔

3. يَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ⁴⁴

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے رہتے ہیں، ہمارے رب نے تو اسے بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے

بچا۔

4. وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَذَانٌ

لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَانُوا لَنَا نَعَامٍ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ط أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ⁴⁵

اور یقیناً ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے۔ ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ چار پایوں کی طرح ہیں بلکہ زیادہ (گمراہ) یہی بے خبر ہیں۔

ان آیات میں تفکر و تدبیر کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مومن کی صفتِ تفکر اور کافر کی محرومی کو واضح کیا گیا ہے۔ معجزات کے جواب میں بڑا صاف انداز ہے کہ معجزہ پیام ہے، طرزِ عمل اور زندگی ہے تم یوں ہی بھٹک رہے ہو۔

1. وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ⁴⁶

اور کہتے ہیں اس پر اپنے رب کی طرف سے نشان کیوں نہ اتارے گئے، کہ نشان صرف اللہ کے پاس ہیں اور میں صرف کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔

2. وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ⁴⁷

⁴² النساء: ۸۲

⁴³ محمد: ۲۳

⁴⁴ آل عمران: ۱۹۱

⁴⁵ الأعراف: ۱۷۹

⁴⁶ العنکبوت: ۵

⁴⁷ الرعد: ۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور جنہوں نے کفر کیا کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے نشان کیوں نہیں اتار دیا جاتا۔

3. وَقَالُوا لَنْ تُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجَرَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ وَعَنْبٍ فَتَفْجَرَنَا الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ تَأْتِي بِنَا إِلَهُ وَالْمَلَكَةِ قَبِيلًا أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرِفٍ أَوْ تَرْقَى فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّى تُنْزِلَ عَلَيْنَا مَكِّئًا نَفْرُوهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا⁴⁸

اور کہتے ہیں ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تو ہمارے لئے اس زمین سے چشمہ بہا دے یا تیرا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو۔ پھر تو اس کے اندر خوب نہریں بہا نکالے۔ یا تو آسمان کو جیسا کہا کرتا ہے، ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دے یا تو اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئے۔ یا تیرا سونے کا گھر ہو یا تو آسمان میں چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے، جب تک کہ تو ہم پر کتاب نہ اتارے جسے ہم پڑھ لیں۔ کہہ تیرا رب پاک ہے میں صرف ایک بشر رسول ہوں۔

اس دعوتِ فکر کے ساتھ شرک اور مذہبی خداؤں کی خدائی کی نفی اس انداز سے کی کہ انسان خدا سے تعلق قائم کرنے لگا۔ بھولی ہوئی خدائی تک پہنچنے کا جذبہ پھر تازہ ہوا۔ اور خدا سے باغی انسان اطاعتِ الہی سے سرشار ہو گیا۔ اس کے لئے بھی عقلی اور فکری انداز ملاحظہ فرمائیں:

1. قُلْ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا⁴⁹

اگر ان دونوں میں اللہ کے سوائے (کوئی اور) معبود ہوتا تو دونوں بگڑ جاتے۔

2. إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ⁵⁰

وہ جنہیں تم اللہ کے سوائے پکارتے ہو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، گو وہ سب اس کے لئے اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چین لے جائے تو اسے چھڑا نہیں سکتے۔ طالب اور مطلوب (دونوں) کمزور ہیں۔

3. إِنَّا نَخْذُ أَعْيُنَهُمْ وَرَهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ⁵¹

انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوائے رب بنا لیا ہے۔

اس کے علاوہ خود ساختہ شریعت کی نفی کی جو رسومات مذہبی تقدس کے طور پر اختیار کی گئیں ان کی تردید بڑے زور سے کی گئی۔

⁴⁸ بنی اسرائیل ۹۰-۹۱

⁴⁹ انبیاء: ۲۲

⁵⁰ الحج: ۷۳

⁵¹ التوبہ: ۳۱

1. مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ
وَكَثُرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ⁵²

اللہ نے نہ کوئی بحیرہ بنایا ہے اور نہ صائبہ اور نہ حاتم لیکن جو کافر ہوئے وہ اللہ پر جھوٹ افتر کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔

2. إِنَّمَا النَّسِيئُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ⁵³

مہینوں کا پیچھے کر دینا کفر کی ایک زیادتی ہے۔

3. وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ⁵⁴

اور رہبانیت انہوں نے خود نکالی ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا، مگر اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے (نکالی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو حرام و حلال اور جائز و ناجائز کے ان خود ساختہ قوانین سے نجات دلا کر فطری زندگی کی طرف رہنمائی کی۔ قرآن پاک نے اسی انداز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ
فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ⁵⁵

اور جو رسول نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں، جسے وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ ان بھلی باتوں کا حکم دیتا اور ان کو بری باتوں سے روکتا اور ان کے لئے سٹھری چیزیں حلال کرتا اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا اور ان سے ان کا بوجھ اتارتا ہے۔ اور وہ طوق بھی جو ان پر تھے۔ سو جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کو مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی کامیاب ہوں گے۔

رحمت نبوی نے مذہبی زندگی کے باطل تصورات کو مٹایا۔ انسانوں کو اس بارگراں سے نجات دلائی۔ جو انہوں نے اٹھایا تھا۔ یا انہیں اٹھوایا گیا تھا۔ یہودیت، مسیحیت اور مشرکانہ مذاہب کے پھیلے ہوئے جال سے انسان کو نجات دلانے کی سعی فرمائی اور یہ رحمت کا سب سے بڑا ہور تھا۔

معاشرتی زندگی:

معاشرتی زندگی کا حال مذہبی زندگی سے کچھ اچھا نہ تھا۔ نسلی امتیاز، غلامی و آقائی عورت کی زبوں حالی اور غلط معاشرتی رسوم، معاشرتی زندگی کے وہ

⁵² المائدہ: ۱۰۳

⁵³ التوبہ: ۳۷

⁵⁴ الحديد: ۲۷

⁵⁵ الاعراف: ۱۵۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تاریک پہلو ہیں جن کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ رحمتِ نبوی نے نسلی امتیاز کے پردے کو چاک کیا اور سب انسانوں کو برابری کا درجہ دیا۔ مساواتِ نسل انسانی کا درس دیا۔ رنگ و خون اور وطن کی بنیادوں پر ہر قسم کے جاہلی امتیازات کو ختم کیا۔ غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھایا۔ ان کی آزادی کا انتظام کیا بلکہ ان کی آزادی کو مذہبی وجوہ اور اخلاقی عظمت کی دلیل قرار دیا۔ ان سے حسن سلوک، اور ان کی اچھی تربیت کو ذریعہ نجات قرار دیا۔ عورت کو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی حیثیت سے بلند مقام دیا۔ اس کے حقوق کا تعین کیا اور ان کا تحفظ کیا۔ حیاء، عفت اور غیرت کو دین کی بنیادی قدریں بتایا اور معاشرے میں اس کی ترویج و اشاعت پر زور دیا۔ قتل اولاد اور دیگر غلط معاشرتی رسوم کا قلع قمع کیا اور اس کی جگہ پر فطری اور صالح نظام معاشرت جاری کیا جس میں حسن ظنی، تعاون، ہمدردی اور مساوات کا دور دورہ تھا۔ قرآن و سنت کی مندرجہ ذیل نصوص سے ان امور پر روشنی پڑتی ہے۔ آنجناب ﷺ کا احسان ہے کہ آپ ﷺ نے انسانیت کو حدتِ نسل انسانی کا احساس دلایا۔

1. وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ⁵⁶

اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری دی اور ان کو اچھی چیزوں سے رزق دیا۔

2. لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ⁵⁷

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا۔

3. يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ⁵⁸

اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلانیں اور اللہ کے (حقوق کی) جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے رہو اور رحموں کی نگہداشت کرو۔

4. وَجَعَلْنَكُمْ سُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ⁵⁹

اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار

ہے۔

آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

1. يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ إِنْ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعْظِيمَهَا بِالْآبَاءِ- النَّاسِ مِنْ آدَمَ وَآدَمَ

⁵⁶ بنی اسرائیل: ۲۷۰

⁵⁷ التین: ۴

⁵⁸ النساء: ۱

⁵⁹ الحجرات: ۳۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

من تراب۔⁶⁰

اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے غرور اور آباء پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے، لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔

2. لا فضل لعربی علی اعجمی ولا لاسود علی احمر الا بالتقویٰ⁶¹

کسی عربی کو عجمی پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ سے۔

نسلی ولسانی امتیازات کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ ان مظالم اور ناروا فریقات کو بھی ختم کر دیا جو طبقہ نسواں کے سلسلہ میں انسانوں نے روا رکھا تھا۔ آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خصوصی طور پر عورتوں کے حقوق کا ذکر کیا۔ عورتوں کے ضمن میں چند ایک ارشادات یہ ہیں:

1. وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ⁶²

اور ان کے لئے پسندیدہ طور پر (حقوق) ہیں جیسے ان پر (حقوق) ہیں۔

2. لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ⁶³

مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں۔

3. مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا

يَعْمَلُونَ⁶⁴

جو کوئی اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہے ہم یقیناً اسے ایک پاک زندگی میں زندگی رکھیں گے اور ہم انہیں بہترین اعمال کا، جو وہ کرتے ہیں، اجر دیں گے۔

احادیث:

1. فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ (البیان والتبیین جلد ۱ ص ۳۴) عورتوں کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو۔

2. النِّسَاءُ شِقَاقُ الرِّجَالِ عورتیں مردوں کی نظیر و شیل ہیں۔

3. عن عبد الله بن عمر قال كنا نتقى الكلام والانبساط الى النساء عرفنا على عهد النبي ﷺ ان ينزل

فيها شيء فلما توفي رسول الله ﷺ تكلمنا وانبسطنا (بخاری: کتاب الزکاح باب الوصاة بالنساء ج ۳ ص ۱۸۳ ابن ماجہ

⁶⁰ ابن ہشام جلد ۴ ص ۵۴

⁶¹ مسند احمد جلد ۵ ص ۴۱۱

⁶² البقرة: ۲۲۸

⁶³ النساء: ۳۲

⁶⁴ النحل: ۹۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

باب ذکروفات النبی صلعم ودفن ج ۱ ص ۵۲۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ نبی ﷺ کے عہد میں اپنی عورتوں سے کھلی باتیں کرتے ہوئے ڈرتے تھے، اس اندیشے کے پیش نظر کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل نہ ہو جائے۔ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو ہم جی کھول کر باتیں کرنے لگے۔

4. قال رسول الله ﷺ حب الی من الدنیا النساء والطیب وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ (النسائی: کتاب

عشرۃ النساء باب حب النساء ج ۷ ص ۶۲ مع شرح سیوطی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا میں سے مجھے عورتیں اور خوشبو عزیز ہیں اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

عورت کے حقوق کا تحفظ، اس کی صحیح تربیت اور اس کے صحیح معاشرتی مقام کے لئے نبی رحمت ﷺ نے خصوصی انتظام فرمایا۔ اسلام سے پہلے کی جاہلیت اور دورِ جدید کی جاہلیت میں عورت کو جس طرح حرص و ہوا کا نشانہ بنایا گیا وہ بالکل واضح ہے۔ یہ نبی ﷺ کی رحمۃ للعالمین ہے کہ آپ ﷺ نے عظمتِ انسان بیان کرتے ہوئے عورت کو انسانیت کا ایک لازمی حصہ قرار دیا۔ نکاح و طلاق کے قوانین کی اصلاح فرما کر آپ نے عورت کو ظلم و ستم سے نجات دلائی۔ اس کے لئے دائرہ عمل متعین فرمایا تاکہ اس کا تحفظ ہو سکے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

المرأۃ راعیۃ علی اہل بیتہا وہی مسئلۃ (صحیح بخاری: کتاب النکاح باب ۸: مشکوٰۃ کتاب الامارۃ، ص ۲۳۰)

عورت اپنے اہل بیت کی نگران ہے اور اس کے لئے جوابدہ ہے۔

اسلام میں پہلی مرتبہ عورت نے بحیثیت ماں، بیٹی، بیوی اور بہن کے اپنا صحیح مقام حاصل کیا۔ انسانی معاشرت کے سکون کو برباد کرنے کے لئے چند ایسے امور راہِ پائے گئے تھے جنہوں نے اجتماعی زندگی کو بھی مستحکم نہ ہونے دیا اور آج بھی انسانی معاشرت انہی سے پریشان ہے۔ ان میں باہمی بے اعتمادی و منافرت اور دوسرے احساسِ ہمدردی و ایثار کی کمی ہے۔ آپ ﷺ نے دو امور کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کبار، بدگمانی، تجسس، حسد و بغض، ناجائز حمایت، غیبت و جھوٹی گواہی وغیرہ سے منع فرمایا۔

1. عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله ﷺ اجتنبوا السبع المویقات قالوا یا رسول الله صلعم ما هن

قال الشریک با الله والسحر وقتل النفس التي حرم الله الا بالحق واکل الرباء واکل مال الیتیم

والتولی یوم الترفج وقذف المومنات الغافلات (مشکوٰۃ کتاب الایمان باب الکبائر: ص ۷)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ سات ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو۔ لوگوں نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ وہ کون سی باتیں ہیں، فرمایا، کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا، جادو کرنا اس جان کو مارنا جس کو مارنا خدا نے حرام قرار دیا ہو سوائے حق شرعی کے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، لڑائی کے روزِ پشت دکھانا، پاک دامن مومن اور بے خبر عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔

2. عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله ﷺ یاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا

تحسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباعضوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخوانا (مشکوٰۃ الاداب باب ما

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بینہ عنہ من التہاجر والتقاطع ص ۴۲۴)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا بدگمانی سے بچ کر رہو۔ کیونکہ بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹ بات ہے اور نہ کسی کی راز جوئی کرو اور نہ کسی کی جاسوسی کرو اور نہ قیمت بڑھانے کی بولی دو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ باہم روگردانی کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔

3. عن اوس بن شریل انه سمع رسول الله صلعم يقول من مشى مع ظالم ليقويه وهو يعلم انه ظالم

فقد خرج من الاسلام (ايضاً باب الظلم)

اوس بن شریل سے (روایت ہے) انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جس نے ظالم کے ساتھ اس کی تقویت کی خاطر قدم اٹھایا اور وہ اسے جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔

معاشرتی زندگی کا ایک اور اہم اصول:

تَعَاوُنًا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوُنًا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ: ۲۸)

نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں باہم کسی کی مدد نہ کرو۔

ہمدردی اور ایثار:

ہمدردی و خیر خواہی اور ایثار و قربانی کا جذبہ دراصل انسانی بے غرضی اور بے لوثی کی دلیل ہے۔ حدیث کی کتابوں میں ”الحب فی اللہ“ کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے۔ اس جذبہ کے بغیر معاشرہ، معاشرہ نہیں ایک بھیڑ ہے۔ آپ نے فرمایا:

1. عن ابی امامۃ قال قال رسول الله صلعم من احب لله و ابغض لله واعطى لله ومنع لله فقد استكمل

الایمان (مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان ص ۱۴)

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے محبت کی خدا کے واسطے اور بغض رکھا خدا کے واسطے اور (کسی کو کچھ) دیا خدا کے واسطے اور منع کیا خدا کے واسطے اس نے اپنے دین کو کامل کر لیا۔

2. عن ابی ذر قال قال رسول الله صلعم افضل الاعمال الحب في الله والبغض لله (مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان ص

۱۴)

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا کے لئے محبت کرنا اور خدا کی راہ میں بعض رکھنا بہترین اعمال میں سے ہے۔

3. عن انس قال قال رسول الله ﷺ والذي نفسي بیدی لا یومن احدکم حتی یحب لایخیه ما یحب

لنفسه (نضرۃ النور شرح مختارات الاحادیث ج ۲ ص ۴۹ حدیث ۱۵۰)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہ (بھلائی) نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔
ان کے علاوہ بعض اہم اصول مثلاً احساسِ ذمہ داری، نظافت و طہارت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اخوت اور مساوات نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔

معاشی زندگی:

جاہلیت کی معاشرتی زندگی کی طبقاتی تقسیم نے معاشی جدوجہد کو بھی متاثر کیا تھا۔ لوٹ کھسوٹ اور بد نظمی، معاشی زندگی کی خصوصیت تھی۔ سرمایہ دار طبقہ نے سود جیسی لعنت مسلط کر رکھی تھی۔ جس سے غریب کا خون نچڑھاتا تھا۔ معاشرتی زندگی کی برائی شراب نے جوئے کے ساتھ مل کر معاشی جدوجہد کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ ذرائع آمدنی پر مخصوص لوگوں کا قبضہ تھا۔ طریق صرف میں کسی اخلاقی اصول کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ اور ہر معاشی جدوجہد خود غرضی اور سنگدلی پر مبنی تھی۔ رحمۃ للعالمین نے اس میدان میں بھی انسانیت کے لئے بہترین اصول و طرزِ عمل عطا کیا۔ سود، کو ختم کیا اور سب سے پہلے اپنے چچا کے سود کو باطل قرار دیا⁶⁵۔ آئندہ کے لئے سودی کاروبار کرنے والوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا باغی قرار دیا۔ بیع و شرائع کے تمام باطل طریقے ختم کیے⁶⁶۔ اور رزقِ حلال کی دعوت دی۔ جوئے اور شراب کو بند کیا اور اس کے ذریعے پیدا ہونے والی فضول خرچی کو شیطانی فعل سے تعبیر کیا۔ اقتصاد اور اعتدال کو معاشی زندگی کی روح قرار دیا۔ تمام غیر اخلاقی اور ظالمانہ طریقے بند کیے۔ تاکہ انسانوں کا کوئی طبقہ بھی ظلم کا شکار نہ ہو۔ رحمتِ نبوی نے مظلوم انسانیت کو سہارا دیا۔ قرآن و سنت نے آپ کا جہانہ طرزِ عمل بیان کیا۔ شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا۔

1. یَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا (البقرة: ۲۱۹)

تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ ان دونوں میں بڑی برائی ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں اور ان کی برائی ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔

2. إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ (المائدہ: ۹۰)

شراب اور جو اور بت اور پاسے ناپاک کام صرف شیطان کے عمل سے ہیں۔ سو اس سے بچو۔

3. يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيلُ الصَّدَقَاتِ (البقرة: ۲۷۶)

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

⁶⁵ ابن ہشام جلد ۴ ص ۲۵۱

⁶⁶ بخاری۔ کتاب البیوع

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

4. يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاذْنُوْا بِحَرْبٍ مِّنْ

اللهِ وَرَسُوْلِهِ (البقرة: ۲۷۸)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو اور جو کچھ سود سے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کے لئے خبردار ہو جاؤ۔

5. وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحَكَامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ

(البقرة: ۱۸۸)

اور اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور (نہ) ان کے ذریعے حاکموں تک پہنچو، تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ۔

6. اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيْطٰنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (بنی اسرائیل: ۲۷)

مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔

7. وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل: ۲۹)

اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول ورنہ تو ملامت کیا ہوا در ماندہ ہو کر بیٹھ رہے۔

احادیث:

1. عن جابر قال لعن رسول الله ﷺ اكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء (صحیح مسلم جلد

۵، ص ۵۰ کتاب البیوع باب لعن آكل الربوا وموكله)

جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود خوار، سود دینے والے، سودی دستاویز لکھنے والے اور گواہی دینے والوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا کہ خدا کی پھٹکار میں یہ سب برابر ہیں۔

2. عن فضالة بن عبيد انه قال كلى قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربوا (بیہقی کتاب البیوع ج ۵، ص

۴۵)

فضالہ بن عبیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو قرض بھی نفع کھینچتا ہے وہ سود ہی کے اقسام میں سے ہے۔

آپ نے معاشی زندگی کے استحکام کی خاطر چند زریں اصول دیئے ہیں۔ ان کو اپنانے سے وہ تمام ناہمواریاں ختم ہو جاتی ہیں جو انسانوں کے ظالمانہ نظاموں نے پیدا کر رکھی ہیں۔

1. معاشی جدوجہد کی پاکیزگی:

آپ ﷺ نے معاشی جدوجہد کو پاکیزہ بنایا اور تمام ناجائز ذرائع کو خارج کر دیا۔ اسی طرح ہوس زور اور حُب مال کی مذمت کی۔ اور مال کو جمع کرنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کی ممانعت کردی۔ ارشاد خداوندی ہے:

1. **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا**

أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا (النساء: ۲۹: ۳۰)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے مالوں کو آپس میں ناحق مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے تجارت ہو اور اپنے لوگوں کو قتل نہ کرو۔ بیشک اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے اور جو شخص حد سے نکل کر اور ظلم سے ایسا کرے گا ہم اسے آگ میں داخل کریں گی۔

2. **وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ** (التوبة: ۳۴)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے۔

3. **وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْغُلُونَ بِمَا أَنَّهُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ أَلَهُمْ بَلَىٰ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ** (آل عمران: ۱۸۰)

اور وہ لوگ جو اس میں بخل کرتے ہیں، جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان کے لئے اچھا ہے بلکہ وہ ان کے لئے برا

ہے۔

احادیث:

1. **عن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة** (مشکوٰۃ کتاب البیوع ص

(۱۴۱)

عبد اللہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ کے فریضہ عبادت کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے۔

2. **عن ابی بکر ان رسول الله صلعم قال لا يدخل الجنة جسد غذى بالحرام (ایضاً)**

حضرت ابو بکر سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جس بدن نے مالِ حرام سے پرورش حاصل کی ہو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

3. **عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من اشترى ثوباً لعشرة دراهم وفيه درهم حرام لم يقبل الله**

صلوته ما دام عليه۔

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ جو شخص (مثلاً) ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان میں ایک درہم حرام مال ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز اس وقت

تک قبول نہیں کرے گا جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر ہو۔

4. **عن ابی هريرة..... ثم ذكر الرجل يطيل السفر اشعث اغبر يمد يديه الى السماء يا رب يا رب ومطعمه**

حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وذی بالحرام فانی يستجاب لذلك (مشکوٰۃ کتاب البیوع ص ۲۴۱)

5. **ابو هريرة سے روایت ہے..... پھر آپ ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے پر اگندہ بال اور غبار آلودہ اپنے**

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے اے پروردگار (یہ دے اور وہ دے) حالانکہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور حرام میں پرورش کیا گیا۔ پھر کیونکر اس کی دعا قبول کی جائے۔

فلاح عامہ کا احساس:

معاشی جدوجہد میں تمام افراد معاشرہ یکساں صلاحیت نہیں رکھتے۔ فطری، حادثاتی اور طبقاتی معذوریوں کے پیش نظر ہر آدمی مطلوبہ نتائج نہیں پیدا کر سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسا معاشی نظم تجویز فرمایا جو ان مزاہمتوں کا علاج مہیا کرتا ہے اور تمام افراد کے لئے معاشی سہولتوں کی راہ کھول دیتا ہے۔ اس کے لئے آپ ﷺ نے کچھ امور تجویز فرمائے۔ مثلاً زکوٰۃ انفاق اور وراثت وغیرہ اس طرح آپ ﷺ نے دو مقاصد حاصل کئے۔ ایک یہ کہ دولت ایک جگہ پر مرکوز نہ ہونے پائے اور دوسرا یہ کہ کوئی فرد محروم المعیشت نہ رہے۔ اس سلسلہ میں چند نصوص ملاحظہ ہوں۔

1. **اقْبِئُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (البقرة: ۴۳)** نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

2. **عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ بعث معاذاً الى اليمن، فقال: انك تأتي قوماً اهل كتاب، فادعهم الى شهادة ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله فانهم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان الله قد فوض عليهم خمس صلوة في اليوم والليلة فانهم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان الله قد فرض عليهم صدقة تؤخذ من اغنياءهم فتدفع على فقرائهم فان هم اطاعوا لذلك فاياك وكرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانه ليس بينها وبين الله حجاب (مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ جلد ۱ ص ۵۵۷)**

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے معاذؓ کو یمن کی طرف (حاکم بنا کر) بھیجا تو فرمایا کہ تو ایک ایسی قوم کی طرف جا رہا ہے جو اہل کتاب ہے۔ پس تو ان کو اس امر کی شہادت کی طرف بلا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ خدا تعالیٰ کے رسول ہیں اگر وہ اس کو مان لیں یعنی اسلام قبول کر لیں تو ان کو بتلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں رات اور دن میں۔ اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو پھر ان کو بتلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو دولت مندوں سے لی جائے گی اور غرباء پر تقسیم کی جائے گی اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو پھر ان کا بہترین مال نہ لے۔ (زکوٰۃ وصول کرنے میں) مظلوم کی دعا سے اپنے آپ کو بچا اس لئے کہ مظلوم کی دعا اور خدا تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔

3. **يَسْتَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرة: ۲۱۹)**

اور وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو آپ فرمادیں کہ جو کچھ (حاجت سے) بڑھ کر ہے۔

4. **وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذاریات: ۱۹)**

اور ان کے مالوں میں سوائی اور نہ مانگنے والے محتاج کا حق تھا۔

5. **الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلاً (البقرة: ۲۶۸)**

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شیطان تم کو تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بخل کا حکم دیتا ہے اور اللہ تمہیں اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ دیتا ہے۔

6. وَأَنْفِقُوا إِمَّا زَقْنَهُمْ سِرًّا أَوْ عَلَانِيَةً يُرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ لِيُؤْفِيَهُمْ أَجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ (فاطر:

(۳۰:۲۹)

اور اس سے جو ہم نے انہیں دیا چھپ کر اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔ وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو تباہ نہیں ہوگی تاکہ وہ انہیں ان کے اجر پورے دے اور اپنے فضل سے بڑھ کر دے۔

7. خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (التوبة: ۱۰۲)

ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے لے تاہ اس سے تو انہیں پاک اور صاف کرے۔

8. عن ابی ہریرۃ قال رسول اللہ ﷺ من تصدق بعدل ثمرۃ من کسب طیب ولا یقبل اللہ الا الطیب

فان اللہ یتقبلہا بیہینہ، ثم یریبہا لصاحبہا کما یربی احدکم فلرہ حتی تکون مثل الجبل (مشکوٰۃ کتاب

الزکوٰۃ باب فضل الصدقۃ جلد ۱ ص ۵۹۴)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص پاک کمائی سے کھجور کے برابر خیرات کرے، اور خدا پاک حلال ہی کو قبول کرتا ہے، وہ اسے داسنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے اور پھر پالتا، بڑھاتا ہے خیرات کرنے والے کے لئے جس طرح کوئی اپنے بچھیرے کو پالتا ہے حتیٰ کہ وہ پہاڑ کی مانند ہو جائے۔

9. عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ما من مسلم یغرس غرسًا او یزرع زرعًا فیما کل منہ انسان او

طیر او بہیمۃ الا کانت لہ صدقۃ (مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ باب فضل الصدقۃ ص ۵۹۷)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمان درخت لگائے یا کھیتی بوئے اور اس میں سے انسان، پرند اور چرند کھائیں تو یہ بھی اس کے لئے صدقہ ہے۔

اس حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صرف انسانوں کا نہیں پرندوں کا بھی خیال فرمایا۔

3. اقتصاد:

نبی اکرم ﷺ نے گردش زر کے عمدہ اصولوں کے ساتھ دولت کے بارے میں ایک نقطہ نظر دیا۔ اسراف اور بخل کے درمیان اعتدال کی راہ سکھائی۔ قرآن پاک میں ہے:

1. وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (بنی اسرائیل: ۲۹)

2. اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول ورنہ تو ملامت کیا ہوا در ماندہ ہو کر بیٹھ رہے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

3. وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا (الفرقان: ۶۷)

اور وہ جو، جب خرچ کرتے ہیں، نہ بیجا خرچ کرتے ہیں اور نہ (موقع پر) تنگی کرتے ہیں اور (ان کا خرچ) ان (دو حالتوں) کے درمیان اعتدال پر

ہے۔

4. وَابْتَغِ الْوَعْدَ الْحَقَّ وَالسَّبِيلَ وَابْنِ السَّبِيلِ وَلَا تُبْدِرْ تَبْدِيرًا. إِنَّ الْمُبْدِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا (بنی اسرائیل: ۲۶-۲۷)

اور قریبی کو اس کا حق دے اور مسکین کو اور مسافر کو (بھی) اور بیجا خرچ کر کے (مال کو) نہ اڑاؤ۔ مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور

شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معیشت میں میانہ روی کو پسند فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الاقتصاد نصف البعیثۃ

حضرت کعب بن مالک کہتے ہیں جب میں نے اپنے کل مال کو صدقہ کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قال رسول الله ﷺ امسك عليك بعض مالك فهو خير لك قلت امسك سهي الذي بخير (بخاری باب الصدقات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مال میں سے کچھ بچا لویہ تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔ تب میں نے عرض کیا کہ خیر کی زمین میں جو میرا حصہ

ہے وہ میں نے بچا لیا ہے۔

ان اصلاحات کے ساتھ ساتھ قرضِ حسنہ اور ہمدردی و ایثار کے اصول عملی طور پر جاری کیے۔ جس سے معاشی طور پر خود کفیل ہو گیا۔ بلکہ ہر

شخص عزتِ نفس کا پاس کرنے لگا۔ لوگ اپنے اپنے حقوق کے ساتھ دوسروں کے حقوق کا تحفظ کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاشی میدان میں بددیانتی،

رشوت، لوٹ کھسوٹ اور فریب دہی کی لعنتیں ختم ہو گئیں اسی طرح معاشی جدوجہد کو خالص اخلاقی بنیادوں پر استوار کیا تاکہ کوئی انسان خود غرضی کا

شکار ہو کر اپنا جنس پر ظلم نہ کرے۔

سیاسی زندگی:

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان نے سب سے زیادہ ظلم اس وقت کیا ہے جب اسے سیاسی اقتدار ملا ہے۔ سیاسی اقتدار کے شر سے انسانوں کو تو متاثر

ہونا ہی ہوتا ہے۔ زمین، فضا، حیوانات، نباتات اور جمادات تک بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایک انسان جب دوسرے انسان کا گلا کاٹتا ہے فصلیں

تباہ کرتا ہے۔ پانی میں زہر ملاتا ہے۔ زمین کو تہہ و بالا کرتا ہے اور فضا کو مکدر کرتا ہے تو پوری کائنات اس سے پناہ مانگتی ہے۔ انسان کی مذہبی خدائی بھی

بڑی خطرناک ہے۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ خطرناک انسان کی سیاسی خدائی ہے۔ انسانیت کے سیاسی خداؤں کی فہرست بڑی طویل اور دلچسپ ہے لیکن

ایک پہلو ان سب میں مشترک ہے کہ وہ اپنی ذات کے تحفظ میں ہر ظلم، ہر زیادتی اور ہر خرابی کو صحیح سمجھتا ہے۔ عام انسان ان کے بندھنوں میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جکڑے ہوتے ہیں۔ مظلوم انسانوں کا وجود ان کی نظر التفات کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ حاکم و محکوم کی اس تقسیم نے ظلم و جور کے وہ کارنامے دکھائے ہیں کہ آدمی اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ معاہدات، بددیانتی، کمزوروں پر دراز دستی اور صلح و امن کی خلاف ورزی کی داستان اتنی ہی طویل ہے جتنی انسان کی تاریخ۔ انسان نے سیاسی استحکام و تسلط کی جتنی صورتیں تصنیف کی ہیں۔ ظلم و جور کو بڑھانے والی ہی ثابت ہوئی ہیں۔ عام انسانیت کو اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہلو پر بھی توجہ فرمائی اور اصلاح و انقلاب سے اسے نیا رنگ دیا۔ انبیاء میں غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایک تنہا شخصیت ہیں۔ جنہوں نے سیاسی انصاف و استحکام میں نمایاں کام سرانجام دیئے۔ موسیٰ، داؤد اور سلیمان کی شخصیتیں بے شک اہم ہیں لیکن ان کا کام بھی اس نہج اور اس سطح کا نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاسی زندگی میں اصولوں کا نیا رنگ بھرا ان میں چند ایک یہ ہیں:

1. حاکمیتِ خداوندی:

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ حاکم و محکوم کی تفریق غلط ہے۔ حاکم صرف اللہ کی ذات ہے اور انسان اس کا انتظامی نائب ہے۔ لہذا کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں کو محکوم بنا کر اپنا بندہ بنائے وہ مالک نہیں منتظم ہے۔ اسے خود بھی معصیتِ خداوندی سے اجتناب کرنا چاہئے اور دوسروں کو بھی معصیتِ الہی میں اپنی اطاعت نہیں کرانی چاہئے۔ کتاب و سنت میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

1. **إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ** (یوسف: ۶۷) حکم صرف اللہ کا ہے۔

2. **مَالِكِ الْمَلِكِ تَوْفِي الْمَلِكِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكِ مَنْ تَشَاءُ** (آل عمران: ۲۶)

ملک کا مالک، تو جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے۔

3. **قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ** (المومنون: ۸۸) کہہ کون ہے جس کے ہات میں ہر چیز کی حکومت ہے۔

4. **فَسُبْحَنَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ** (یسین: ۸۳) سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے۔

5. **فَأَحْكُمُوا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ** (الانعام: ۶۲) پس اللہ تعالیٰ کے لئے (جو) بلند (اور) بڑا (ہے)

6. **أَلَا لَهُ الْحُكْمُ** (المومن: ۱۲) سن لو کہ حکم اسی کا ہے۔

احادیث:

1. **اطاعة لمخلوق في معصية** (مشکوۃ۔ کتاب الامارۃ۔ فصل ثانی ص ۲۳۱) خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔

2. **قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ما من امتی ولی عن امر الناس شیئاً لم یحفظہم بما حفظ بہ نفسہ و اہلہ الا لم**

یمجد رائحة الجنة (طبرانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ میری امت میں کا جو شخص لوگوں کے معاملات میں سے کسی امر کا والی بنا پھر اس نے لوگوں کو ان امور سے نہ بچایا جن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سے اپنے آپ کو حفاظت کرتا ہے، وہ جنت کی ہوا بھی نہیں پائے گا۔

2. شوری:

دوسری اہم چیز شوری ہے یہاں کسی امیر کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اپنی مرضی اور خواہش سے احکام نافذ کرے۔ اسے احکام خداوندی کی پیروی کرنا ہوگی اور اجتہاد و استنباط اور اس کے نفاذ میں اسے مقتدر اور ذمہ دار افراد سے مشورہ کرنا ہوگا۔

1. **وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ** (الشوری: ۳۸) اور ان کا کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے۔

2. **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ** (ال عمران: ۱۵۹)

اور معاملات میں ان سے مشورہ لے۔ پھر جب پختہ ارادہ کر لے تو اللہ پر ہی بھروسہ کر۔ اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

3. **عن علي رضي الله تعالى عنه قال سئل رسول الله ﷺ عن العزم قال مشاورة اهل الرأي ثم**

اتباعهم (ابن کثیر جلد ۱ ص ۴۲۰)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عزم کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر ان کی پیروی کرنا۔

4. **عن عمر بن الخطاب قال لا خلافة الا عن مشورة** (کنز العمال جلد ۵ حدیث ۲۳۵۴ ص ۱۳۹)

مشورے کے بغیر کوئی خلافت نہیں۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔

من دعا الى امارة نفسه او غيره من غير مشورة من المسلمين فلا يحل لكم ان لا تقتلوه (ایضاً حدیث ۲۵۷۷)

جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر اپنی یا کسی اور شخص کی امارت کے لئے دعوت دے تو تمہارے لئے حلال نہیں کہ اسے قتل نہ کرو۔

آنحضور ﷺ نے حضرت علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا۔

اجمعوا العابدین من امتی واجعلوه بینکم شوری ولا تقضوا برای خاصة (روح المعانی جلد ۲۵ ص ۴۲)

میری امت کے عابد لوگوں کو جمع کر کے باہمی مشورہ کرو اور کسی ایک رائے پر فیصلہ نہ کرو۔

3. عدل وانصاف:

تیسری اہم چیز عدل و انصاف ہے۔ کسی دشمنی، کسی مفاد اور کسی خواہش کی وجہ سے اسے مجروح نہیں کیا جاسکتا۔

1. **تَعَاوُنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوُنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدَاوَةِ** (المائدة: ۳)

نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں باہم کسی کی مدد نہ کرو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

2. وَلَا يَجْرِ مَنكُم شَيْءٌ عَلَى أَنْ لَا تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى (المائدة: ۸)

اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو، یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

3. وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ لَكُمْ (النور: ۲۲)

اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کرے۔

حضور ﷺ نے ہدایت ربانی کے تحت عظیم اصول عطا فرمائے۔

1. وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ

بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحديد: ۳۵)

ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اتارا۔ اس میں شدت کی سختی ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی۔

2. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ

غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلَوْا أَوْ تَعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا

تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (النساء: ۱۳۵)

3. اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف پر قائم ہونے والے، اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو۔ گو (معاملہ) تمہاری اپنی ذات یا ماں

باپ اور قریبیوں کے خلاف ہو اگر کوئی امیر ہو یا غریب تو اللہ دونوں کا (تمہاری نسبت) زیادہ خیر خواہ ہے۔ سو تم خواہش کی پیروی نہ

کرو تاکہ عدل کر سکو اور اگر تم بیچ دار بات کرو یا (حق سے) اعتراف کرو تو یقیناً جو تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

4. إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء: ۵۸)

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کیا کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔

جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

انما هلك من كان قبلکم انہم یقیمون الحد علی الوضیع ویترکون الشریف والذی نفسی بیدہ لو فاطمة (بنت

محمد صلعم) فعلت ذلک لقطعت یدھا (بخاری ج ۸ ص ۲۶۸)

تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اس لئے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تردد رہے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے اور اونچے درجے والوں کو

چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حقوق انسانی کا تحفظ:

انسانی تاریخ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کارنامہ بے مثال ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ آج دورِ جدید میں جن بنیادی حقوق کی بات ہوتی ہے ان کی رحمتہ للعالمین نے بہت پہلے رہنمائی دے دی ہے۔ مثلاً

جان و مال کی حفاظت، عزت و ناموس کی حفاظت، شخصی آزادی کا تحفظ، عقیدے اور مسلک کی حفاظت، حق ملکیت کا تحفظ اور قانون کے سامنے تمام انسانوں کی مساوات وغیرہ۔

اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات ملاحظہ ہوں۔

قال رسول الله ﷺ من صلي صلواتنا واستقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذي له ذمه فلا تخفوني ذمة الله (بخاری باب فضل استقبال القبلة ج ۱ ص ۱۷۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمارے طریقہ پر نماز پڑھی، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلم ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ قائم ہو چکا ہے تو اللہ کے ساتھ اس کی دی ہوئی ضمانت میں دغا بازی نہ کرو۔

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

1. **فان دماءکم و اموالکم و اعراضکم حرام الی ان تلقوا ربکم کحرمة یومکم هذا** (ابن ہشام جلد ۴ ص ۲۵۰)

بلاشبہ تمہاری جان و مال اور آبرو ایک دوسرے کے لئے اسی طرح محترم ہے جس طرح آج کا یہ دن۔ حتیٰ کہ تم اللہ سے جا ملو۔

2. **کل المسلم علی المسلم حرام دمہ وماله وعرضه** (مسلم کتاب البر والصلة باب تحریم الظلم ج ۸ ص ۱۱۱، ابو داؤد ص ۳۷۲)

مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔

شخصی آزادی:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرد کو ہر قسم کے حاکمانہ جبر و استیصال سے نجات دلائی اور فرمایا:

1. **عن مقدم بن معدیکرب وابی امامة عن النبی صلعم قال ان الامیر اذا ابتغی الریبة فی الناس افسدھم** (ابو داؤد کتاب الادب باب النہی عن التنجیس ج ۴ ص ۷۵)

مقدم بن معدیکرب اور ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا، امیر جب لوگوں کے اندر شبہات کی تلاش کرے تو ان کو بگاڑ دیتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی واقعہ شخصی آزادی کے تحفظ کے لئے کافی ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عن بہز بن حکیم عن ابیہ انہ ای جدہ قام الی النبی وهو جدہ قام الی النبی وهو یخطب فقال جیرانی بما

اخذہ؟ فاعرض عنہ مرتین ثم ذکر ما شاء فقال النبی خلوا لہ عن جیرانہ (ابوداؤد کتاب الاقصیہ ج ۳ ص ۳۲۷)

بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (ان کے دادا) حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے در آنحالیکہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے انہوں نے سوال کیا کہ میرے پڑوسیوں کو کس قصور میں گرفتار کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے دو مرتبہ اس سے صرف نظر کیا تو اس شخص نے پھر کچھ کہا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔

بیٹاقِ مدینہ رائے اور مسلک کی آزادی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ پورا خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کے تحفظ کا ایک چارٹر ہے۔ ہم نے زندگی کے چند پہلو گنوائے ہیں اور ان کے متعلق بھی محدود اور مختصر معلومات پیش کی ہیں۔ آنجناب ﷺ کی ذاتِ گرامی جامع الصفات اور پوری زندگی کے لئے رحمت ہے۔ بلکہ کائنات کی ہر شے کے لئے رحمت ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کا پیغام بھی رحمت ہے۔ حقیقت میں آپ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی اور پیغام کے اعتبار سے بھی مجسمہ رحمت ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات، ذاتی اور نبوی رحمۃ للعالمین کا کامل ظہور ہے۔ یہاں ایک بات خاص طور پر قابل ذکر معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ رحمۃ للعالمین کا ظہور اس وقت ہوا جب انسان اس کامل شخصیت اور مکمل پیغام کے اہل ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے اس کی ارتقائی منازل میں اس کے فہم کے مطابق کام کیا۔ جو نہی وہ پختہ ہو گیا رحمۃ للعالمین کو پیدا کیا۔

علامہ اقبال نے غالباً اسی جانب اشارہ کیا ہے

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است

رحمۃ للعالمین انتہا است

(تخلیق، تقدیر اور ہدایت سے ابتدا ہوتی ہے اور رحمتِ نبوی سے تکمیل)

رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنی زندگی کو ایک نمونہ بنا کر پیش کیا جو مسلموں اور غیر مسلموں کے لئے رحمت ہے۔ آپ ﷺ نے تکمیلِ اخلاق کی، اور عمل کا اظہار اس طرح کیا جو حسنِ خلق، رحمت و شفقت اور ایثار و ہمدردی کے لئے ضرب المثل بن گیا۔ اپنی گزارشات کو حالی مرحوم کے اشعار پر ختم کرتا ہوں۔

مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

وہ اپنے پرانے کا غم کھانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

فقیروں کا بلجاء ضعیفوں کا ماویٰ

یتیموں کا والی، غلاموں کا مولا

بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا

خطا کار سے در گزار کرنے والا

قبائل کا شیر و شکر کرنے والا

مفسد کا زیر و زبر کرنے والا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اتر کر جرات سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کی کیا ساتھ لایا
اللهم صلّ علی محمد وآلہ واصحابہ اجمعین آمین!

حفیظ تائب

بجناب رسالت مآب ﷺ

نغمہ زاسازِ ثنا پاتا ہوں	وجد میں ارض و سما پاتا ہوں
معنی لفظ و بیاں آتے ہیں	ہم نوا روحِ نوا پاتا ہوں
والئی کشور جاں آتے ہیں	سر تسلیم جھکا پاتا ہوں
غایت کون و مکاں آتے ہیں	درِ الطاف کھلا پاتا ہوں
اُن کے اکرام ہیں بے حد و حساب	وہر ممنون عطا پاتا ہوں
ذکرِ سرکارِ مدینہ کے طفیل	تلخیوں میں بھی مزا پاتا ہوں
دھوپ جب شر کی بڑھے تو سر پر	خیمہ خیر تنایا پاتا ہوں
وادیِ شب کے کٹھن رستوں میں	اُن سے ہمت کی ضیا پاتا ہوں
دردِ جسم ہو یا روح کا روگ	ذکرِ حضرت ﷺ سے شفا پاتا ہوں
ان کے احکام بجالانے میں	میں تو اپنا ہی بھلا پاتا ہوں
خوش عمل گو نہیں خوش بخت ہوں میں	سوچنے کی بھی جزا پاتا ہوں
ہو کے گم ان کی ولا میں تائب	
چشمہ آب بقا پاتا ہوں!	

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اختر راہی (ایم۔ اے)

رسول مقبول ﷺ کی معاشی زندگی

تاریخ عالم پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات ہی وہ بے نظیر ہستی ہے جس کی زندگی کا ایک ایک گوشہ تاریخ کی روشنی میں منور ہے۔ مہاتما بدھ کی زندگی اساطیر میں الجھی ہوئی ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے بارے میں تورات و اناجیل کے غلط سلط، بے ربط واقعات کے علاوہ کچھ دستیاب نہیں اور ان واقعات کی غلطی قرآن کریم میں واضح کی گئی ہے۔ زردشت کی شخصیت کا یہ حال ہے کہ ان کے تاریخی وجود ہی پر شک کیا جانے لگا ہے۔ اس کے برعکس نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا ایک لمحہ تاریخی ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ نہ صرف نبی اکرم ﷺ کی زندگی محفوظ ہے بلکہ وہ لوگ جو ان کی زندگی کے عینی شاہد ہیں ان کی سیرت و کردار بھی صفحات تاریخ پر ثبت ہے۔ اسپرنگر نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ اس فن میں دنیا کی دوسری کوئی قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

نبی اکرم ﷺ کی سماجی زندگی میں 'معاش' ایک اہم پہلو ہے اور سیرت کی کتابوں میں بچپن سے لے کر رحلت تک کی معاشی مصروفیات کا تذکرہ موجود ہے۔ انہی تاریخی معلومات کا ترتیب سے پیش کیا جاتا ہے۔ تاہم نبی اکرم ﷺ کی معاشی زندگی کا مطالعہ کرنے سے پہلے جزیرۃ العرب کے جغرافیائی حالات پر سرسری نظر ڈال لینا ضروری ہے۔

جغرافیائی حالات:

جزیرۃ العرب سے مراد وہ پورا جزیرہ نما ہے جس کے ایک طرف بحر احمر، دوسری طرف بحر روم، تیسری طرف فارس اور جنوب میں بحر عرب ہے۔ شمال میں کہہ دستان کی پہاڑیاں اسے ترکی سے جدا کرتی ہیں اور مغرب میں نہر سویز افریقہ سے علیحدہ کرتی ہے۔

شمالاً جنوباً پورٹ سعید (العریش) سے عدن تک طول پندرہ سو میل اور شرقاً غرباً سویز سے فرات تک عرض چھ سو میل ہے۔ کل رقبہ تیرہ لاکھ مربع میل ہے۔ جزیرۃ العرب کا سارا علاقہ مسطح نہیں۔ کہیں کہیں کوہستانی سلسلے موجود ہیں۔ بڑا حصہ لقا و دق صحرا ہے۔ شمالی حصے میں شام اور سعودی عرب کا درمیانی علاقہ وسیع ریگستان ہے جسے اہل عرب "بادیہ شام" اور غیر عرب "بادیہ عرب" کہتے ہیں جنوبی حصے میں یمن، عمان اور یمامہ کے درمیان دوسرا ناقابل بود و باش بے آب و گیاہ صحرا ہے جسے 'ربع الخالی' کہا جاتا ہے۔ اس صحرا کی ایک نوک بحرین اور نجد سے گزر کر صحرائے شام میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس صحرا کا مجموعی رقبہ اڑھائی لاکھ مربع میل ہے۔

'ربع الخالی' کے جنوبی حصے میں تھوڑی سی بارش سے کچھ ہریالی ہو جاتی ہے۔ خانہ بدوش قبیلوں کے اونٹوں کا گزارہ اسی ہریالی پر ہے اور یہ قبائل سبزے کی تلاش میں سارا سال گھومتے پھرتے ہیں۔ گستاوی بان لکھتا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پیداوار اور زراعت:

”اس ملک کے خطوں کی آب و ہوا مختلف ہے۔ اس کی پیداوار بھی مختلف ہے۔ اس میں گرم اور معتدل دونوں ملکوں کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ عربستان کے شاداب خطوں میں تقریباً وہ سب میوہ جات اور غلے موجود ہیں جو یورپ میں پیدا ہوتے ہیں۔ یمن کے خطے میں زراعت خوب ہوتی ہے لیکن کاشتکاروں کو محنت شاقہ کرنی پڑتی ہے کیونکہ ہمیشہ زمین کو سیراب کرنے کی ضرورت ہے اور اس کام کے لئے بارش کا پانی کنوؤں اور حوضوں میں جمع کیا جاتا ہے۔“⁶⁷

یمن اپنی زرخیزی اور شادابی کی وجہ سے قدیم ایام سے بیرونی لوگوں کی وجہ کامرکز رہا ہے۔ بحر احمر کے ساتھ ساتھ عیسر کا علاقہ بھی سرسبز ہے یہاں کبھی کبھی بارش ہو جاتی ہے اور سبزہ اونٹوں کا چارہ بن جاتا ہے۔ نیز عیسر میں طویل کوہستانی سلسلے ’جبل السرات‘ پر کئی چراگاہیں موجود ہیں۔

معدنیات:

قدیم اقوام میں عرب کی شہرت اس کی طلائی اور نقرئی معدنیات اور خوشبواری اشیاء کی پیداوار کی وجہ سے تھی۔ یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے اپنی تاریخ میں عرب کی اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔ تورات تو ملک عرب کے سونے، چاندی اور بخورات کے ذکر سے بھری پڑی ہے۔ مثلاً ”جدعون نے ان سے کہا کہ نہ میں تم پر حکومت کروں اور نہ میرا بیٹا بلکہ خداوند ہی تم پر حکومت کرے گا اور جدعون نے ان سے کہا کہ میں تم سے یہ عرض کرتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنی لوٹ کی بالیاں مجھے دے دے (یہ لوگ اسماعیلی تھے اس لئے ان کے پاس سونے کی بالیاں تھیں) انہوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو بڑی خوشی سے دیں گے۔ پس انہوں نے ایک چادر بچھائی اور ہر ایک نے اپنی لوٹ کی بالیاں اس پر ڈال دیں۔“⁶⁸ مسلمانوں میں ابن حاکم ہمدانی (م ۲۳۰ھ) نے اپنے جغرافیہ میں معاون عرب کا کھوج لگایا ہے۔ علمائے یورپ میں برٹن⁶⁹ (Burton) نے The Gold Mines of Midian میں مدین کے طلائی معاون کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ عمان اور بحرین کے ساحلی علاقوں میں موتی نکالے جاتے ہیں⁷⁰۔

صنعت و حرفت:

شہری آبادی کی ضروریات کے پیش نظر صنعت و حرفت کا وجود ناگزیر تھا۔ اور عرب کے ہر حصے میں اعلیٰ یا ادنیٰ صنعتی اشیاء تیار ہوتی تھیں۔ تاریخ عرب میں صنعتی اشیاء پر کوئی خاص روشنی نہیں ملتی تاہم یمن کی پارچہ بانی اور جفت سازی مشہور تھی۔ چڑا رنگنے کا فن (دباغت) عہد جاہلیت ہی سے

⁶⁷ تمدن عرب ص ۹۲

⁶⁸ تضاۃ ۸: ۲۲-۲۶

⁶⁹ سرچرڈ برٹن ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوا۔ ۱۸۴۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم ہو کر ہندوستان آیا اور نیل گری پہاڑوں کی تحقیقات کیں۔ ۱۸۵۲ء میں برٹن نے درویش کے بھیس میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کی اور اپنے سفر کا احوال تین جلدوں میں لکھا۔ افریقہ، جنوبی امریکہ اور فلسطین میں بھی اس سیاح نے سفر کیا اور ہر ایک کے بارے میں مبسوط کتابیں تصنیف کیں۔ ’الف لیلہ‘ کا لفظی ترجمہ کیا جس میں بھی اس سیاح نے سفر کیا اور ہر ایک کے بارے میں مبسوط کتابیں تصنیف کیں۔ ’الف لیلہ‘ کا لفظی ترجمہ کیا جس کی وجہ سے خاصا مشہور ہے۔ ۱۸۹۰ء میں انتقال کیا (حاشیہ تمدن عرب ص ۹۹)

⁷⁰ ارض القرآن ص ۸۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تھا۔ یمن کی رنگی ہوئی کھالیں اس قدر مشہور تھیں کہ فارسی شعراء کے کلام میں بھی اس کی تلمیحات ملتی ہیں۔ کھالوں کے اعلیٰ ہونے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ستارہ سہیل جو یمن کے مقابل طلوع ہوتا ہے اس کی روشنی میں کھال کی دباغت بہت عمارہ ہوتی ہے۔ عربوں کا اہم پیشہ لوٹ مار تھا اور اس پیشے پر انہیں فخر تھا۔ اس پیشے کی وساطت سے شمشیر سازی اور نیزہ سازی کی طرف توجہ دی گئی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی نگاہ میں وہ پیشہ عمدہ خیال کیا جاتا تھا جو انہیں جنگ و جدل میں معاون ثابت ہوتا تھا۔ سبا کا پایہ تخت مآرب روئی اور کپڑے کے کاروبار کے لئے زمانہ اسلام تک مشہور تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہاں کے باشندوں پر نقد جزیہ عاید کرنے کے بجائے کپڑا ہی مقرر کیا تھا۔ اسی طرح اہل بخران پر بھی خلّوں کی صورت میں جزیہ عائد کیا گیا۔

تجارت:

جزیرۃ العرب کے آباد علاقے تمام تر ملک کے تین اطراف بحری سواحل پر واقع ہیں۔ بحرین اور عمان خلیج فارس پر، حضرموت اور یمن بحر عرب پر اور مشرق میں حجاز و مدین بحر احمر پر واقع ہیں۔ زراعت اور صنعت پسماندہ ہونے کی وجہ سے تجارت کے کاروبار کو فروغ حاصل ہوا۔ عربوں کی تجارت پر تورات اور یونانی جغرافیہ دانوں کے بیانات سے کچھ روشنی پڑتی ہے۔ ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر دو ہزار برس قبل مسیح سے برابر یہ خدمات انجام دے رہے تھے۔ عربوں کے تجارتی تعلقات ہندوستان، حبش، ایران، بابل، مصر اور یونان سے قائم تھے۔ یہ جملہ ممالک عرب کے ارد گرد اس طرح واقع ہیں کہ عرب اس دائرہ کا مرکز ہے۔ اندرون جزیرہ نما بھی تجارت ہوتی تھی۔ شام، عراق اور سعودی عرب و یمن کے درمیان بھی تبادلہ اشیاء ہوتا تھا۔

عربوں کی تجارت کا سرمایہ عموماً تین چیزیں ہوتی تھیں۔

1. کھانے کا سالہ اور خوشبودار اشیاء۔

2. سونا، جواہرات اور لوہا۔

3. چمڑا، کھالیں، زین پوش اور بھیڑ بکریاں۔

دو ہزار سال قبل مسیح جو عرب تاجر بارہا مصر جاتے تھے۔ ان کا سامان تجارت ان آیات سے واضح ہے۔

بلسان، صنوبر، لبان اور دیگر خوشبودار چیزیں۔⁷¹

حضرت داؤد علیہ السلام ایک ہزار سال قبل مسیح میں سبا کا سونا مانگتے ہیں۔⁷²

۹۵۰ ق۔ م میں حضرت سلیمان کے دربار میں ملکہ سبا جو تحفہ لائی وہ یہ تھا۔

⁷¹ مکتوبین ۷: ۳۶

⁷² زبور: ۷۲

”خوشبودار چیزیں، بہت ساسونا، بیش قیمت جواہر۔“⁷³

حضرت سلیمانؑ کی کشتیاں یمن کی بندرگاہ ادفرا سے سونالائی تھیں۔⁷⁴

دور جاہلیت میں قریش کی تجارت:

خاندان قریش کے جد امجد قصی نے تجارت کو دور دراز تک پھیلا۔ قیصر روم اور شاہ نجاشی سے قصی کے تجارتی روابط تھے۔ یمن اور بازنطینی سلطنت کے زیر اثر علاقوں میں بے روک ٹوک تجارت کی غرض سے ان بادشاہوں سے پروانے حاصل کئے۔ ابن حبیب کی روایت کے مطابق قصی کے چار بیٹے تھے اور ان میں سے تین تجارتی سفر میں فوت ہوئے۔

قرآن کریم میں قریش کے تجارتی قافلوں اور سفروں کا ذکر سورہ قریش میں ”رحلۃ الشتاء والصیف“ کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ قریش کی معاشی زندگی کا انحصار تین چیزوں پر تھا۔

1. رحلۃ الشتاء والصیف

قریش جاڑوں میں جنوب یعنی یمن کی طرف کاروان تجارت لے کر جاتے تھے اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک کا رخ کرتے تھے۔ ذی قعدہ کے مہینے میں قریش کے تجارتی قافلے واپس مکہ آجاتے تھے کیونکہ اگلے ماہ ذی الحجہ میں ان کا مکہ میں موجود ہونا ضروری ہوتا تھا۔

2. عرب میں مختلف مقامات پر بازار لگتے تھے۔ تیرہ مقامات کے نام تاریخ میں موجود ہیں یعنی ”دومۃ الجندل، مشقر، صحر، دبا، شجرہ، عدن، صنعاء، حضر موت، عکاظ، ذوالحجاز، منی، خیبر یمامہ“ مکہ کے قریب عکاظ کے موافق بازار میں قریش اپنا مال فروخت کرتے تھے:

3. محصول بدرقہ: چونکہ جزیرۃ العرب میں لوٹ مار عام تھی اس لئے نجد و حجاز سے گزرنے والے تاجر اپنی حفاظت کے لئے قریش کو محصول ادا کر کے ان سے حفاظتی دستہ حاصل کرتے تھے تاکہ قریش کے حلیف ان پر ڈاکہ نہ ڈالیں۔ کبھی دو چار قریشی نوجوان قافلے کے ساتھ ہو جاتے تھے اور کبھی قریشی نوجوان کے زیر سرکردگی غلاموں کو ساتھ بھیج دیا جاتا تھا۔

ولادت نبی اکرم ﷺ:

واقعہ فیل کے ۹۳ یا ۹۴ دن بعد نبی اکرم ﷺ قریش کے سردار عبد المطلب کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت سے تین ماہ پہلے شام کے ایک سفر سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے قریب آپ ﷺ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ وفات پا گئیں۔ نو سال کی عمر میں دادا عبد المطلب نے بھی داغ مفارقت دے دیا۔ عبد المطلب ایک خوش حال قریشی سردار تھے۔ نبی اکرم ﷺ کو والد سے ورثے کے طور پر پانچ اونٹ، دو چار اونٹنیاں اور کچھ بکریاں ملی تھیں۔ ایک باندی اُم ایمن کا ذکر بھی آتا ہے جنہوں نے آپ ﷺ کو دودھ بھی پلایا تھا مگر یہ وراثت اتنی کم تھی کہ نو

⁷³ ایام: ۹

⁷⁴ ملوک: ۹: ۲

سال کی کفالت کے لئے یہ مال کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا۔

عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کی نگرانی شفیق مگر مفلوک الحال چچا کے سپرد ہوئی۔ ابوطالب کثیر العیال تھے اور آمدنی کا کوئی معقول ذریعہ نہ تھا۔ گزر بسر کا ذریعہ محض تجارت تھی مگر تجارت کے لئے مال شرط ہے اور ابوطالب بہت غریب تھے۔ دوسروں کا مال عرب کے میلوں میں لے جاتے تھے اور مزدوری پاتے تھے۔ اس قلیل آمدنی میں بمشکل گزر بسر ہوتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے مفلوک الحال چچا کا ہاتھ بٹانے کی خاطر مزدوری پر اہل مکہ کی بکریاں چرانے کا کام کیا۔ ابوطالب کی دو چار بکریاں بھی ساتھ لے لیتے تھے۔

نوجوانی:

نوجوانی میں مکہ کے تاجروں کے ہاں مزدوری اور کبھی کبھی نفع پر کام شروع کر دیا۔ مکہ میں رواج تھا کہ تاجر موسم حج میں مال خرید لیتے تھے اور کسی دیانتدار آدمی کے ہاتھ نجد، یمن اوشام کی منڈیوں میں بھیج دیا کرتے تھے۔ اکثر مال لے جانے والے کی مزدوری پہلے ہی طے کر دی جاتی تھی اور نفع میں اس کا ہر گز کوئی حصہ نہ ہوتا تھا اور کبھی اجرت کے ساتھ نفع سے بھی کچھ حصہ دے دیا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ، سہیل کا مال دوسرے ملکوں میں لے جاتے تھے۔

۲۵ سال کی عمر تک نبی اکرم ﷺ نے اجرت پر کام کیا اور اپنی دیانت و امانت اور فرض شناسی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ ”صادق الامین“ لقب پایا۔ بہت سے لوگ آپ ﷺ کو اپنا شریک تجارت بنانے کی خواہش کا اظہار کرنے لگے۔ آپ کا شعار تھا کہ جب اپنا اور دوسروں کا مال لے کر باہر جاتے تو واپسی پر سب سے پہلے شرکاء کو منافع کی ایک ایک کوڑی کا حساب دیتے۔ جن لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ تجارت میں شراکت کی تھی۔ ان میں سے اکثر نے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ وہ ہمیشہ آپ کے حسن معاملت اور دیانتداری کی تعریف کرتے تھے۔ حضرت قیس بن سائب مخزومی ان لوگوں میں سے ہیں جو عہد جاہلیت میں آپ ﷺ کے شریک تجارت رہ چکے تھے۔ وہ آپ ﷺ کی نسبت کہا کرتے تھے کہ میں نے عہد جاہلیت میں آنحضرت ﷺ سے تجارتی ساجھا کیا تھا۔ دیانت داری اور راست بازی میں آپ ﷺ بے مثال تھے اور حساب کے معاملے میں ان کا مجھ سے کبھی جھگڑا نہ ہوا۔“

تجارت سے جو کچھ حاصل ہوتا تھا اس سے بمشکل گزر بسر ہوتی تھی۔ ابوطالب نے خدیجہ الکبریٰ اور آپ ﷺ کے نکاح کے موقع پر جو خطبہ پڑھا تھا۔ اس میں آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور شرافتِ نبی کا صریح ذکر کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ آپ ﷺ کے پاس مال و زر بالکل نہیں ہے۔ نیز ۲۵ برس کی عمر تک ناکتھار ہنا بھی بے زری کی دلیل ہے جب کہ قریش کے سولہ سترہ برس کے نوجوانوں کی شادیاں ہو جاتی تھیں۔

تجارت کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ نے متعدد سفر کیے۔ فلسطین، شام، یمن، بحرین، عمان اور غالباً حبشہ کا سفر بھی کیا تھا اور ان مقامات کی خوب سیر کی تھی۔ مدتوں بعد بھی ان علاقوں کے اہم شہروں کے نام، محل وقوع اور دیگر اہم تاریخی اور جغرافیائی معلومات آپ ﷺ کے ذہن میں محفوظ تھیں۔ نجاشی کے نام وہ مکتوب دیکھتے ہوئے جو آپ ﷺ نے جعفر طیار کے تعارف کے لئے لکھا تھا یا نبوت کے پانچویں سال حبشہ کی جانب مہاجرین کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رخصت کرتے ہوئے جو الفاظ آپ ﷺ نے ادا کیے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ حبشہ اور دربار حبشہ سے خوف واقف تھے۔ عام الوفود میں آپ ﷺ کے پاس عرب کے اکثر مقامات کے وفد آئے تو ان میں عبدالقیس کا وفد بھی تھا جو بحرین سے آیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بحرین کے اہم مقامات کا نام لے لے کر ان کی حالت دریافت کی۔ اس پر ان لوگوں کو تعجب ہوا کہ آپ ﷺ ان مقامات سے کیسے واقف ہیں؟ لیکن آپ ﷺ نے یہ بتا کر ان کی حیرت دور کر دی کہ میں نے یہ مقامات خوب دیکھے ہیں۔

سُنی زندگی:

۱۵ سال قبل نبوی میں حضرت خدیجہؓ سے نکاح کی رسم ادا ہوئی تو نبی اکرم ﷺ ان کے گھر آگئے۔ نکاح کے بعد بھی تجارت کا شغل جاری رکھا مگر نزول وحی سے تقریباً پانچ سال پہلے کاروبار دنیا سے طبیعت اچاٹ ہو گئی تھی اور تجارت کی طرف رغبت پہلے سے بہت کم ہو گئی تھی۔ صرف حج کے موقع پر معمولی لین دین کرتے تھے جس سے آذوقہ حیات حاصل ہو جاتا تھا۔ باقی وقت یاد الہی اور اصلاح معاشرہ میں گزرتے تھے۔ نزول وحی سے دو سال پہلے تو یہ حالت تھی کہ دودھ پختے کی غذا لے کر غار حرا میں جا بیٹھتے اور یاد الہی میں مشغول و منہمک رہتے تھے۔

اعلان نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ میں بسر کیے۔ مکی زندگی اگرچہ فقر و فاقہ کی زندگی نہ تھی لیکن خوشحالی کی بھی نہ تھی۔ مخالفین نے اسلام کی دعوت کو ابتداء میں نظر انداز کرنے کی کوشش کی کہ شائد یہ آواز خود بخود ہی دم توڑ دے گی مگر جب ان کا یہ خیال خام نکلا تو ترغیب و تحریر سے کام نکالنے کی کوشش کی گئی۔ مگر اصولوں پر سمجھوتہ ناممکن تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے کہہ دیا کہ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر چاند اور بائیں ہاتھ پر سورج بھی لا کر رکھ دیں تو میں اپنے مقصد حیات سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں۔ ترغیب و تحریر کی پیشکشیں ناکام ہو گئیں تو ظلم و تشدد کی چکی پوری قوت سے چل پڑی۔ صحابہ کرام پر لرزہ خیز مظالم کئے گئے۔ اس دور میں مسلمانوں کے لئے بازار میں کاروبار کرنا تقریباً ناممکن ہو گیا۔ آخر کفار نے سوشل بائیکاٹ کر دیا اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آپ کے چچا ابوطالب کو بھی محصور ہونا پڑا۔ تین سال تک یہ سوشل بائیکاٹ جاری رہا اور جب ختم ہوا تو نبی اکرم ﷺ کے پاس نہ سرمایہ تھا اور نہ پہلے سے تعلقات۔ کاروبار کی کوئی صورت نہ تھی۔ البتہ آپ ﷺ کے جائدار غلام زید موسم حج میں کچھ کام کر لیتے تھے۔

جب مشرکین مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ آپ ﷺ کے رفیق طریق حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس بہت سے دینار تھے۔ انہوں نے وہ اپنے ساتھ لئے مگر حضور ﷺ کے پاس ساتھ لے جانے کے لئے کوئی سرمایہ نہ تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کی یہ رقم مسجد نبوی کی زمین خریدنے اور مہاجرین کی آباد کاری کے کام آئی۔ مکہ معظمہ میں آپ کی کوئی غیر منقولہ جائیداد بھی نہ تھی۔ البتہ حضرت خدیجہؓ الکبریٰ کا ایک چھوٹا سا مکان تھا جس میں آپ ﷺ کا خاندان سکونت پذیر تھا اور ہجرت کے بعد نبی بی زینبؓ رہائش پذیر تھیں۔

مدنی زندگی:

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ ایک سربراہ ریاست کی حیثیت سے تھے۔ مدینہ جاتے ہی یہود کے ساتھ معاہدہ ہوا اور انہوں نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اختلافی معاملات میں آپ ﷺ کو حکم تسلیم کر لیا۔ مکہ میں نبی اکرم ﷺ کی مصروفیات کم تھیں مگر مدینہ میں آپ ﷺ حاکم تھے، سپہ سالار تھے اور عادل بھی۔ ان گوناگوں مصروفیات میں کاروبار عملاً ناممکن تھا۔ آغاز میں بیت المال کی آمدنی ضروریات کے مقابلے میں اس درجہ کم تر تھی کہ صحابہ کرام تنگ دستی سے گزر بسر کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ اور ان کے اہل و عیال عسرت کی زندگی گزار رہے تھے اور بعض اوقات کئی کئی دن چولہے میں آگ تک نہ جلتی تھی اور ایسی ہی زندگی کئی دوسرے صحابہ کی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مدینہ منورہ میں قیام سلطنت پر مہاجرین کو بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر انصار کی جاٹاری اور اولو العزمی نے جملہ مشکلات پر قابو پا لیا۔ مہاجرین کی سرگرمیاں دوبارہ عود کر آئیں۔ حضرت ابو بکرؓ کپڑے کی تجارت کرنے لگے۔ ”سلخ“ کے مقام پر ان کا کپڑے کا کارخانہ تھا۔ حضرت عمرؓ بھی تاجر تھے اور ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ بنو قینقاع کے بازار میں کھجوروں کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ عبد الرحمنؓ بن عوف پنیر بیچتے تھے۔ حضرت زبیرؓ بھی کپڑے کے تاجر تھے اور شام سے ان کا بیوپار تھا۔ اسی طرح دیگر عام مہاجرین ’بیبتغوا من فضل اللہ (الجمعة)‘ کے حکم قرآنی کے پیش نظر تجارت یا زراعت کو اپنائے ہوئے تھے۔

۶ھ میں خیبر اور فدک کی زرخیز اراضی مسلمانوں کے قبضے میں آگئی۔ بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی قبائل زرخیز اور سرسبز زمینیں چھوڑ کر گئے تھے اور ان کا ۵/۱ حصہ بیت المال میں آچکا تھا لیکن خراج اتنا کم تھا کہ ضروریات صحابہؓ کے لئے ناکافی محض تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے پاس مہمان بکثرت آنے لگے تھے۔ عرب قبائل کے وفود کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ اصحابِ صفہ کا خرچ جدا تھا اس لئے قدرے خوشحالی کے باوجود نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں عسرت برقرار رہی۔ نبی اکرم ﷺ کی جو معمولی آمدنی تھی اس میں سے بھی غریبوں اور مسکینوں کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے صحابہ کرام کو فقر و فاقہ کی زندگی بار نہ تھی۔ وہ سب نبی اکرم ﷺ کو نمونہ بنائے ہوئے تھے۔ یہی وہ تربیت تھی جس کی وجہ سے وہ کبھی بھی بادشاہوں کی پر تکلف اور انواع و اقسام کے کھانوں سے مملود عوتوں، بیش قیمت لباسوں اور شان دار مکانوں سے مرعوب نہ ہوئے۔ صحابہ کرامؓ روم و ایران کے درباروں میں فاتحانہ داخل ہوئے مگر درباروں کے ریشمی پردے، منقش قالین اور زربوہر سے لدے ہوئے تاج ان کی نگاہیں خیرہ نہ کر سے۔

ترکہ:

عمر بن الحارث جو ام المومنین حضرت جویریہؓ کے بھائی ہیں۔ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے ترکہ میں صرف ہتھیار، اپنی سواری کا چمچہ اور کچھ زمین کا ٹکڑا چھوڑا تھا اور وہ بھی صدقہ فرما گئے۔

مآخذ: ارض القرآن ج ۱-۲ (سید سلیمان ندوی) (تفسیر سورۃ ایلاف مطبوعہ ’البلاغ‘ کراچی (جون ۶۸) عہد نبوی کا نظام حکمرانی، سیاسی و شیعہ جات۔ ڈاکٹر حمید اللہ)، تمدن عرب (گستاوی بان، مترجم سید علی بلگرامی) (رحمۃ اللعالمین (قاضی سلیمان منصور پوری) سیرت النبی اول و دوم شبلی نعمانی) کتاب مقدس، فاران (سیرت نمبر)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ابو سلمان شاہجہانپوری

مطالعہ و تالیف سیرت کے چند پہلو

مطالعہ سیرت کی متعدد ضرورتیں، مختلف نقطہ نظر اور ان کی اہمیتیں ہیں۔
سب سے پہلی ضرورت تو مسلمانوں کی تعلیم و اصلاح کے نقطہ نظر سے ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی زندگی مسلمانوں کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(مسلمانو! تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی) میں بہترین نمونہ ہے۔

اور

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي

(اے نبی ﷺ!) آپ مسلمانوں سے فرمادیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو۔

کوئی مسلمان مسلمان کی حیثیت سے اسوہ حسنہ سے صرف نظر اور اتباع نبوی کی فکر سے اپنے قلب و دماغ کو بے نیاز نہیں کر سکتا۔ قرآن حکیم کے بعد آپ ﷺ کی سیرت مسلمانوں کے آئین حکمرانی، دستور مملکت اور لائحہ اعمال حیات کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ آپ ﷺ کا وجود گرامی مجسم قرآن تھا جو مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، طائف وغیرہ کے کوچہ و بازار میں کامل تینیس سال تک سیر و گردش اور نقل و حرکت میں رہا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے سائل سے پوچھا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا اس نے جواب دیا، ضرور پڑھا ہے، انہوں نے فرمایا **کان خلقہ القرآن** جان لینا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق کریمانہ وہی سب کچھ ہیں جو قرآن میں ہے۔ اخلاق یا لق کا لفظ آجانے سے کسی کو اس محدود دائرے میں سوچنا نہیں شروع کر دینا چاہئے جو اردو میں اس لفظ کے معنی کے بارے میں بتا ہے۔ اخلاق کا تعین بول چال یا تواضع یا استقبال یا نشست و برخاست کے چند معلوم ضابطوں تک محدود نہیں۔ اخلاق کا مفہوم انسان کی پوری زندگی اور اس کے تمام اعمال پر محیط ہے۔ آنحضرت ﷺ کے جو امع الکلم میں سے ایک جامع کلمہ وہ ہے جس میں بعثت نبوی کا مقصد ہی اخلاق کی تکمیل و اتمام بتایا گیا ہے۔ **انا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** میری بعثت کا مقصد تو مکارم الاخلاق کا اتمام اور تکمیل ہے۔

اس لئے مسلمانوں کے لئے سیرت طیبہ کے مطالعے کی ضرورت اور تعلیم و اصلاح کے نقطہ نظر سے اس کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ سیرت طیبہ سے زیادہ موثر کوئی ذریعہ ہدایت نہیں۔ یہ ہزاروں شکوک و ادہام کے مہلک زہر کا ایک تریاق ہے۔ حکمائے امت نے ایسے اذہان و قلوب کے لئے جن کا اطمینان و سکون، شکوک و ادہام کے ہاتھوں تباہ ہو چکا ہو یا فلسفہ و کلام کے انہماک نے برباد کر دیا ہو دار الشفائے نبوت سے رجوع اور سیرت نبویہ کے نسخہ شافیہ البیہ کے استعمال کا ہمیشہ مشورہ دیا ہے۔

شیخ عماد الدین واسطی کے انقلاب حالات کی روداد اب اردو جاننے والوں کے لئے راز نہیں رہی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ”تذکرہ“ میں اس سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پردہ اٹھا کر دروزبان کا قابلِ فخر سرمایہ بنا دیا ہے۔ مولانا نے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ فقہاء و متکلمین اور عامہ متصوفین کی صحبتوں میں رہ کر کس طرح ان کے دل کا سرمایہ یقین و طمانیت برباد ہو گیا تھا لیکن حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ایک ہی صحبت اور مطالعہ سیرت کے ایک ہی عمل صالح نے کس طرح ان کی کاپلٹ کر دی۔

بعثت نبوی تاریخ اسلام کا ایک عظیم الشان واقعہ تھا۔ آپ ﷺ کی بعثت ایک دعوت کا ظہور اور ایک امت کے قیام کا اعلان تھا۔ آپ ﷺ کی ولادت اگرچہ ایک خاص خاندان میں ہوئی، آپ ﷺ کی دعوت کے اولین مخاطب اگرچہ ایک خاص خاندان میں ہوئی، آپ ﷺ کی دعوت کے اولین مخاطب اگرچہ ایک خاص قوم کے لوگ تھے اور آپ ﷺ کی پیغمبرانہ تعلیم و تربیت کا شرف بھی اگرچہ سب سے پہلے ایک خاص خطے کے بسنے والوں کے حصے میں آیا لیکن آپ ﷺ کی بعثت نہ تو کسی خاص خاندان کے عز و شرف کا اعلان تھا، نہ آپ ﷺ کی دعوت کسی ایک قوم کے لئے مخصوص اور کسی خاص ملک تک محدود تھی۔ آپ ﷺ کی دعوت اس لئے نہ تھی کہ کوئی خاص خاندان اپنی سیادت کا نظام قائم کر کے لوگوں کی عقیدتوں اور ارادوں کا استحصال کرے آپ ﷺ کی دعوت اس قسم کے تمام نظاموں اور فلسفوں کو مٹانے اور تمام کائنات پر صرف انسانیت کے مجدد شرف کے قیام کی دعوت تھی۔ آپ ﷺ کی دعوت نے تاریخ مذاہب، تاریخ تہذیب و تمدن اور تاریخ علوم و تصنیف و تالیف میں سیرت نگاری کے ایک مستقل فن کا اضافہ ہوا اور پھر اس فن کی متعدد فروع ہیں۔ مثلاً شائکل نگاری اور نعت گوئی، ان کے اصول و آداب نگارش الگ الگ ہیں۔ پھر سیرت و شائکل نگاری اور نعت گوئی نے ادب و شعر کی مختلف اصناف کو کس کس طرح متاثر کیا۔ یہ تحقیق و مطالعہ کا ایک الگ موضوع ہے۔

(۲)

سیرت طیبہ کے مطالعے کے یہ تین خاص نقطہ نظر ہیں۔ جہاں تک پہلے نقطہ نظر کا تعلق ہے، وہ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے لیکن دوسرے نقطہ ہائے نظر یعنی تاریخی و علمی اور ادبی، ایسے ہیں جس میں ہر مذہب اور ہر ملت کے اصحاب علم اور اہل قلم شامل ہیں اور انہوں نے سیرت و نعت کے لٹریچر میں بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ اب ہم سرسری طور پر اس امر پر بحث کریں گے کہ مختلف نقطہ ہائے نظر سے سیرت میں کس قسم کے لٹریچر کی موجودہ دور میں ضرورت ہے۔

انسان مختلف زبانیں بولتا ہے، مختلف نسلوں سے تعلق رکھتا ہے، مختلف طبقوں میں بٹا ہوا ہے، زمین کے مختلف ٹکڑوں اور جغرافیائی دائروں میں رہتا ہوتا ہے، وہ مختلف پیشے اختیار کرنے پر مجبور ہوا ہے، اس میں اصناف کے لحاظ سے تقسیمیں ہیں یعنی مرد، عورت، عموں کے لحاظ سے تفاوت ہیں۔ یعنی بچے، جوان اور بوڑھے۔ پھر یہ تمام لوگ نہ علم میں یکساں ہوتے ہیں اور نہ ذہنی و فکری سطح سب کی ایک ہوتی ہے۔ ان واقعی، غیر واقعی، حقیقی یا مصنوعی تقسیموں اور تفریقوں نے ان کے مزاج، ان کے شوق، ان کے ذوق، ان کے میلان اور ان کی نفسیات میں زمین و آسمان کا فرق پیدا کر دیا ہے۔ پھر یہ بھی ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ ہر زمانے کے لوگوں کی ذہنی استعداد اور اخذ و قبول کی صلاحیت یکساں نہیں ہوتی، حالات کی تبدیلی کے ساتھ لوگوں کا ذوق و رجحان تبدیل بھی ہوتا رہتا ہے اور ذہنی و فکری استعداد میں بھی تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ نئے نئے مسائل سامنے آتے ہیں اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

انداز فکر تبدیل کر دیتے ہیں۔

ان تغیرات و تبدلات اور اختلافات و تنوعات میں وہی لٹریچر کامیاب ہوتا ہے جس میں وقت کے رجحان و ذوق کی تسکین کا خیال رکھا گیا ہو۔ وہ لٹریچر جس سے قاری کے ذوق و رجحان کی تسکین اور اس کی زندگی کے حل میں جس سے مدد ملتی ہو، اس کے اثرات دل کی گہرائیوں میں نہیں اُتر سکتے۔ پہلے ادوار میں انقلابات و تغیرات کی رفتار بہت سست ہوتی تھی، اس لئے ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے وقتوں میں تصنیف و تالیف کے میدان میں جو کارنامے انجام دیئے، انہوں نے صدیوں تک لوگوں کے ذہن و فکر کو مسحور رکھا لیکن موجودہ سائنسی دور میں دنیا ایک ایسے مقام پر پہنچ گئی ہے جہاں ماضی سے اس کا رشتہ صرف تاریخی باقی رہ گیا ہے اور مزاج، نفسیات، ذوق، رجحان اور زندگی کے مسائل اور ان کے حل کے طریق، انداز فکر غرضیکہ ہر لحاظ سے یہ ایک بالکل نئی دنیا ہے اور چونکہ انقلابات و تغیرات کی رفتار بھی تیز ہو گئی اس لئے ذہن و فکر اور رجحان و طبائع میں تبدیلیاں بھی جلد جلد ہونے لگی ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ تعلیم و اصلاح کا کوئی ایک اسلوب سب کے لئے اور ہمیشہ کے لئے مفید نہیں ہو سکتا اگر ہم تعلیم و اصلاح کے مقاصد میں مخلص ہیں تو ہمیں سوچنا پڑے گا کہ آج کے دور میں ہم کیا اسلوب اختیار کریں کہ ہماری کوششیں بے نتیجہ ثابت نہ ہوں۔

مسلمان اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے ہیں، محمد ﷺ ابن عبد اللہ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں (ﷺ) اور انہیں یہ عقیدہ رکھنے کا ہر طرح حق ہے لیکن جب وہ اپنے اس عقیدے کا اظہار کرتے ہیں کہ اسلام کی دعوت تمام ملکوں اور تمام قوموں کے لئے اور ہمیشہ کے لئے ہے اور جب وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں تو گویا وہ دنیا کو چیلنج کرتے ہیں اور دنیا کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ اسلام کے داعی اور اسلام کی تعلیمات کو حقیقت و تاریخ کی کسوٹی پر پرکھے اور دیکھے کہ وہ اپنے عقیدے اور دعوے میں کتنے سچے ہیں؟ لیکن جب ہم دنیا کو اس طرح چیلنج کرتے ہیں تو کیا ہمارے اوپر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ ہم دنیا کے مختلف لوگوں کے لئے، مختلف زبانوں کے جاننے والوں کے لئے ان کی زبانوں میں وقت کے تحقیقی و تصنیفی معیار کے مطابق، علمی انداز میں، زبان و بیان کے معیاری اسالیب میں، عقیدت و ارادت کے رسمی و روایتی اسلوب سے مختلف انداز میں حقائق کو پیش کریں اور سیرت کے مطالعے میں غیر مسلم محققین کی رہنمائی کریں اور ان کے سامنے نظر و بصیرت اور ادب و تحقیق کا اتنا بڑا سرمایہ فراہم کر دیں کہ ان کی آنکھیں خیرہ اور عقلیں مبہوت ہو کر رہ جائیں۔ اردو زبان کا دامن سیرت نبوی پر محققانہ سرمائے سے تہی ہر گز نہیں بعض چھوٹے چھوٹے رسائل اس پائے کے ہیں کہ دوسری زبانوں میں ان کی نظیر و مثیل نہیں اور ان کی علمی و تحقیقی حیثیت بڑی بڑی تصنیفات پر بھاری ہے، لیکن یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ:

1. برصغیر پاک و ہند کی مخصوص آبادیوں اور خطوں میں تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کی اصلاح و تربیت میں اردو زبان کی اہمیت سے انکار نہیں

تاہم

a. برصغیر کے تمام دیار و امصار اور تمام قوموں میں تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و تعلیم و تربیت کے لئے صرف اردو ہی کافی نہیں۔

b. دنیا کی علمی اور بین الاقوامی زبان اردو نہیں، انگریزی، جرمنی اور فرنچ وغیرہ ہیں۔

2. مستشرقین اور مناظرین کے جواب میں نہایت بلند پایہ سرمایہ جمع ہو چکا ہے لیکن یہ مثبت علمی و تحقیقی انداز میں نہیں ہے، مناظرانہ جوابی اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مدافعانہ انداز بیان میں ہے۔

3. ہر زمانے میں علم و تحقیق اور تصنیف و تالیف کا ایک خاص معیار ہوتا ہے اردو میں سیرت کا لٹریچر عام طور پر موجودہ زمانے کے علمی معیار پر پورا نہیں اترتا۔

(۳)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم و اصلاح اور غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ کے لحاظ سے کون سے اسالیب و معیار اختیار کیے جائیں جو وقت کے تقاضوں کے مطابق بھی ہوں اور نتیجہ خیز بھی۔ میرا خیال ہے کہ موجودہ زمانے میں سیرت کے موضوع پر تصنیف و تالیف میں مسلمانوں کی تعلیم و اصلاح یا دنیا میں سیرت کی دعوت و تبلیغ ہر دو مقاصد کے لحاظ سے چند امور کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔

چنانچہ دعوت و تبلیغ کے مقاصد کے نقطہ نظر سے ضروری ہے کہ:

1. سیرت کے جب مباحث میں مستشرقین نے کوئی ایسی بات کہی ہے جو حقائق کے خلاف ہے یا وہ جہاں کسی بات کی کُنہ تک نہیں پہنچ سکتے ہیں، وہاں ان کے اعتراض یا عدم رسائی کے ایک ایک پہلو کو ملحوظ رکھا جائے لیکن انداز بیان مدافعانہ کے بجائے مثبت اور دعوتی ہو۔ مناظرانہ، جوابی اور تنقیدی و الزامی انداز بیان اختیار نہ کیا جائے۔

2. آج کی علمی دنیا میں تحقیق اور تصنیف و تالیف کا جو انداز و معیار ہے ہماری ہر پیشکش اس معیار کے مطابق ہو۔

3. ہماری تمام تصانیف و تحاریر وقت کی معیاری اور نکسالی زبان (جو زبان بھی ہو) اور معروف و مستند اسلوب میں ہو۔

4. جو کچھ پیش کیا جائے قیدت کے اسلوب کے بجائے علم و فن کی زبان میں ہو۔ ہمارے نزدیک عقیدت کا یہ معیار ہرگز نہیں کہ زبان کا ایک خاص لب و لہجہ اختیار کر لیا جائے، بلکہ نہایت زور اور قوت کے ساتھ یہ ثابت کر دینا اصل عقیدت ہے کہ ہمارے قبول و اختیار کی بنیاد حقیقت اور صرف حقیقت ہے، رسوم و روایات اور محض آباد پرستی نہیں۔

مسلمانوں کی تعلیم و اصلاح اور تعمیر سیرت کے نقطہ نظر سے ان امور کو خاص خیال پر ملحوظ رکھا جائے۔

1. مختلف طبقات کی سیاسی، سماجی اور کاروباری زندگی کے پیش نظر ان کی نسیات، ان کی ذہنی استعداد کے مطابق سیرت کا لٹریچر چھوٹی و بڑی کتابوں کے مختلف سلسلوں میں ہو۔

2. بہت ہی آسان، شستہ اور معیاری زبان میں ہو۔

3. ادب کے معروف اسالیب و اصناف میں ہو۔

4. اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تواتر و تسلسل کے ساتھ ہو۔

ان تبدیلیوں کے بغیر کوئی ذہنی، فکری اور دیر پا انقلاب پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ درحقیقت ہمارے پیش نظر مقصد، سیرت پڑھادینے اور چند معروف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

و مشہور باتوں کو رٹا دینے کے بجائے سیرت کی تعمیر ہونی چاہئے اور سیرت کی تعمیر اس وقت ہو سکتی ہے جب تبدیلی کا جوش اندر سے پیدا ہو نہ کہ بیرونی دباؤ سے۔

(۴)

یہاں ہم ایک غلط فہمی کے امکان کو بھی رفع کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ آج مسلمانوں کی تعلیم و اصلاح، غیر مسلموں میں اسلام اور سیرت نبوی کی عورت اور مقاصد دینی و ملی کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقت کے معیاری اور معروف اسالیب بیان کی ضرورت ہے تو ہمارے سامنے ادب کے وہ دلچسپ اور محبوب عوام لٹریچر نہیں ہوتا جو عشقیہ ناولوں، فحش افسانوں، عریاں ڈراموں، ہیجان اور فلمی گانوں اور جنسی مناظر کی عکاسی پر مشتمل ہوتا ہے اور گلی کوچوں میں بک اسٹالوں اور کرائے کی لائبریریوں میں ملتا ہے۔ بلکہ سب سے پہلے سامنے وہ اسالیب ادب آتے ہیں جن کی طرف قرآن حکیم نے ہمارے رہنمائی کی ہے۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعلیم و اصلاح کے لئے کوئی ایک ہی اختیار نہیں کیا بلکہ مختلف طبقات، ذہن و فکری مختلف سطح اور اخذ و قبول کی مختلف استعداد رکھنے کے لئے مختلف اسالیب کو اختیار کیا گیا ہے مثلاً:

- عام طور پر سیدھا سادا صاف بیانیہ انداز اختیار کیا گیا ہے اور دعوت پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ پیش کر دینے کے بعد انسانی ذہنوں اور دماغوں سے توقع کی ہے کہ وہ اسے حق سمجھ کر قبول کر لیں۔
- لیکن جن کی ذہنی و فکری سطح بلند تھی ان کے لئے ہر جگہ وہ عام اور متعارف اسلوب ہی نہیں بلکہ اشارت و اجمالی انداز بیان سے بھی کام لیا گیا ہے۔
- کہیں انعام و اکرام کے تذکرے اور اجر و ثواب کے بیان سے عمل صالح کا شوق دل میں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔
- جہاں اخذ و قبول حق کی استعداد کم تھی وہاں ان کو ان کے برے اعمال کے نتائج بد اور عذابِ آخرت سے ڈرایا گیا ہے۔
- کسی کو سمجھانے کے لئے تمثیلی پیرایہ بیان اپنایا۔
- متعدد مقامات پر لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لئے کہانی (قصہ) کا اسلوب بھی اختیار کیا۔
- کہیں تذکیر بایام اللہ سے کام لیا اور گزشتہ قوموں کے واقعات کی طرف توجہ دلائی۔
- کہیں سیر فی الارض کو سبق آموزی کا ذریعہ بنایا۔
- اصحابِ نظر و تدبر کو غور و فکر کرنے اور عقل و بصیرت سے کام لینے کی دعوت دی اور عقلی و منطقی انداز میں اعمال کے عواقب و نتائج کی طرف توجہ دلائی ہے۔

قرآن حکیم کی اس رہنمائی کے ساتھ بلاشبہ ہمارے سامنے مختلف زبانوں کے اس اعلیٰ پائے کے لٹریچر کی مثالیں بھی موجود ہیں، جن سے اس زبان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مطالعہ و تالیف سیرت کے چند پہلو

کے بولنے والوں کے ذہنوں میں انقلاب پیدا ہو گیا ہے، جن سے لوگوں کی قسمتیں بدل گئی ہیں، جن سے قومی سیرت کی تعمیر کا کام لیا گیا ہے، جن سے قوموں کی غلامی کی زنجیریں توڑنے اور آزادی کے حصول اور قوموں اور ملکوں کی تعمیر و ترقی میں ایک قوتِ محرکہ کا کام لیا گیا ہے۔ اور پھر نظم و نثر کے جن اسالیب کو اپنانے اور اختیار کرنے کی ہم دعوت دیتے ہیں وہ کوئی ایجاد و اختراع نہ ہوگی بلکہ اردو میں ہی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ انہیں زیادہ خوش اسلوبی کے ساتھ اور سائنٹیفک طریقے پر اپنایا جائے۔

حافظ نذر احمد پرنسپل شبلی کالج لاہور

سرورِ کائنات کی حیاتِ طیبہ

ماہِ دو سال کے آئینے میں

حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو تاریخ کے نقطہ نظر سے تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- قبل بعثت : اعلانِ نبوت سے پہلے کی چالیس سالہ کمی زندگی
مکی زندگی : بعثت (نزلِ وحی) کے بعد تیرہ سالہ کمی زندگی
مدنی زندگی : ہجرت کے بعد دس سالہ مدنی زندگی۔

اس مضمون میں حضور ﷺ (فداہ ابی و امی) کا ایک ادنیٰ امتی بھی حیاتِ طیبہ کو انہی ادوار میں تقسیم کر کے سیرۃ النبی ﷺ کے اہم واقعات کی نشاندہی کر رہا ہے۔ ظاہر ہے چند صفحات میں اس لذیذ حکایت کا بیان اور وہ بھی ایک انتہائی محدود معلومات کے طالب علم سے ممکن نہیں۔ اس لئے محض تلخیص اور اشارات پر اکتفا کیجئے۔

راقم نے پہلی بار ۱۹۴۱ء میں ایک بڑے کیلنڈر سائز چارٹ میں سیرۃ النبی ﷺ سن وار پیش کی تھی۔ اس میں چند وضاحتی نقشے بھی دیئے گئے تھے۔ اس کے دس سال بعد پوری حیاتِ طیبہ کا نقشہ (بقید سنین) ایک مضمون کی صورت میں مرتب کیا جو ہفتہ وار قندیل، لاہور کی اشاعت ۲ جنوری ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔

اب پھر تیس (۲۳) سال بعد برادرِ مکرم خواجہ عبدالمنان راز صاحب کے ارشاد کی عمیل میں اپنی ممکنہ معلومات کو از سر نو 'محدث' میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اس طویل مدت میں اس پاکیزہ موضوع پر متعدد کتابیں زیرِ مطالعہ آئیں جن سے استفادہ کیا گیا۔ خصوصاً یہ چار کتابیں سنین کی ترتیب و تطبیق میں بہت مفید ثابت ہوئیں۔

(۱) تقویم ہجری و عیسوی۔ مرتبہ ابو النصر محمد خالدی صاحب (عثمانیہ) (۲) تقویم تاریخی (قاموس تاریخی) مرتبہ جناب عبدالقدوس ہاشمی۔ مرکزی ادارہ تحقیق اسلامی کراچی (۳) واقعات سیرت نبوی میں توقیتی تضاد اور اس کا حل۔ سلسلہ مقالات / مولینا اسحاق النبی علوی۔ رام پوری (مطبوعہ برہان دہلی ۱۹۶۴ء) (۴) جذب القلوب از حضرت شیخ عبدالحق محدث۔

شجرہ نسب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

والد ماجد اور والدہ ماجدہ دونوں کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک

ولادتِ باسعادت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۲ ربیع الاول ۱۵۱۱ھ (عام الفیل) ۲۲ اپریل ۵۷۱ء

۱۸ ردی ۴۰ نو شیروانی۔ یکم جیٹھ ۶۲۸ بکرمی شمسی۔ ۲۰ ماہ ہفتم ۲۵۸۵ ہجری

۱۱ ماہ ہشتم ۳۶۷ طوفانی بروز دوشنبہ۔ صبح صادق کے وقت

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا

دعائے خلیل اور نوید مسیحا

پیدائش سے چند ماہ قبل ہی والد ماجد جناب عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ گویا دنیا میں دُرّ یتیم بن کر آئے۔

عمر مبارک	سنہ ہجری	سنہ عیسوی شمسی	واقعات
۱-۲	۵۱-۵۰ قھ (عام الفیل)	۵۷۱-۵۷۳	ساتویں دن دعوتِ عقیقہ، چند دن والدہ ماجدہ حضرت آمنہ اور ام ثویبہ کا دودھ پیا۔ اس کے بعد جناب حلیمہ سعدیہ کی رضاعت اور مکہ مکرمہ سے باہر قبیلہ سعد میں قیام۔
۳	۴۹ قھ	۵۷۳-۵۷۴	رضاعت کی مدت ختم ہوئی۔ حلیمہ سعدیہ مکہ مکرمہ لے آئیں۔ مکہ مکرمہ میں ایک وبائی بیماری پھیلی ہوئی تھی اس لئے واپس لے گئیں۔
۴-۵	۴۸-۴۷ قھ	۵۷۴-۵۷۵	جناب حلیمہ سعدیہ کے پاس قبیلہ سعد میں قیام۔ واقعہ شق صدر۔ والہی مکہ مکرمہ والدہ ماجدہ کے پاس۔
۶	۴۶ قھ	۵۷۶-۵۷۷	والدہ کے ہمراہ تنہائی قبیلہ بنو نجار روانگی۔ مدینہ منورہ میں والد ماجد کی قبر پر گئے۔ والہی سفر میں ابوا کے مقام پر والدہ ماجدہ کا انتقال اور ماں کے سہارے سے بھی محرومی۔ ام ایمن کنیز کے ہمراہ مکہ مکرمہ کو واپسی۔
۷	۴۵ قھ	۵۷۷-۵۷۸	دُرّ یتیم بوڑھے دادا عبدالطلب کی کفالت میں۔
۸	۴۴ قھ	۵۷۸-۵۷۹	دادا کا ۸۲ سال کی عمر میں انتقال۔ لویہ سہارا بھی اٹھ گیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۱-۹	۲۳-۲۱ ق	۵۷۹-۸۲	کثیر العیال چچا ابوطالب کی کفالت و نگرانی۔ عرب کے دستور کے موافق بھیڑ بکریاں چرانے کا مشغلہ، مستقبل کی قیادت کے لئے گلہ بانی کی تربیت۔
۱۲	۴۰ ق ھ	۵۸۲-۸۳	چچا ابوطالب کے ہمراہ شام کا سفر تجارت۔ بحیرہ راہب سے ملاقات۔
۱۳	۳۹ ق ھ	۵۸۳-۸۴	عرب کے تمام قبیلوں کی ہمہ گیر جنگ (حربِ فجار) لیکن حضور اکرم ﷺ اپنے قبیلے کی شرکت کے باوجود قتل و غارت گری سے جدا رہے۔ بین القبا ئلی معاہدہ امن (حلف الفضول) میں شرکت۔
۲۴-۱۲	۳۸-۲۸ ق	۵۸۴-۹۵	گلہ بانی کے علاوہ چھوٹی موٹی تجارت۔ دوسروں کے سرمایہ سے مشارکت کے انداز میں تجارت اور مختلف مقامات کے تجارتی سفر۔ مکہ معظمہ کی ایک معزز پاکدامن، امیر خاتون حضرت خدیجہؓ کے مال سے مشارکت کے انداز میں کامیاب تجارت۔
۲۵	۲۷ ق ھ	۵۹۵-۹۶	چالیس سالہ، پاکدامن، معزز بیوہ خاتون حضرت خدیجہؓ سے اُن کی تحریک پر نکاح۔ نہایت کامیاب اہلی زندگی۔ تجارت (مختلف اوقات میں سفر شام، بصری، یمن، بحرین) خدمتِ خلق کے کام۔ الصادق، الامین کے لقب سے شہرتِ عام۔
۳۵	۷ اق ھ	۶۰۵-۶	تعمیر کعبہ، اس کام میں شرکت، حجرِ اسود کے خوفناک تنازعہ کو نبٹایا اور دستِ مبارک سے اسے نصب فرمایا۔
۳۹-۳۶	۱۶-۱۳ اق ھ	۶۰۶-۱۰	خلوت پسندی کا دور، زیادہ وقت جبلِ نور کی بلندیوں پر غارِ حرا میں۔
	بعثت (آغازِ وحی)		
۴۰	۱۲ ھ	۶۱۰	۹ ربیع الاول ۱۲ اق ھ ۲ فروری ۶۱۰ غارِ حرا میں پہلی وحی کا نزول۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

محرم راز حضرت خدیجہؓ نے تصدیق کی۔ عیسائی عالم ورتہ بن نوفل نے نبوت کی گواہی دی۔ چپکے چپکے احباب کو دعوتِ اسلام کا آغاز۔			
اہل خاندان کو کھانے پر بلا کر باقاعدہ دعوتِ اسلام۔ حضرت خدیجہؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن حارثہؓ اولین مسلم۔ مکہ مکرمہ کی صفا پہاڑی پر تمام اہل مکہ کو اسلام کی عوت۔ کفارِ مکہ، اور قریش کے سرداروں کی طرف سے مخالفت کی شدت، غلام اور کمزور مسلمانوں پر شدید مظالم۔ خصوصاً حضرت بلالؓ، حضرت عمرؓ، حضرت یاسرؓ، حضرت خبابؓ ان کے تحت مشق رہے۔	۱۵-۶۱۱ء	۱۱-۸ قھ	۴۱-۴۴
کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ کو پہلی ہجرت، حضرت عثمانؓ کی زیر سرکردگی ۱۲ مرد ۴ خواتین کی روانگی۔	۱۶-۶۱۵ء	۷ قھ	۴۵
حضور ﷺ کے چچا حضرت امیر حمزہؓ کا قبولِ اسلام حضرت عمرؓ (خاکم بدہن) قتل کرنے نکلے مگر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔	۱۷-۶۱۶ء	۶ قھ	۴۶
ہجرت حبشہ ثانی۔ حضرت جعفر طیارؓ کی زیرِ سرکردگی ۸۳ مرد اور ۱۸ خواتین اسلام کی روانگی، نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ کا ایمان افروز خطاب۔	۱۸-۶۱۷ء	۵ قھ	۴۷
شعب ابی طالب میں محاصرہ و نظر بندی کا مصائب انگیز زمانہ۔ فقر و فاقہ اور مقاطعہ کا ہولناک دور۔	۲۰-۶۱۸ء	۳-۴ قھ	۴۸-۴۹
بعض نیک دل افراد کی مداخلت کے ذریعہ شعب ابی طالب سے رہائی۔ حضرت خدیجہؓ کا انتقال پُر ملال۔ دوماہ بعد جناب ابو طالب کی وفات۔ ان پُر درد حادثات کے باعث یہ سال ”عام الحزن“ بن گیا۔	۲۰ء	۲ ق عام الحزن	۵۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

طفیل بن عمرو سردار قبیلہ دوس کا قبولِ اسلام۔ حضور اکرم ﷺ کا سفر طائف۔ ۲۷ رجب کو معراج النبی ﷺ۔			
قبائل میں تبلیغِ اسلام۔ حج کے موقع پر مکہ کے ۱۶ افراد کا قبولِ اسلام (بیعت عقبہ اولیٰ)	۲۲-۶۲۱ھ	۱۱ھ	۵۱
دوسرے سال ۱۲ مکی افراد کا قبولِ اسلام (بیعت عقبہ ثانیہ) ہجرت کی غرض سے مدینہ منورہ کو ۳۷ مرد و ۲۰ خواتین اسلام کی روانگی۔ ۱۲ نقیب تبلیغِ اسلام کے لئے روانہ ہوئے۔ ۳ ربیع الاول۔ ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء کو حضور کا سفر ہجرت مع صدیق اکبرؓ		آغا بھجری	۵۲
	مدنی دور		
قبائیں چند روزہ قیام اور مسجدِ قبا کی تعمیر۔ حضور ﷺ کی مدینہ منورہ میں آمد اور مسجدِ نبوی کی تعمیر۔ اذان کی ابتداء۔ آنحضرت ﷺ نے بنفسِ نفیس پہلا خطبہ جمعۃ المبارک ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ کے محلہ بنی سالم میں دیا۔ مدینہ کے انصار اور مکے کے مہاجرین کے درمیان مواخاۃ۔ مدینہ منورہ میں آباد اور ارد گرد کے یہودی قبائل سے امن اور دوستی کا معاہدہ (میثاقِ مدینہ)۔ مدینہ منورہ میں پہلے مسلمان بچہ عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت۔ غزوہ ابواء اور دوسرے غزوات۔ ایک غزوہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کفار کی طرف پہلا تیر پھینکا۔	۲۳-۶۲۲ء	۱ھ	۵۲
ایک سال میں ۱۱ چھوٹے بڑے غزوات و سرایا۔ ۱۴ رمضان المبارک کو غزوہ بدر (پہلا معرکہ سحر و باطل)۔	۲۴-۶۲۳ء	۲ھ	۵۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

روزہ اور زکوٰۃ کی فرضیت۔ پہلی نماز عید ادا ہوئی۔ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی۔ حضرت فاطمہؓ کا حضرت علی مرتضیٰؓ سے نکاح۔ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کا انتقال۔ یہودی قبیلہ بنی قینقاع کا مدینہ سے اخراج۔			
غزوہ سویق غزوہ غطفان اور تین دوسرے غزوات ۳ شوال کو غزوہ احد حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے حضرت امام حسنؓ کی پیدائش۔	۶۲۴-۲۵ء	۳ھ	۵۵
دوسرے یہودی قبیلہ بنو نضیر کی غداری اور مدینہ سے اخراج۔ شراب کی حرمت کا حکم۔ حضرت امام حسینؓ کی پیدائش۔ ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ اور حضرت فاطمہ والدہ حضرت علیؓ کا انتقال۔	۶۲۵-۲۶ء	۴ھ	۵۶
غزوہ احزاب (غزوہ خندق) بنو قریظہ یہود کے تیسرے آخری قبیلہ کا اخراج چاند گرہن (خسوف) تین دوسرے غزوات	۶۲۶-۲۷ء	۵ھ	۵۷
نجد کے حاکم اور دومتہ الجندل کے سرداروں کا قبولِ اسلام عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ کو روانگی مگر کفار کی مزاحمت بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ	۶۲۷-۲۸ء	۶ھ	۵۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نماز استسقاء پہلی بار ادا ہوئی غزوہ غابہ اور تین دوسرے غزوات سورج گرہن (کسوف) حضرت ابو ہریرہؓ کا قبولِ اسلام			
خیبر اور طائف کی فتح ذکرِ قبضہ پہلی بار مدینہ منورہ سے عمرہ کی ادائیگی ام المومنین حضرت صفیہؓ کا حضور اکرم ﷺ سے نکاح۔ مختلف ممالک کے حکمرانوں اور بادشاہوں کے نام دعوتِ اسلامی کے خطوط: شاہ حبشہ، شاہ بحرین، شاہ عمان اور غسان قبیلہ کے حاکم کا قبولِ اسلام۔ دمشق اور عامیہ کے حاکم کا انکار۔ شاہِ قسطنطنیہ اور شاہِ اسکندریہ کا اظہارِ احترام۔ شاہِ ایران نے گستاخی سے نامہ مبارک چاک کر ڈالا۔	۶۲۸-۲۹ء	۵۷ھ	۵۹
مکہ مکرمہ کی فتح مبین اور مکمل غلبہٴ اسلام قبولِ اسلام کے لئے بے تابانہ ہجوم غزوہ موتہ غزوہ حنین حضرت ابراہیمؑ بن رسول اللہ کی پیدائش حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ کی وفات	۶۲۹-۳۰ء	۵۸ھ	۶۰
(عام الوفود) مختلف قبائل کے وفد مختلف اطراف سے قبولِ اسلام کے لئے مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ قحطانی قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔ امتناعِ سود کا واضح حکم نازل ہوا۔	۶۳۰-۳۱ء	۵۹ھ	۶۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

غزوہ تبوک حضرت ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ کا بے مثال مالی ایثار۔ منافقین کی مسجدِ ضرار کی تباہی۔ نجاشی بادشاہ حبشہ کی وفات اور نمازِ جنازہ غائبانہ۔			
جہۃ الوداع کی ادائیگی اور تاریخی خطبہ جہۃ الوداع کا اعلان۔ مکمل دین کی آیت کا نزول۔	۳۲-۶۳۱ء	۱۰ھ	۶۲
دیارِ روم کے لئے حضرت اسامہؓ کے لشکر کی تیاری۔ مرض الموت، سفر آخرت کی تیاری۔ ۱۲ ربیع الاول۔ بروزِ دو شنبہ ۶۳ سال کی عمر میں وصال	۶۳۲ء	۱۱ھ	۶۳

اخترِ راہی

تعارف و تبصرہ کتب

نام کتاب :	شمال رسول ﷺ
مؤلف :	شیخ یوسف بن اسماعیل بنہانی
مترجم :	محمد میاں صدیقی
صفحات :	۱۶۰
قیمت :	۶ روپے
ناشر :	المعارف۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

نبی ﷺ کے عادات و اطوار سے متعلق کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ امام محمد بن عیسیٰ ترمذی نے ’الشمال‘ میں جملہ روایات جمع کر دی ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی عاداتِ حسنہ پر روشنی ڈالتی ہیں۔ زیرِ نظر تالیف بھی شمالِ نبوی ﷺ کی عکاسی ہے۔ مؤلف نے امام ترمذی کی درج کردہ تمام روایات نقل کی ہیں مگر ذوقِ زمانہ کے پیشِ نظر ترتیب بدل دی ہے نیز اسناد حذف کر دی ہیں۔ مؤلف نے کتاب کو زیادہ جامع اور منفرد بنانے کے لئے دوسری مستند کتابوں سے بھی اخذ و اقتباس کیا ہے اور بجاطور پر ’شمالِ رسول‘ اپنے موضوع پر جامع اور منفرد ہے۔

کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے: (۱) نسب، اسماء شریفہ۔ (۲) خلیہ مبارک۔ (۳) لباس اور ہتھیار۔ (۴) کھانا، پینا اور سونا (۵) اخلاق و عادات (۶) عبادت، ذکر و شغل۔ (۷) مختلف احوال، دعائیں، نصائح (۸) علاج، عمر شریف، مرض الموت، وصال۔

فاضل مترجم کا اندازِ بیان واضح، سلیس اور پُر اثر ہے۔ ترجمہ پن کا قطعاً احساس نہیں ہوتا۔ چند ناموں کی کتابت غلط ہوئی ہے مثلاً ص ۱۶ پر مدارِ رسول کعب بن زہیر کو کعب بن زبیر لکھ دیا گیا ہے اس طرح ص ۲۲ پر بوسیری کے بجائے ”ابو صیری“ رقم ہے جو درست نہیں۔

فاضل مؤلف نے روایات کے اخذ و اقتباس میں خاصی احتیاط برتی ہے تاہم ان کا یہ لکھنا بے اصل ہے ”نبی علیہ السلام نور، چاند یا سورج کی روشنی میں جب چلتے تو آپ ﷺ کا سایہ نہیں پڑتا تھا، ایسی ضعیف اور بے اصل روایت سے کتاب کا دامن پاک ہوتا تو زیادہ اچھا تھا۔

آج اُمتِ مسلم تنزل اور اخلاقی گراؤ کے جس مرحلے پر ہے اس میں صرف نبی اکرم ﷺ کا اسوہ ہی باعثِ نجات و فلاح بن سکتا ہے۔ ایسی کتابیں ہر نوجوان کے زیرِ مطالعہ رہنی چاہئیں تاکہ نئی نسل کی زندگی اسوہِ محمدی کی آمینہ دار ہو۔ کتاب کے آخر میں اشاریہ شامل ہے۔ جس سے کتاب کی قدر و قیمت دوچند ہو گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نام کتاب :	موت کا منظر مع مرنے کے بعد کیا ہو گا۔
مؤلف :	خواجہ محمد اسلا
صفحات :	۳۸۴
قیمت :	جہیز ایڈیشن ۱۰ روپے
ملنے کا پتہ :	ادارہ اشاعتِ دینیات، سعید منزل، ۱۸۷۔ انارکلی۔ لاہور۔

آپ نے دنیا میں رونادھونا تو بہت سنا ہو گا کہ عادات بگڑ گئے، اطوار بدل گئے، اخلاقی حالت درست نہ رہی، معاشرہ بہت خراب ہو گیا اور ان چیزوں کی اصلاح کا دعویٰ لے کر کھڑے ہونے والے بھی بہت سے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کسی ماہر طبیب کے پاس کوئی مریض آکر میسوں تکلیفیں بیان کرتا ہے لیکن طبیب حاذق ان سب عوارضات کے پیچھے اصل مرض کی تلاش کرتا ہے اور اس کی بیخ کنی میں کوشاں رہتا ہے۔ اسی طرح یہ روحانی اور اخلاقی امراض بھی بیان کرنے میں تو بہت ہیں لیکن سب امراض کی اصل خُبنِ اللہ، (اللہ اور بندے کا باہمی رابطہ) کی کمزوری یا انقطاع ہے۔ اس لئے تمام امراض کی اصلاح کا طریقہ باقی تعلقات کو توڑ کر اس رابطہ کو مضبوط کرنا ہے جس کی واحد صورت یہ ہے کہ انسان کو دنیا کی بے ثباتی اور فنا کا احساس دلایا جائے اور اس طرح فکرِ آخرت پیدا کر کے باقی (اللہ) سے جوڑا جائے۔ کل انبیاء ہر قسم کے معاشرے میں پہلا کام یہی کرتے رہے اور صلحاء سب سے پہلے موت کو یاد کرتے رہے کہ یہ آخرت کی پہلی گھاٹی ہے۔

ہمارے دوست خواجہ محمد اسلام صاحب آف کھڈیاں کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی ہے کہ انہوں نے فرد اور معاشرہ کو اللہ کے راستہ پر لگانے کے لئے اصل مرض کی نشان دہی کر کے صحیح علاج تجویز کیا ہے اور یہ کتاب لکھ کر ایک اہم فریضہ سرانجام دیا ہے۔ کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ہے (۱) موت کا منظر (۲) احوالِ برزخ (۳) احوالِ یوم القیامہ (۴) احوالِ جہنم (۵) جنت کے نظارے (۶) ایمان پر اخلاقی جرائم کا اثر (۷) علاماتِ قیامت (۸) سچے موتی۔ خواجہ صاحب نے اس موضوع کو قرآن کریم کی آیات، احادیثِ رسول ﷺ بزرگانِ دین کے تفصیلی اقوال اور واقعات سے ایسے انداز اور سلیقہ سے پیش کیا ہے کہ انسان محسوس کرتا ہے کہ سب کچھ اس کے سامنے رہا ہے۔ البتہ یہ بہتر ہوتا کہ جملہ اقوال اور واقعات کی تخریج کر دی جاتی تاکہ نصیحت حاصل کرتے وقت استنادی حیثیت مشتبہ نہ ہوتی۔ کتاب، طباعت اور گیٹ آپ کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ معیار کی حامل ہے۔

طاہر شادانی

سکھائے تو نے محکوموں کو آداب جہانبانی

کیا شاہوں کو آگاہ مقام بندگی تو نے	دیا اپنے غلاموں کو شکوہ قیصری تو نے
مرے آقا ﷺ بدل ڈالا مزاج خسروی تو نے	سکھائے تو نے محکوموں کو آداب جہانبانی
چمن زارِ محبت کو عطا کی تازگیوں نے	تو آیا باغِ عالم کے لئے ابرِ کرم بن کر
وہ نعمت کون سی ہے جو زمانے کو نہ دی تو نے	زمانے بھر میں چرچا ہے تری دریائوالی کا
سیہ کاروں کو دی کردار کی تابندگی تو نے	تو اُتر روح کی گہرائیوں میں نورِ جاں بن کر
کہ اپنے دشمنوں پر بھی نگاہِ لطف کی تو نے	تری ذاتِ گرامی مصدرِ اخلاق و احساں ہے
دیا انساں کو فطرت کا پیامِ آخری تو نے	تو ختم المرسلین ﷺ ہے، رحمۃ للعالمین ﷺ بھی ہے
افق سے تافق پھیلائی حق کی روشنی تو نے	تو آیا ظلمتِ شب میں پیامِ صبح نولے کر
کہ اپنے نام لیواؤں کو دی ہر برتری تو نے	گدائی تیرے در کی فرسٹانی سے بہتر ہے
بڑھائی اپنی صُوء سے آب و تاب زندگی تو نے	ہے تو خیر البشر ﷺ، تولاج ہے تقویم احسن کی
عطا ان کو کیا وحدت کا نورِ سرمدی تو نے	بھٹکتے پھر رہے تھے جو ظلامِ کفر و باطل
ہو اپنے طاہر سخروں پہ اب چشمِ کرم یارب	
ہمیشہ کی ہے اہل درد کی چارہ گری تو نے	

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسرار احمد سہاروی

ہستی بے مثال ﷺ

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ بید بیضاداری!

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تہاداری!

یہ شعر وصفِ نبی ﷺ کے بارے میں انتہائی بلیغ سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی مدحتِ رسول کا قرار واقعی حق ادا نہیں کرتا۔ کیونکہ رسالتِ مآب کی بہت سی خصوصیات ایسی ہیں جو کسی دوسرے نبی میں نہیں پائی جاتیں اسے آپ آنحضرت کی بے مثالیت کہہ لیں یا کچھ اور نام دے دیں۔ بہر حال یہ ہیں آپ کی ذات کے ساتھ ہی مخصوص۔ کہیں اور آپ کو یہ کیفیت نظر نہیں آتی۔ گویا فضیلتِ نبوت کی آپ معراجِ کمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ ”تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ“ یعنی رسولوں میں بھی ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اس اعلان کا منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ایک نبی ایسا بھی ہونا چاہئے کہ جس پر کسی کو فضیلت حاصل نہ ہو اور ایسے نبی محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ ہمارے اس دعوے کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ آپ خاتم الانبیاء بھی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آیا اور نہ قیامت تک آئے گا گویا آپ کی ذات میں تکمیلِ نبوت ہو گئی۔ ہر کمال کے بعد زوال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مصلحت نے نبوت کو زوال سے بچانے کے لئے اسے ابد الابد تک کے لئے معدوم قرار دے دیا تاکہ زوال کے عیب سے بے نیاز ہو جائے۔ چنانچہ اس کمالِ دین اور منتہائے نبوت کے بارے میں ارشاد فرمایا ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا“ یعنی آج کے دن دینِ انسانیت مکمل کر دیا گیا اور یہ نعمتِ عظمیٰ اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ ظاہر ہو گئی اور انسان کے لئے اسلام دین کے طور پر اللہ تعالیٰ نے پسند فرمالیا۔ کی ہم نبوت کی تاریخ میں کوئی ایسا نہیں پاتے ہیں جس کو ساری انسانیت کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہو اور جس پر نبوت کا خاتمہ کیا گیا ہو۔ اور جس کو خود اللہ تعالیٰ نے یہ سند دی ہو کہ آج دین کی نعمت کی تکمیل کر دی اور اب اس میں ابد تک کوئی اضافہ نہ کیا جائے گا۔ حضرت یعقوب بیہود کے لئے مبعوث ہوئے۔ حضرت موسیٰ بھی یہود کے نبی مقرر ہوئے۔ حضرت عیسیٰ کی ملت بھی مخصوص رہی۔ ایک خاص علاقے کے لئے تھے اور ایک مخصوص دور کے لئے۔ ان حضرات کی نبوت زمان و مکان کی حدود میں مقید تھی لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت قیدِ زمان و مکان سے ماوراء ہے۔ اب وہ ہر ملک، ہر ملت اور ہر دور کے لئے راہنما ہے، یہ نبی کریم ﷺ کی عدیم المثلّی ہے۔

اب دوسری مثالِ معجزے کی لے لیں۔ دوسرے تمام انبیاء کو جو معجزات دیئے گئے وہ وقتی تھے اور غالباً اس کی مصلحت یہ تھی کہ ان کا مشن بھی وقتی تھا اور خاص حلقے کے لئے تھا۔ ہر دور اور ہر ملت کے لئے نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کو یید بیضا کا معجزہ عطا ہوا یا ان کا عصا سانپ بن گیا یا دریائے نیل ان کے لئے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ یہ سب وقتی چیزیں تھیں جن کا اثر و قوعے کے بعد ختم ہو گیا۔ یہی حال حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کا تھا کہ اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کر دینا، حضرت عیسیٰؑ کی زندگی تک تھا اور خاص حلقے تک محدود تھا ان کے بعد ان چیزوں کا اثر ختم ہو گیا۔ یہاں یہ بات یاد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رکھنے کی ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰؑ کو کتابیں بھی دی گئیں لیکن یہ کتابیں معجزہ بنا کر پیش نہیں کی لیکن نہ تو خود ان کتابوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ہماری حیثیت ایک معجزے کی ہے اور نہ ان انبیاء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہماری یہ کتابیں معجزے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ کو جو معجزہ عطا ہوا وہ قرآن کریم ہے ایک تو یہ قرآن ابدی کتاب ہے خود خدا نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، فرمایا **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ** یعنی ہم نے ہی یہ 'ذکر' نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔" اس کے علاوہ بھی کئی دوسری آیات میں یہ ذمہ لیا گیا ہے اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ آج تک قرآن میں ایک لفظ کی بھی تبدیلی ممکن نہیں ہو سکی ہے اور دوست و دشمن سب اس قرآنی خصوصیت کو تسلیم کرتے ہیں اور یہی اس بات کا بھی واضح ثبوت ہے کہ یہ کتاب آخری کتاب اور اس کی شریعت آخری شریعت اور اس کا حامل نبی آخری نبی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خود قرآن نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں ایک معجزے کی حیثیت سے نازل ہوا ہوں اگر کسی میں ہمت ہے تو میری مثال پیدا کر کے دکھائے فرمایا: **"فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ** یعنی اگر تم خیال کرتے ہو کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے تو تم سب مل کر ایک سورت ہی ایسی لکھ لاؤ۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ قرآن کا یہ چیلنج آج بھی ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کے بعد اسی طرح اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمان اور متنبی وغیرہ نے کوشش کی لیکن خود ان کے حامیوں نے ہی ان کی ہفوات کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور آج ان کا کہیں نام بھی سننے میں نہیں آتا۔ صرف تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ گویا معجزہ بھی آپ کو لاثانی ہی عطا فرمایا گیا۔

امت کے لحاظ سے اگر آپ نبی کریم ﷺ کی ذات پر نظر ڈالیں تو فوراً احساس ہوتا ہے کہ اس باب میں بھی کوئی آپ کا مد مقابل نہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس امت کا دین کامل اور اکمل ہے۔ دوسرے یہ کہ ابدی ہے اب اس میں کسی بنیادی تبدیلی کا امکان نہیں۔ یہ ایک بہت بڑا شرف ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دو بڑی خصوصیات بیان کی ہیں ایک تو یہ ہے کہ یہ امت اپنی نوعیت اور کیفیت کے لحاظ سے 'امت وسط' ہے یعنی اس کی زندگی کے اصول و قوانین درمیان کاراستہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں افراط و تفریط سے بچاتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں دنیا کے جتنے ادیان پر آپ نظر ڈالیں فوراً یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ اکثر معاملات میں وہاں افراط و تفریط کی قباحت نظر آتی ہے یعنی توازن و اعتدال غائب ہے مثلاً عیسائیت کہتی ہے کہ زندگی مردود ہے اسے ترک کرو اور رہبانیت اختیار کرو کیوں کہ اس کی ابتداء ہی گناہ سے ہوئی ہے لیکن اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ زندگی گناہ کا ثمر نہیں۔ حضرت آدمؑ و حواؑ کا گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا تھا بلکہ رسول کریم ﷺ نے واضح طور پر فرما دیا **لَا رَحْبَا بَيْنَهُ فِي الْإِسْلَامِ** یعنی اسلام میں رہبانیت اور ترک دنیا کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اگر ترک دنیا اور ترک حیات کا جواز ہو تازنگی پیدا ہی کیوں ہوتی پھر تو تخلیق کائنات ایک عبث فعل ہو جاتا ہے۔ اسلام نے دین و دنیا میں توازن اور اعتدال قائم کیا ہے۔ دنیا کو مزرعۃ الآخرت کہا۔ خود کشی اور خود آزاری کو حرام قرار دیا۔ بلکہ قرآن کریم میں جو بہترین دعا شمار کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ: **رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ** یعنی اسے رب ہمارے ہمیں دنیا کا بھی حسن عطا فرما اور دین کا بھی گویا حسن زندگی کے حصول کے بارے میں دین و دنیا کو ہم پلہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ رسول کریم نے اپنی ایک حدیث میں اسی میانہ روی اور اعتدال کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ **خَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا** یعنی کام میانہ روی اختیار کرنے سے بہترین طریقے پر انجام پاتے ہیں۔ اسی قسم کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اختصار کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خاطر نظر انداز کرتے ہیں دوسری خصوصیت اللہ تعالیٰ نے اس امت کی یہ بیان کی کہ یہ بہترین اُمت ہے اور اس کا سبب یہ بیان فرمایا کہ یہ دنیا میں نیکی کی علمبردار ہے اور لوگوں کو برائی سے روکتی ہے۔ ”كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ“ گویا امر بالمعروف و انہی عن المنکر اس امت کا فرض قرار پایا۔ یہاں یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ بہترین اُمت ہونا غیر مشروط نہیں اگر یہ اپنا فریضہ ادا کرے گی تو بہترین امت قرار پائے گی اور اس کی افادیت سے سرفراز ہوگی لیکن اگر اپنا فریضہ انجام نہیں دیتی تو سنتِ خداوندی یہی ہے کہ لَئِنْ سَأَلْتُمْ لَنَنْسَاكُمْ إِلَّا مَا سَعَىٰ یعنی انسان کو وہی کچھ حاصل ہوتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ امت فرض سے روگردانی کرے۔ بد اعمال اور کم حوصلہ ہو۔ نہ اعلائے کلمۃ الحق کرے اور نہ امر بالمعروف کا فریضہ انجام دے اور خدا کے نزدیک پھر بھی بہترین امت اور اس کی محبوب بنی رہے۔ یہ ممکن نہیں۔ یہ تصور یہودیوں کا تو ہے لیکن اسلام کا تصور امت یہ نہیں ہے۔ قرآن کریم نے صاف کہہ دیا ہے کہ تم بہترین اُمت ضرور ہو لیکن صرف اس وقت تک جب کہ اپنے فرائض منصبی کو ادا کرتے رہو۔ اور فرائض انسان قرآن کریم نے بنیادی طور پر تین ہی مقرر فرمائے ہیں۔ یعنی عبادت، خلافت اور اعمالِ صالحہ ان سے بے نیازی تباہی کی علامت ہے۔

اب آخر چند جملے اس انقلاب کے بارے میں عرض کر دوں جو نبی کریم نے انسانی معاشرے میں برپا کر دیا تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اب اس ضمن میں بھی لاثانی ہی قرار پاتے ہیں۔ انقلاب کا اندازہ کرنے کے لئے اس سے پہلے کے حالات زیر نظر ہونا ضروری ہیں۔ مختصر آئیے کہ دنیا میں ہر جگہ ہر مذہب میں شرک کا دور دورہ تھا۔ اخلاقی اقدار ختم ہو چکی تھیں۔ شراب، جوا، بدکاری، غارت گری شرافت کا معیار بن گئی تھیں۔ غلاموں کو ذبح کر دینا، بھوکے شیروں کے سامنے ڈال دینا، آپس میں لاکر مروادینا ایک کھیل تماشہ تھا۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا ایک عام رواج تھا۔ وحشیانہ جنگ و جدال۔ انتقام کا نہ ختم ہونے والا چکر روز مرہ کا معمول تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی تلقین نے آفاقاناً ان تمام عیوب کو پہلے عرب معاشرے سے ختم کر دیا اور بعد میں یہ روشنی اسلام کے مجاہدوں اور جانبازوں نے تمام دنیا میں پھیلا دی۔ عرب سے کم از کم ان تمام برائیوں کا خاتمہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا۔ اس کے مقابلے میں آپ دوسرے انبیاء کی زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ یہودی صدیوں تک اپنے انبیاء کو پریشان ہی کرتے رہے بلکہ اکثر کو قتل کر دیا اور ہمیشہ کتابوں میں تحریف کرتے رہے۔ اخلاقی اور معاشرتی قوانین سے بغاوت ہی کرتے رہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ان کے قسیس اور رہبانوں نے جو کچھ کیا وہ سب کو معلوم ہے۔ یہاں تک ان کے ایک ایک حواری نے ہی ان کو گرفتار کر ادیا۔ اور عیسائیت کی تبلیغ بھی حضرت عیسیٰؑ کے صدیوں بعد ہی ممکن ہو سکی۔ چنانچہ یہ دعویٰ غلط نہیں کہ نبوت کے لحاظ سے آپ کی کوئی مثال نہیں۔

آفاقہا گردیدہ اُم
مہربتاں درزیدہ اُم
بسیار خوباں دیدہ اُم
لیکن تو چیزے دیگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نظر زیدی

حُب رسول ﷺ کے تقاضے

قرآن پاک اور مستند احادیث کی رو سے تو یہ بات ثابت ہے ہی کہ رحمتِ دو عالم، نبی برحق حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی کو محبوب جاننا ایمان کا حصہ ہے، خالص مادی نقطہ نظر سے بھی یہ بات بہت ضروری ہے۔

شرافت کا یہ لازمی وصف ہے کہ اگر کسی نے کسی قسم کا ادنیٰ سا احسان بھی کیا ہو تو نہ صرف اس احسان کا اعتراف کیا جائے بلکہ اپنے محسن کے احترام و اکرام میں کسر نہ رکھی جائے۔ اور جب یہ بات ضروری ٹھہری تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ جس محترم ہستی کے صدقے میں ہمیں دین اور دنیا کی بے شمار برکتیں حاصل ہوں۔ ہمارے سینے ایمان کے نور سے منور ہوئے، ہمارے دماغ ﷺ کو علم کی روشنی میسر آئی اور جس کے پسینے کی خوشبو اور مبارک پیشانی سے بہتے ہوئے لہو کے رنگ نے اس خاکدانِ تیرہ کو نسلِ انسانی کے رہنے اور بسنے کے قابل بنایا۔ اس کے لئے ہمارے دلوں میں محبت نہ ہو!

یقیناً وہی شخصِ پاک اور سچا مسلمان ہے جس کا دل افضل النبیاء ﷺ کے عشق کی چنگاری سے منور ہو چکا ہے۔ جس دل میں یہ نور نہیں آتا وہ کسی اور نور کے اکتساب کے قابل بن ہی نہیں سکتا البتہ اس سلسلے میں یہ سوال بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اس مقدس محبت کی علامت اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟

کیا یہ کہ انسان ایک خاص قسم کی وضع قطع اختیار کر لے اور اس کے اٹھنے بیٹھنے اور رہنے سہنے کے خاص انداز ہوں! یا یہ کہ اخلاق و عادات اور اعمال و افعال کے لحاظ سے اس کی زندگی ایک ایسے سانچے میں ڈھل جائے کہ اس کی بات بات سے سیرت رسول ﷺ کی خوشبو آئے!

قومی تشخص اور حُب رسول کا تقاضا یقیناً یہ بھی ہے کہ انسان کی شکل و صورت اور وضع قطع ایسی ہو جیسی آقائے دو جہان ﷺ کی تھی، لیکن سچ یہ ہے کہ اس سے زیادہ ضروری بات اس اندازِ فکر اور لائحہ عمل کو اپنالینا ہے جسے اسلام کا فلسفہ زندگی کہا جاتا ہے کیونکہ قرآن کی رو سے انسان کا اصل لباس اس کا تقویٰ ہے۔ یا کم از کم یہ بات تو بہر حال ضروری ٹھہرتی ہے کہ جو شخص وضع قطع میں مسلمان ہو اس کے کردار اور سیرت میں اسلام کے اصولوں کی جھلک اور چمک بھی ضرور نظر آنی چاہئے۔

ہم سب اس بات سے آگاہ ہیں کہ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی تعداد ستر اور اسی کروڑ کے درمیان ہے اور خدا کے فضل سے یہ پورے کرہ ارض پر پھیلے ہوئے ہیں۔ پانچوں براعظموں اور معلوم جزائر میں سے شاید ہی کوئی بڑی بستی ایسی ہوگی جہاں کوئی کلمہ گو تو آباد نہ ہو گا لیکن اسی قوم کے اثر و اقتدار کا یہ حال ہے کہ یہ ہر جگہ کافروں اور مشرکوں کو دنبیل اور اکثر معاملات میں ان کی دست نگر ہے، جب کہ قرونِ اولیٰ میں جب توحید کے علمبردار طوفانی لہروں کی طرح روئے زمین پر پھیل گئے تھے اور کوئی طاقت ان کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکی تھی ان کی گنتی چند لاکھ سے زیادہ نہ تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آخر ہم کیوں خائب و خاسر اور وہ کیوں سر بلند و کامگار تھے؟ یقیناً اس لئے کہ وہ حب رسول ﷺ کے تقاضوں سے پوری طرح آشنا تھے اور قرآن کی تعلیمات ان کے رگ و ریشے میں اس طرح رچ بس گئی تھی کہ وہ اپنے محبوب رسول کے کسی حکم سے بھی انحراف نہ کرتے تھے۔

جب ان سے کہا گیا خدائے واحد کے سوا تمہارا سر کسی کے سامنے نہیں جھکنا چاہئے تو پھر یہ تو ہوا کہ ظلم کی تلواروں نے ان کے سرتن سے جدا کر دیئے مگر یہ کبھی نہ ہوا کہ بہ رضا و رغبت ان میں سے کسی کا سر غیر اللہ کے سامنے جھک گیا ہو۔

جب ان سے کہا گیا۔ شرک کے علاوہ زنا، جوا، شراب نوشی، جھوٹ، غیبت، عیب جوئی، اتہام تراشی، چوری، دختر کشی اور ایسے ہی تمام اعمال قبیحہ سے تائب ہو جاؤ اور پھر کسی صورت میں بھی ان کے قریب نہ جانا تو وہ ایسے طاہر و مطہر ہو گئے کہ شاید فرشتوں کو بھی ان کے تقدس اور طہارت پر رشک آتا ہو گا۔

جب ان سے کہا گیا خاندانی غرور، نسل اور رنگ کا فخر، طاقت کا نشہ، دولت کی مستی، آپس کا بیر اور نار و نفرت سب ترک کر دینے کے قابل ہیں۔ رنگ و نسل اور زبان کے اختلاف کے باوجود جو شخص مسلمان ہو جائے وہ تمہارا بھائی ہے اور تمہارے سگے عزیزوں میں سے جو کوئی اس راہ ہدایت کو نہ اپنائے وہ تمہارے لئے غیر ہے تو ان کی بستیاں امن کا گوارہ اور ان کے قلوب محبت و مروت کی دنیا بن گئے۔

جب ان سے کہا گیا، خدا کی زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کرنے اور مظلوموں کو ظالموں کے ظلم سے نجات دلانے کے تلوار لے کر جہاد کے لئے نکلنا تو وہ اس سچ و صمیم اور جوش و جذبے سے میدانِ و غا کی طرف بڑھ گئے۔ کہ نہ مال و دولت اور جائیدادوں کی محبت ان کے پیروں کی زنجیر بن سکی۔ نہ جان کا خطرہ ان کے لئے خطرہ بنا اور نہ طاقتور دشمنوں کا خوف ان پر غالب آسکا۔ وہ جملہ عروسی میں عروسِ نو کو چھوڑ میدانِ کارزار میں آگئے اور انہوں نے جنت کی باغوں کی ٹھنڈی چھاؤں اور آبِ خنک کے شوق میں دامن کی کھجوریں فرشِ خاک پر پھینک دیں۔

جب ان سے کہا گیا اللہ کے لئے اپنا وطن چھوڑ کر دیارِ غیر کو اپنا وطن بنالو اور اپنے ان رشتہ داروں سے قطع تعلق کر کے جن کا خون تمہاری رگوں میں گردش کر رہا ہے ان لوگوں کو اپنا بھائی اور عزیز تصور کرو جن سے اتحادِ فکر و خیال کے سوا تمہارا کوئی رشتہ نہیں تو دنیا نے دیکھا بلال حبشی سلمان فارسی اور صہیب رومی رضی اللہ علیہم اجمعین نجیب الطریفین قریش کی محفلوں میں زانو سے زانو ملا کر بیٹھے ہیں اور ابو لہب اور ابو جہل جیسے قریشی سردار لعنت لے مستحق ٹھہرائے گئے۔

یہ سب کچھ کیوں ہوا نہ صرف اس لئے کہ یہ احکام انہوں نے اپنے اس محبوب پیغمبر ﷺ کی مبارک زبان سے سنے جسے وہ اپنی جانوں، اپنے اموال اور اپنی آل و اولاد سے زیادہ محبوب جانتے تھے۔ خدا کو تو انہوں نے دیکھا ہی نہ تھا۔

اور جب ہزار خوبیوں کی یہ خوبی اور ہزار برکتوں کی یہ برکت ان کی زندگی پر سایہ فگن ہوئی تو بادشاہوں کے تاج ان کے قدموں میں ڈال دیئے گئے اور انہیں پوری زمین کا وارث بنادیا گیا۔ اس کروفر کے ساتھ کہ تمام انسانی بستیوں کے فیصلے ان کی منشا کے مطابق طے پاتے تھے۔

ان مقدس لوگوں کے مقابلے میں جو ہر لحاظ سے خلافتِ ارضی کے مستحق تھے ہمارا حال کیا ہے؟ کہ یہ نہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہر حکم کو ڈھٹائی سے توڑتے ہیں اور قریب قریب ہر معاملے میں بغاوت کا علم بلند کیے ہوئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں انتہائی شرمناک صورت یہ ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کہ عمل کے میدان میں ان حضرات کا حال بھی قوم کے جہلا سے مختلف نہیں جو حبِ رسول ﷺ کے دعویدار اور اسلام کو اپنا اوڑھنا بچھونا ثابت کرنے پر اصرار کرنے والے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں دنیا کی محبت اور مال و دولت کی حرص سے دامن بچانے کا حکم دیا اور ہمارا حال یہ ہے کہ بعض حالات میں ہم نے حبِ رسول کے دعویٰ تک کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ہم تک قرآن مجید کا یہ روشن اور واضح حکم پہنچایا۔ کہ اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھامے رکھنا اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ لیکن ہم موت اور تباہی کو اپنے سروں پر مسلط دیکھ کر بھی آپس کی سر پھٹول سے باز نہیں آتے۔ ہم نے دین کی سب سے بڑی خدمت ہی اسی بات کو سمجھ رکھا ہے کہ ایک دوسرے کو بے آبرو کریں اور کافر قرار دے کر اس کے درپے آزار ہو جائیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے جہاد کے احکام ہم تک بھی اسی طرح پہنچائے ہیں جس طرح اپنے زمانے کے مسلمانوں کو پہنچائے تھے لیکن ملی طور پر ہمارا حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان اُمتیوں سے بھی بدتر ہے جنہوں نے کہہ دیا تھا۔ جاؤ و اتیرا خدا ہی جہاد کرے۔ ہمیں اپنے اموال یہودیوں سے زیادہ عزیز اور اپنی جانیں زخموں سے زیادہ پیاری ہیں۔

اللہ کے سچے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہمیں حق شناسی، انصاف نیک چلنی اور ایمان داری کا حکم دیا ہے لیکن ہم نے ہر بے ایمانی اور بد چلنی کو اپنے لئے جائز اور ہر اچھائی کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ ہماری بستیوں میں جوئے خانوں، عصمت فروشی کے اڈوں، نشہ بازوں کے تکیوں اور لہو و لعب میں مبتلا رہنے والوں کی محفوں کی کس قدر کثرت ہے، اور ہم رشوت جھلسازی کذب و افترا اور دوسرے کبائر پر کس قدر دلیر ہو گئے ہیں! بلا مبالغہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے متقی بھی جب بات کرتے ہیں تو ان کے منہ سے فساد کی بو اور عناد کی سڑاند آتی ہے۔

ہم نے مقدس قرآن اور اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث میں معانی و مفہوم سمجھنے کی حد تک اس قدر تحریف کر لی ہے۔ کہ نہ کوئی برائی ہمارے ایمان کے لئے خطرہ بنتی ہے اور نہ کسی آلودگی سے ہمارے تقویٰ کا لباس میلا ہوتا ہے۔ ہم وحشی جانوروں کی طرح ایک دوسرے پر غراتے ہیں اور ڈاکوؤں اور چوروں کی طرح ایک دوسرے کا حق تلف کرتے ہیں۔ یہ سب کیوں ہے؟ یقیناً اس لئے کہ ہم نے حبِ رسول ﷺ کے حقیقی مفہوم کو بھلا کر ایک خود ساختہ مفہوم اپنا لیا ہے۔ اپنے اعمال و افعال اور اقوال کو قرآن و حدیث کے مطابق بنانے کی جگہ ہم صرف اپنے زبانی دعووں اور قولی عبادات کو تو حبِ رسول ﷺ کی نشانی خیال کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم اوہام کے اس گنبد سے باہر نکل کر قرآن اور حدیث کی روشنی میں حبِ رسول کے تقاضوں کو سمجھیں اور نورِ محمدی کی مقدس مشعلیں لے کر انسانی بستیوں کو روشن کر دیں، دوسروں کا کیا ذکر خود ہماری آبادیاں اور ہمارے اپنے بچے اس روشنی کو ترس رہے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حمید اللہ خاں نیازی (ایم۔ اے)

انسانی تاریخ کا حیرت انگیز معجزہ

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کلہ ولو کره المشرکین (التوبہ) (کتنی بلند و بالا ہے وہ ذات جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا کہ وہ اسے زندگی کے تمام نظاموں پر غالب کر دے خواہ اس کا یہ کام نظام حق کے منکروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے اس آیت مبارکہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت کا مقصد صرف کسی ایک شعبہ میں اصلاح کرنا نہ تھا بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر خدائی ہدایت کے مطابق کرنا تھا۔ چنانچہ عہد رسالت کی تاریخ کا مطالعہ صاف صاف واضح کرتا ہے کہ آپ نے افکار و نظریات، اعتقادات و عبادات، اخلاق و معاملات، معیشت و سیاست، تہذیب و معاشرت الغرض زندگی کے ہر شعبہ اور ہر حصہ میں انقلابی اور اصلاحی تبدیلیاں کیں، ۱۵،۲۰ سال کی مختصر مدت میں مٹھی بھر جاں نثاروں کے پُر خلوص تعاون سے ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست جس کی آبادی بمشکل چھ سات ہزار ہوگی پورے عرب کو چیلنج کرتی ہے۔ ہر قسم کی جاہلیت کے مقابلے میں ایک پاکیزہ معاشرہ ابھرتا ہے اور انسانی تہذیب و تمدن کا نمونہ تیار ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ جس کی بنیادیں خدا خونی، ایثار و قربانی، خلوص و محبت، پاکیزگی اور شرافت پر رکھی گئی ہیں۔

لوگ نہ صرف سیاسی نظام کے تابع ہوئے بلکہ ذہنی اور نظریاتی طور پر تبدیل ہوئے۔ جمی ہوئی جاہلانہ قدریں تیزی سے اکھڑنا شروع ہو گئیں۔ اخلاق بدل گئے، جذبات میں اعتدال، اعتقادات میں خلوص و پاکیزگی سیاست میں عدل و انصاف اور معیشت میں توازن پیدا ہو گیا۔

جاہل، اجڈ اور منتشر مخلوق خدا رسالت کے جھنڈے تلے جمع ہوئی اور علم و شعور اور ایمان و ایقان کی دولت سے بہرہ ور ہو کر بے مقصد اور فضول زندگی چھوڑ کر با مقصد اور مفید زندگی سے بہرہ ور ہوئی اور ان میں بحیثیت مجموعی سوچنے کا ایک نیا انداز پیدا ہوا۔ ان کی صدیوں کی عداوتیں باہمی محبتوں میں تبدیل ہو گئیں۔ اگرچہ عرصہ ہائے عرصہ کی طوائف الملوکی ختم کر کے انہیں ایک سیاسی نظام کے تحت لے آنا کوئی چھوٹا کارنامہ نہ تھا مگر اس سے بھی ہزاروں درجہ زیادہ واقع کارنامہ وہ فکر، اخلاقی اور تہذیبی و تمدنی انقلاب تھا جس کی مثال تاریخ عالم میں ملنا ممکن نہیں۔ آپ کا دیا ہوا ضابطہ حیات انسانی فطرت کے اس قدر مناسب ثابت ہوا کہ اس کی برکت سے انتشار و انفرق اور طوائف الملوکی اپنی موت آپ مر گئی۔ آپ کی سیاسی بصیرت نے ایک چھوٹی سی مدنی سلطنت کو اتنا وسیع کیا اور پھر اس میں اتنا استحکام پیدا کر دیا کہ روم و ایران کی متمدن اور مضبوط ترین قومیں اسے خراج دینے پر مجبور ہو گئیں۔ ابھی ایک صدی نہ گزری تھی کہ خلیفہ ولید بن عبد الملک کے عہد میں اسلامی سلطنت مغرب میں سرحدِ فرانس سے نکل کر خلیج بسکے تک پھیل گئی اور مشرق میں اس کی حدود ماوراء النہر سے آگے سرحد چین تک، سارے وسطی ایشیا اور شمالی افریقہ ایک خلیفہ کے زیر انتظام وزیر انصراں آگیا۔ تاریخ انسانیت میں ایسی بے مثال و وسیع و عریض مملکت برطانیہ کو اپنے عروج اقبال کے اس دور میں بھی میسر نہ ہوئی جبکہ یہ مقولہ زبان زد عام تھا کہ برطانیہ کی سر زمین میں سورج غروب نہیں ہوتا۔

یہ رسالت مآب ہی کی برکت تھی کہ دنیا بھر کی تہذیب و تمدن کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ جس کا اثر گہرا ہوا کہ عراق، شام،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فلسطین، مراکش، مراکو، ٹیونس اور الجزائر کی اپنی مادری زبانیں تک تبدیل ہو کر عربی بن گئیں۔ پوری تاریخ انسانیت ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ دنیا کا کوئی انقلاب اس قدر گہرے نقوش ثبت نہ کر سکا کہ مختلف ممالک کی اپنی مادری زبانیں بھی تبدیل کر کے رکھ دے۔

علوم و فنون:

محمد مصطفیٰ ﷺ نے جس تحریک کی بنیاد رکھی اس کی بنیادیں عقل و شعور پر مبنی تھیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دینی و سائنسی اور نقلی و عقلی علوم پر و ان چڑھنے لگے۔

جس دور میں پورا یورپ اور عصر حاضر کی مہذب مغربی دنیا سائنسی ترقی علم و فن کے نام تک سے آگاہ نہ تھی اس وقت سپین کے مسلم اطباء علم طب میں ترقی کی اس انتہا کو پہنچ چکے تھے کہ انسان کا دل باہر نکال کر کامیاب اپریشن کر لیتے۔ اور بعید ترین سیاروں کا فاصلہ اور ان کی رفتار معلوم کر لی تھی اور یہ وہ حقائق ہیں جن کا اعتراف خوف مستشرقین نے حیرت و استعجاب کے عالم میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جارج سارٹن کی تصنیف (سائنسی تاریخ کا ایک تعارف)

ہر قوم کا عروج و زوال اس کے اصولوں پر پختہ یقین اور ان پر کار بند رہنے میں ہوتا ہے۔ اہل مغرب کی دنیاوی ترقی کا یہی راز ہے لیکن مسلمان جنہیں اعلیٰ ضابطوں اور ایمان کی بدولت دارین کی فوز و فلاح کا ضامن ٹھہرایا گیا تھا وہ بے یقینی اور بے عملی کی حالت میں ذلیل و خوار ہو گئے۔ آج بھی اس نعمتِ گم گشتہ کو واپس لانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے دین رسالتِ مآب ﷺ سے تمسک و اعتصام، جس کی بنیاد ”کا شانہ ختم الرسل سے محبت و وابستگی اور تعلق و دار فستی“ پر ہے۔ چنانچہ دشمنانِ اسلام ہمارے اس تعلق کو منقطع کرانے کے لئے مشرق و مغرب میں ہمہ تن مصروف ہیں کبھی وہ مسلمانوں کو پھاڑنے کے لئے نبی نبوت کا فتنہ کھڑا کر کے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور کبھی سوشلزم اور کمیونزم کا سرخ جال بچھاتے ہیں۔ کبھی منکرینِ حدیث اور اہل قرآن کی شکل میں مسند آرا ہوتے ہیں اور کبھی مسلمانوں کی سلطنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مٹا دینے کے منصوبے بنا رہے ہوتے ہیں۔۔۔ کیونکہ تمام باطل قوتیں ملتِ واحدہ ہیں اور انہیں شدید خطرہ ہے کہ اگر مسلمان دین اسلام پر استقلال و استقامت سے جم گئے تو ہماری جڑیں تک کھود ڈالیں گے۔ اور قابلِ افسوس تو یہ بات ہے کہ نادان مسلمان کفار کی سازشوں کو سمجھنے کی بجائے ان کا شکار ہو رہا ہے جسے ڈاکٹر اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

اور نبی نبوت کی یوں نقاب کشائی کی:

محکوم کے الہام سے اللہ بجائے
غارتِ گرا قوام ہے یہ صورتِ چنگیز

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور مغربی تہذیب کے دلدادہ مسلمانوں کو یہ حقیقت سمجھائی کہ
کی ترقی جو مسلمان نے فرنگی ہو کر
یہ فرنگی کی ترقی ہے مسلمان کی نہیں
اور اسلام کے ساتھ سوشلزم کا بیوند لگانے والے منافقانہ رویہ رکھنے والوں کو یوں نصیحت کی:
باطل دوئی پسند ہے حق لا شرک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

یہ حقیقت ہے کہ جس کی محبت دل میں گھر کر جائے اس کی یاد دل میں مستقل طور پر جاگزیں ہو جاتی ہے۔ رسول پاک ﷺ سے محبت کا دعویٰ
ہو اور پھر ان کا اسوہ حسنہ نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ اگر آپ ﷺ سے محبت ہے تو پھر آپ ﷺ کا ہر حکم اور ہر فعل زندگی
کا جزو بننا لازمی ہے۔ جتنی محبت رسول ﷺ کم ہوگی اتنا ہی آپ ﷺ کے ارشادات پر عمل کرنا دشوار ہو گا۔ اذان کی آواز سن کر مسجد میں نہ جانا،
رزق حلال کی بجائے حرام کو لپٹائی ہوئی نظروں سے دیکھنا، رسول پاک ﷺ کی واضح ہدایت کے باوجود شراب اور زنا کاری میں مبتلا ہو کر دین و دنیا
برباد کرنا۔ مسلمان عورتوں کا شریعت کی حدود توڑ کر غیروں کی نظر میں محبوب ہونے کے لئے نیم عریاں ہونے سے گریز نہ کرنا۔ سودی کاروبار اور
جھوٹ و فریب کو ہشیاری سمجھنا، سبھی کچھ آپ ﷺ سے دوری اور دشمنی کے اظہار کے مختلف روپ ہیں، جنہیں دیکھ کر شیطان اور اس کے چیلے خوش
ہوتے ہیں اور مزید حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

افسوس مسلمان اس حدیث کو بھول گیا کہ شرم اور ایمان کبھی علیحدہ نہیں ہو سکتے۔
اور محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ برے اخلاق میں عبادت ضائع ہو جاتی ہے۔ اور دکھاوے کی ہر نیکی برباد ہو جاتی
ہے۔ اور رزق حرام کے ساتھ عبادت قبول نہیں ہوتی۔ یہ تمام فراموشیاں شیطاں مغرب کی پیدا کردہ ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان کبھی ذلیل اور
مغلوب نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کا تعلق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ہے اور وہ اس پاکیزہ تعلق کو ختم کرنے کے لئے ہمہ
تن مصروف ہیں۔ اور ان کا مطمع نظر یہ ہے

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کر فرنگی تحیلات
اسلام کو حجاز کو یمن سے نکال دو

آج باطل قوتوں کی سازشوں کو سمجھنے اور اپنی نیتوں کو درست کرنے اور محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت کی بنیاد پر اپنی زندگی ان کے اسوہ حسنہ کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مطابق ڈھالنے اور نئی نسل کو محمد ﷺ عربی کی تعلیم دینے اور باہمی اتفاق و اتحاد کی ضرورت ہے۔ جس کے بعد انشاء اللہ وہ دن دور نہ ہو گا کہ یہی راندے ہوئے مسلمان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مستحق بنالیں گے۔ اور مشرق و مغرب کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے **وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ** اگر تم ایماندار ہو تو دنیا بھر میں غالب تم رہو گے۔ **وَاخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔**

ابوالقاسم محمد رفیق جذبی

حضرت محمد ﷺ اور معجزات

اللہ تعالیٰ اپنے انبیائے کرام کو نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مختلف زمانوں کے اندر اور مختلف قوموں کے درمیان مبعوث فرماتا ہے اور ان کی نبوت کی حقانیت پر بہت سی باطنی اور ظاہری شہادتیں فراہم کر دیتا ہے تاکہ حقیقت شناس انسان ان کی باطنی شہادتوں کا مشاہدہ کر کے ان کو برحق تسلیم کر لیں اور سطحِ بین لوگ انکی ظاہری دلیلوں کو دیکھ کر ان پر ایمان لے آئیں اور جو کج فہم ہوں ان پر حُجّت تمام کر دی جائے۔

چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی صداقت و عصمت، امانت و دیانت، ارشاد و دعوت، تعلیم و ہدایت اور تزکیہ و حکمت ہی ان کی باطنی نشانیاں اور علامتیں ہوتی ہیں جنہیں اہل بصیرت کی نظریں دیکھ لیتی ہیں اور ان کی نبوت پر گواہی دے دیتی ہیں۔

فی الحقیقت انبیاء کا سر تا پا وجود ہی ان کی نبوت کی اصل شہادت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی دعوت پر سب سے پہلے لٹیک کہنے والوں نے کبھی ان سے ظاہری نشانیوں، معجزات کا مطالبہ نہیں کیا ہے! سابقون الاولون کے ایمان نے کسی معجزے کی طلب سے اپنا دامن داغدار نہیں کیا۔ ان کی دیکھنے والی آنکھ کے لئے نبی کا سرِ پاپا وجود، ان کے سننے والے کان کے لئے اس کی آواز، اور ان کے سمجھنے والے دل کے لئے اس کا پیغام ہی اپنے اندر وہ اعجاز رکھتا تھا کہ ان کی گردنیں بے اختیار اس کے آگے جھک جاتی ہیں۔

در دل ہر کس کہ دانشِ رامزہ است روئے و آوازِ پیہرِ معجزہ است

یعنی ”نبی کی آواز اور چہرہ ہر جاننے والے دل کے لئے معجزہ ہوتا ہے۔“ مولانا رومؒ

حضرت ہارونؑ اور حضرت یوشعؑ کا موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مان لینا کسی معجزے کا بہین منت نہیں تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ”اعجازِ مسیحائی“ کے مشاہدے کے بعد آسمانی دولت سے بہرہ حاصل نہیں کیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف اور ابو عبیدہ بن جراحؓ نے فرشتوں کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھ کر یا چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا بارہ کر کے ایمان قبول نہیں کیا تھا۔

لیکن دنیا میں کوتاہ فہموں اور ظواہر پرستوں کا اک بہت بڑا گروہ ایسا بھی بستا ہے جسے مشاہدہٴ معجزات کے بغیر اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ اس گروہ کے لوگوں کے غنچے ہائے دل کے کھلنے کے لئے کسی معجزے کی بادِ صبا کا خرام ضروری ہوتا ہے تاکہ اس سے یہ غنچے کھل کر یوں گویا ہوں کہ **اَمَّا يَوْمَ** **الْعَالِيَيْنَ، رَبِّ مُوسٰى وَهَارُونَ**⁷⁵ یا پھر ایسے لوگ جب کبھی دائرہٴ اسلام میں داخل ہوں اور کوئی معرکہ حق و باطل برپا ہو تو فرشتوں کی قطار اندر قطار فوجوں کی نصرت و تائید سے ان کے مضطرب دلوں کو دولتِ سکون و اطمینان سے مالا مال کر دیا جائے۔

بایں ہمہ ایک گروہ ایسا بھی ہوتا ہے جو اگرچہ طلبِ معجزات میں سب سے آگے ہوتا ہے لیکن اس گروہ کے نمرود اور ابو جہل اپنے کفر و جود کی وجہ

⁷⁵ ہم پروردگارِ عالم پر ایمان لائے، جو موسیٰ اور ہارونؑ کا رب ہے۔ (الشعراء ۸۷، ۸۸)

سے آگ کو گلستان ہوتے دیکھ لینے کے باوجود اور چاند کے دو ٹکڑے ہوتے دیکھنے کے باوصف، نعمت ایمان سے محروم ہی رہتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے قرآن حکیم کا ارشاد یہ ہے: **وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ**⁷⁶ متکلمین کی اصلاح میں معجزے کی تعریف یہ ہے کہ ”کسی نبی سے کسی ایسے واقعے کا ظہور ہونا جو عام حالات میں انسانی دسترس سے باہر ہو اور جس کی توجیہ سے عقل انسانی عاجز ہو۔“

محدثین نے اس کے لئے (علامت) اور ’دلیل‘ کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور قرآن نے اسے ’آیت‘ اور ’برہان‘ سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خالق اور حاکم تسلیم کر لینے کے بعد معجزے کی حیثیت سے قانونِ فطرت کے ایک خارق کی نہیں رہتی بلکہ قانونِ فطرت کے عین مطابق ہو جاتی ہے کیونکہ جو ارادۃ الہی فطرت کے سلسلہ اسباب و علل کا خالق ہے وہی اس کے عمل سے مانع ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کی وجہ یہ بھی ارادۃ الہی کے ایک عمل سے کی جاسکتی ہے۔

خالق کائنات نے مختلف انبیائے کرام کو مختلف حالات و مقتضیات کے تحت مختلف معجزوں سے نوازا تھا۔ کسی کی بددعا نے اس عالم پر طوفان بن کر قیامتِ صغریٰ پھا کر دی تھی۔ کسی کے وجودِ مسعود سے آتشِ نمرود کا الاؤ یکایک گلزار میں تبدیل ہو گیا تھا۔ کسی کی تیز قوتِ شامہ نے سینکڑوں میل دور سے پیراہنِ یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر لی تھی۔ کسی کو ’تاویل الاحادیث‘ کے مخصوص علم سے وافر حصہ ملا تھا۔ کسی کے ہاتھوں میں سخت لوہا موم ہو جاتا تھا۔ کسی کا تختِ سلطنت ہواؤں میں اڑتا پھرتا تھا۔ کسی کے عصا کی ایک ہی ضرب سے پتھروں سے چشمے ایلنے لگتے اور کبھی دریاؤں میں شاہر اپیں بن جاتی تھیں۔ کسی کے ’نفسِ مسیحا‘ سے اندھوں کو بینائی، گونگوں کو گویائی، کوڑھیوں کو صحت اور مردوں کو زندگی مل جاتی تھی لیکن نبی آخر الزمان، مکمل الشرائع والادیان، حضرت محمد ﷺ کو درگاہِ حق سے دوسرے تمام انبیاء سے بڑھ کر معجزات عطا ہوئے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ:

لِكُلِّ نَبِيٍّ فِي الْأَنَامِ فَضِيلَةٌ وَجُمْلَتُهَا مَجْمُوعَةٌ لِبَحْمَدٍ⁷⁷

معجزہ قرآن:

حضور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے۔ سابقہ انبیاء کرام کے معجزوں کی نوعیت، حیثیت اور تاثیر عارضی اور وقتی تھی مگر آپ کا یہ معجزہ قرآن اپنی نوعیت و حیثیت کے لحاظ سے دائمی اور ناقیامت باقی رہنے والا ہے۔ اس کی قوتِ تاثیر بنی نوع انسان کے قلوب و اذہان کو قیامت تک مسخر کرتی رہے گی۔ یہ کتاب ہر لحاظ سے معجزہ ہے۔ اس کے الفاظ و معانی، اس کی فصاحت و بلاغت، اس کی تعلیم و ہدایت، اس کا زورِ استدلال اور اس کی قوتِ نفوذ و تاثیر سب معجزہ ہیں۔ دیا اس کے مثل کلام لانے سے بے بس ہے۔ اس کی یہی صفتِ اعجاز تھی جس سے عرب و عجم کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء اور شعراء و ادباء تک کی زبانیں گنگ ہو گئی تھیں جب اُن کے سامنے اس نے اپنا یہ چیلنج رکھ دیا تھا کہ **إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا**

⁷⁶ کفر کا راستہ اختیار کرنے والوں کے لئے اللہ کی نشانیاں اور تنبیہات بے سود ہیں (یونس ۱۰۱)
⁷⁷ دیگر مخلوقات پر ہر نبی کو ایک نہ ایک فضیلت حاصل ہے لیکن تمام فضائل کا مجموعہ ذاتِ محمد ﷺ ہے۔

فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ⁷⁸

اور اس چیلنج کا جواب دینے سے دنیا ہمیشہ قاصر رہی ہے اور قیامت تک قاصر رہے گی۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا⁷⁹

پھر یہ کتاب ہدایت، روزِ اوّل سے محفوظ و مصون ہے۔ اس میں آج تک کسی ایک نقطے اور کسی ایک شوشے تک کی تحریف نہیں ہوئی اور نہ ہی کبھی ہو سکتی ہے۔ اس کی حفاظت و صیانت کا ذمہ خود پروردگار عالم نے لے رکھا ہے۔ **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ**⁸⁰ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس ”نسخہ جمیہ“ کو دنیا کے سامنے لانے والی شخصیت ایک امّی کی شخصیت تھی جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ جس نے کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا تھا، اس نے سب کے سامنے علم و حکمت اور موعظت و معرفت کا وہ عظیم الشان دفتر پیش کر دیا جس نے دل و دماغ بدل ڈالے، ذہنیتیں بدل ڈالیں، رواج بدل ڈالے، رسوم بدل ڈالیں، افراد بدل ڈالے، اقوام بدل ڈالیں، تمدن بدل ڈالے اور تہذیبیں بدل ڈالیں۔ جس نے عرب کے ریگستانوں میں رہنے والے خانہ بدوش شتر بانوں کو اصولِ جہان بانی سکھائے اور وقت کے قیصر و کسریٰ کے تخت پر بٹھا دیا۔ جس نے در ماندگانِ عقل و خرد کو کائنات کے ذرّے ذرّے کی حقیقت سے آشنا کر دیا۔

شق قمر:

کفارِ مکہ نے ایک بار رات کے وقت مقامِ منیٰ میں حضور ﷺ سے معجزہ طلب کیا تو آپ ﷺ نے انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دکھایا۔ ایک ٹکڑا کوہِ حرا کے اس طرف نظر آیا اور دوسرا اُس طرف⁸¹۔ یہ دیکھ کر کفارِ مکہ نے کہا کہ محمد ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ بعض کہنے لگے کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو تم تمام دنیا پر تو وہ جادو نہیں کر سکتے۔ چنانچہ دیگر مقامات سے آئے ہوئے مسافروں سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے بھی یہی مشاہدہ بیان کر دیا⁸²۔

ستون کارونا:

مسجدِ نبوی میں منبر تیار ہونے سے قبل حضور ﷺ مسجد میں کھجور کے تنے کے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب منبر تیار ہوا تو آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ بنا شروع کیا تو اچانک اس ستون سے زار و قطار رونے کی آواز آئی۔ تمام حاضرین مسجد نے اس کے رونے کی آواز سنی۔ آپ ﷺ منبر سے اتر کر اس ستون کے پاس گئے اور سینے سے لگا کر اسے تسلی دی تو اس کے رونے کی

⁷⁸ اور اگر تم کو اس (کتاب) میں کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بلاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلاؤ اگر تم سچے ہو (البقرہ: ۲۳)

⁷⁹ لیکن اگر تم ایسا نہ کر سکو اور تم ہرگز نہیں کر سکو گے۔ (البقرہ: ۲۴)

⁸⁰ بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہے جو ہم نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ (الحج: ۹)

⁸¹ البخاری و مسلم عن انس بن مالکؓ۔

⁸² مسند ابی داؤد و لطیالسی و البیہقی عن عبد اللہ بن مسعودؓ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آواز بند ہو گئی۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا: اس کے رونے کا سبب یہ تھا کہ یہ پہلے خدا کا ذکر سنا کرتا تھا۔⁸³

کھجوروں کے ڈھیر کا بڑھ جانا:

ایک دفعہ حضرت جابرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور ﷺ میرے والد کے ذمے یہودیوں کا قرض تھا اور وہ خود فوت ہو گئے ہیں۔ میرے پاس سوائے کھجوروں کے اور کچھ نہیں ہے اور صرف کھجوروں سے میں کئی برس تک قرض ادا نہیں کر سکتا۔ آپ میرے نخلستان میں تشریف لے چلیں تاکہ آپ ﷺ کی تعظیم سے قرض خواہ مجھ پر سختی نہ کریں۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ تشریف لے گئے اور کھجوروں کے ڈھیر کے ارد گرد چر لگا کر دعا کی اور وہیں بیٹھ کر فرمایا ”قرض خواہ اپنا اپنا قرض لیتے جائیں۔“ آپ کی دعا کی برکت سے ان کھجوروں کے ڈھیر سے سارا قرض ادا ہو گیا اور کھجوروں کا ایک بڑا ڈھیر پھر بھی باقی بچ رہا۔⁸⁴

انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہنا:

صلح حدیبیہ کے روز صحابہ کرامؓ کو سخت پیاس لگی۔ حضور ﷺ کے سامنے چڑے کے ایک برتن میں کچھ پانی تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے وضو کرنا شروع کیا تو تمام صحابہؓ آپ ﷺ کی طرف تیزی سے بڑھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ”کیا بات ہے؟“ عرض کرنے لگے۔ ”ہماری ضروریات کے لئے صرف یہی پانی تھا۔“ آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈال دیا اور آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے کی طرف پانی جاری ہو گیا۔ ڈیڑھ ہزار کے قریب صحابہؓ نے اس پانی سے وضو کیا اور سیر ہو کر پانی بھی پیا۔⁸⁵

نام بنام مقتولین بدر کی خبر:

معرکہ بدر سے کچھ دیر قبل حضور ﷺ میدان بدر میں صحابہؓ کو ساتھ لے گئے اور فرمایا۔ ”یہاں فلاں کا فرہلاک ہو گا اور وہاں فلاں مشرک مارا جائے گا اور قریش کے سردار ابو جہل کی قتل گاہ یہ ہے۔“ صحابہؓ کے قلیل اور کم مسلح لشکر کے لئے یہ پیشین گوئی بڑے اطمینان کا سبب بنی اور انہوں نے جنگ کے بعد دیکھا کہ حضور نے ﷺ جس مقتول کے لئے جو جگہ متعین فرمائی تھی وہ وہیں ڈھیر تھا۔⁸⁶

سلطنت کسریٰ کی تباہی:

جب آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کے لئے ایران کے شہنشاہ کسریٰ کے نام خط بھیجا تو اس نے وہ خط پھاڑ کر پھینک دیا۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے بد دعا فرمائی۔ ”خدا یا! اس کے بھی پُر زے پُر زے اڑ جائیں۔“ چنانچہ اسی بد دعا کے نتیجے میں وہ بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوا۔ آخر کار دور فاروقی

⁸³ البخاری عن جابر بن عبد اللہ

⁸⁴ البخاری عن جابر بن عبد اللہ

⁸⁵ صحیح البخاری

⁸⁶ الصبح المسلم۔ غزوہ بدر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

میں اس کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی⁸⁷۔

یہ چند معجزات نبوی، مشتے از خردارے، کے طور پر ذکر کئے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پوری حیات مبارک معجزات سے عبارت

ہے۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری⁸⁸

⁸⁷ الصحیح البخاری۔ کتاب الجہاد

⁸⁸ تیرے پاس حسن یوسف ہے، دم عیسیٰ ہے اور ید بیضا ہے۔ دوسرے خوب روؤں کے پاس جو کچھ بھی ہے تجھے حاصل ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

طاہر قریشی

کمالِ عبدیت

پیکرِ لازوالِ عبدیت	آپ ہی ہیں کمالِ عبدیت
آپ ہی کے ظہور سے قائم	آبروئے مجالِ عبدیت
آپ کے دم سے بن گئی ہے گھر	بے حقیقتِ سفالِ عبدیت
ہو گی آپ کے توسل سے	عرشِ بیہا، جمالِ عبدیت
بن گئے آپ عرش کی زینت	اللہ اللہ! کمالِ عبدیت
تربیت کی خدا نے کچھ ایسی	بن گئے آپ حالِ عبدیت
آپ ہی نے اسے سنبھال لیا	ہو رہا تھا زوالِ عبدیت
بن کے رحمت عطا ہوئی ہم کو	ذاتِ اقدسِ مثالِ عبدیت
آپ ہی تو ہیں سرورِ کونین	ہاں! فیضِ جلالِ عبدیت
آپ ہی ہیں فقط خدا کی قسم	منتہائے کمالِ عبدیت
ہو تا شامل نہ آپ کا جو کرم	تھا دگر گوں مالِ عبدیت
آپ کے فیضِ خلق سے طاہر	
ہو گئی خوشِ حصالِ عبدیت	

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عنایت اللہ وارثی

رسول مقبول ﷺ ایک مقنن کی حیثیت سے

آنحضرت ﷺ کی سیرت بیان کرتے وقت آج کل آپ ﷺ کو مختلف حیثیتوں میں علیحدہ علیحدہ پیش کرنے کا رواج ہے۔ ان میں سے آپ ﷺ کی 'قانون ساز' ہونے کی حیثیت اہم ترین ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ریاست و سیاست کے تین شعبوں مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ میں بنیادی اہمیت مقننہ کو حاصل ہے کیونکہ انتظامی اصلاحات اور عدالتی انصاف کا پہلا مرحلہ متوازن قانون سازی ہی ہے۔ دوسرا اس وجہ سے کہ یہ مسئلہ شروع ہی سے معرکہ الآراء بنا ہوا ہے کہ خود سنت کو قرآن سے کیا تعلق حاصل ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیلات جس قدر نازک ہیں اسی قدر موجودہ دور میں ان کے بارے میں ذہنوں کی صفائی کی ضرورت ہے تاکہ بدلے ہوئے حالات میں بھی شریعت کو اس کے مالک کی مرضی کے مطابق اپنایا نافذ کیا جاسکے۔ یہ بھی واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ حیثیت اہم ترین ہونے کے ساتھ ساتھ جامع ترین بھی ہے کیونکہ اسلام انسانی زندگی کو ایک وحدت قرار دے کر اس کا مکمل ضابطہ حیات ٹھہرتا ہے لہذا آنحضرت ﷺ کی قانون سازی بھی اس مکمل وحدت کے لئے ہے۔ اس موضوع کے متذکرۃ الصدر دو پہلوؤں میں سے پہلے کے بعض گوشے ذیل میں اجاگر کئے گئے ہیں جبکہ دوسرے پر کچھ بحث رسول مقبول ﷺ نمبر (حصہ اول) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ (ادارہ)

آنچے مے گوئی کہ آں بہتر ز حسن

یار من این دارد و آں نیز ہم

قانون کی اصل غرض و غایت معاشرے میں امن و امان کا قیام اور ہر شخص کے ہر جائز حق کی حفظ و نگہداشت پہلے حصہ کا زیادہ تعلق ضابطہ فوجداری سے اور دوسرے کا دیوانی سے۔ اسے عدلیہ اور انتظامیہ کے دو شعبوں پر بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ہر وہ قانون جو اس غرض کو پورا کرے گا اور جس قدر زیادہ اچھی صورت میں پورا کرے گا اسی قدر وہ قانون قابل اعتماد، زیادہ قابل تعریف، زیادہ مقبول اور زیادہ مفید ہو گا۔ اور پھر اس قانون کو پیش کرنے والا بھی اسی قدر زیادہ محسن انسانیت اور زیادہ سے زیادہ تحسین آفرین کا مستحق ٹھہرے گا۔

محسن عالم حضرت محمد ﷺ کی مقدس شخصیت کو ایک مقنن کی حیثیت سے دیکھنے کے لئے آپ کے پیش کردہ قانون اور قانون کے نتائج کو دیکھنا بالعموم ضروری ہے اور بالخصوص ان گہری بنیادوں پر بھی غور کرنا ضروری ہو گا جو ان مشہور اور عام فہم نتائج اور تاریخی حقائق کے نہایت لطیف، دُور رس فطری وجوہ و اسالیب اور محرکات ہیں جن وجوہ و اسالیب اور محرکات نے اس قانون کو قابل عمل، سہل القبول اور مقبول عام بنایا۔ کیوں کہ کوئی قانون بہتر سے بہتر کیوں نہ ہو جب تک اُس پر عمل نہ ہو بے کار محض ہوتا ہے۔ اور اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اسلامی قانون کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ یہ رواج و نفاذ کی خود ایک زندہ قوت اور تحریک ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جہاں تک قانون کی تربیت کا تعلق ہے یہ قانون خالق کائنات کا بنایا ہوا ہے۔ مخلوق کے کسی فرد کا اس میں دخل نہیں۔ خلیفۃ اللہ حضرت آدم علیہ السلام سے چل کر آج تک ہر پیغمبر نے یہی وضاحت کی ہے۔ خدا ہی کی حاکمیت کو منوایا ہے اور خدا ہی کا قانون پیش کیا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (سورہ نساء رکوع ۹)

”ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اور دنیا کے سیاسی حکمرانوں کی حکومت میں یہی سب سے بڑا امتیاز ہے کہ جہاں سیاسی حکمرانوں نے عوام کو اپنے زیر فرمان رکھنے اور انہیں اپنی غلامی کا طوق پہنانے کی کوشش کی ہے وہاں انبیاء کی مقدس جماعت نے عوام کو اپنے ہم جنس بندوں کی غلامی سے نجات دے کر خدا کا بندہ بنانے کی مہم چلائی ہے جس کی بندگی اور غلامی سے کسی کو عار و استنکار نہیں ہو سکتا۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ. وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (آل عمران)

کسی انسان کا یہ کام نہیں کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ سچے اللہ والے بنو جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ وہ تم سے ہر گز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں یا پیغمبروں کو اپنا رب بنا لو کیا ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے جب کہ تم مسلم ہو۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ (نساء: ۴۴)

مسیح اس بات کو عار نہیں سمجھے گا کہ وہ اللہ کا ایک بندہ ہو اور نہ مقرب ترین فرشتے اس کو عار سمجھتے ہیں۔

اس مقدس دعوت میں یہ نفسیاتی تحریک بنیادی حیثیت سے شامل ہے کہ وہ انسان جو اپنے ہم جنسوں کی غلامی میں زندگی بسر کرنا قطعاً پسند نہیں کرتا اسے خدا کے ترتیب دیئے ہوئے ایک ایسے قانون کی سرپرستی کا آرام دہ سایہ نصیب ہو گیا جو لم یلد ولم یولد کا بتایا ہوا ہے جس میں کسی کی طرفداری کا شائبہ تک نہیں۔ قانون بنانے والے سے اپنی رعایا کی زندگی کا کوئی گوشہ پوشیدہ نہیں، کوئی تقاضا نظر سے اوجھل نہیں کسی تقاضے کا پورا کرنا اسے مشکل نہیں۔

قانونی پابندی کی مشکل کا حل:

قانون کوئی بھی ہو، آخر پابندی کا تقاضا کرتا ہے اور پابندی بہر حال ایک ناگوار حقیقت ہے۔ لیکن خدا کی بارگاہ وہ بارگاہ یا پناہ گاہ ہے جہاں اللہ کے بندوں نے یہی التجا پیش کی ہے کہ تیری بے نیاز مشفقانہ تادیب میں بھی ہماری بھلائی ہی بھلائی ہے بار الہا! ہم کو اپنے ہم جنسوں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ! ز دستِ توبہ گر عفو ت برم مسلط مکن چو مغے بر سرم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بہ گیتی نہ باشد تریز بدے جفا بردن از دست ہم چوں خودے

علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں:

آدم از بے خردمے بندگی آدم کرو گوہرے داشت دے نذر قباد و جم کرو
یعنی از خوے غلامی ز سگاں خوار تر است من ندیدم کر سگے پیش سگے سر خم کرد

اس کے مقابلہ میں خدا کی وہ بندگی اور خدا کے قانون کی وہ پابندی جو اس کا بندہ رضا کارانہ قبول کرتا ہے اور جس پابندی میں قبول و اذعان کی فطری کشش موجود ہوتی ہے وہ دل تنگی کا سامان نہیں ہوتی بلکہ عین راحت ہوتی ہے اور سکون و اطمینان کا سامان بن جاتی ہے یہاں تک کہ اس کا گرفتار گرفتاری پر نہیں آزاری میں ضائع کئے ہوئے وقت پر پہچانتا ہے۔

نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر

خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

مسلمان کی آزادی کے معنی یہی ہیں کہ اسے اس پابندی سے روکنے والی کوئی قوت راہ میں حائل نہ رہ جائے۔

خلاص حافظ ازاں زلف تابدار مباد

کہ بستگان کمند تور ستگار انہند

دیگر بے شمار ایسے فطری محرکات میں سے جو رسول مقبول ﷺ کے پیش کردہ قانون کی پابندی از خود قبول کرنے کے لئے انسان کو آمادہ کرتے ہیں ایک یہ مذکورہ عقیدہ ہے کہ یہ خالق کائنات کا قانون ہے اسے قبول کرنے میں کسی ننگ و عار کا شائبہ تک نہیں بلکہ اس کی پابندی وہ پابندی ہے جو ہر غلامی سے آزاد کر دیتی ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(۲) دوسری امتیازی خوبی اس میں یہ ہے کہ دنیا کے تمام نئے اور پانے قوانین کے مقابلہ میں اس قانون کا پیش کرنے والا (ﷺ) خود بھی اپنے پیش کردہ قانون کا بالکل اسی طرح پابند ہے جس طرح ایک عام شہری۔ بلکہ پہلا پابند خود ہے اور بعد میں یہ پابندی کسی دوسرے تک پہنچتی ہے۔

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَيْكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ (بقرہ۔ ۱۲۰)

رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور جو لوگ اس رسول کو ماننے والے ہیں انہوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کر لیا ہے یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسلامی آئین اور عوامی تحریک:

عوام کے لئے اس قانون کو قبول کرنے میں یہ صورت حال ایک ایسی فطری تحریک اور بوئے جنسیت کی ایسی نفسیاتی تسکین کا سامان بن جاتی ہے کہ ہر خاص و عام اس خوشگوار پابندی کے لئے مجبور نہیں بے تاب ہو جاتا ہے۔

بائبل کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لاوی خاندان (نسل ہارون) کو کس قدر قانونی تحفظات حاصل تھے بلکہ بے شمار مراعات ملی ہوئی تھیں جن میں عوام کا کوئی حصہ نہ تھا۔ سوختنی قربانی صرف اسی خاندان کا حق تھا۔ دنیا کا سب سے بڑا اور پرانا مقنن ”منو“ جس نے ہندو جاتی کے لئے سمرتی ترتیب دی۔ اسے پڑھ کر دیکھئے کہ اس نے پہلے نسل آدم کو چارورتوں (طبقوں) برہمن، کشتری، دیش اور شودر پر تقسیم کر کے ایک نہ ختم ہونے والی بے انصافی کی پائیدار بنیاد رکھ دی اور ہر طبقہ کے علیحدہ علیحدہ حقوق و فرائض مقرر کئے سب سے اونچے طبقہ برہمن کو قدم قدم پر تحفظات اور مراعات سے نوازا۔ افلاطون کے فلسفہ تک دیکھ جاؤ طبقاتی امتیازات قدم قدم پر نظر آئیں گے۔

رسول مقبول ﷺ نے اپنے پیش کردہ قانون کے اجرا و نفاذ میں جو طریق عمل اختیار فرمایا وہ یہ ہے کہ قانون کے سامنے ہر چھوٹا بڑا یکساں تھا۔ یہاں تک کہ خود اپنی ذات بھی مستثنیٰ نہ تھی۔ بلکہ انا اول المسلمین کہہ کر آپ نے اپنے آپ کو سب سے پہلا قانون کا پابند عملاً ثابت کر دیا۔ اور قانون کے احترام کی بے نظیر مثال قائم کر دی۔

قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوتی ہے، حضرت اسامہ بن زیدؓ جن سے آنحضرت ﷺ نہایت محبت رکھتے تھے، لوگوں نے ان کو سفارشی بنا کر خدمت نبوی ﷺ میں بھیجا۔ آپ نے فرمایا اسامہ! کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا ”تم سے پہلی امتیں اسی لئے تباہ و برباد ہو گئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے۔ خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔“

مرض الموت میں آپ ﷺ نے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ میرا ذمہ اگر کسی شخص کا کچھ قرضہ آتا ہو یا کسی جان و مال و آبرو کو کوئی صدمہ پہنچا ہو تو میری جان و مال و آبرو حاضر ہے۔ ایک صحابیؓ نے کہا کہ جنگ بدر کے موقع پر صفیں سیدھی کراتے ہوئے آپ ﷺ نے مجھے تیر کی لکڑی سے چوکا دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بدلہ لے سکتے ہو! اس نے کہا اس وقت میرا بدن ننگا تھا۔ آپ ﷺ نے گرتے اتار دیا لیکن صحابیؓ مہر نبوت کو بوسہ دے کر عذر خواہ ہوا اور پیچھے ہٹ گیا۔

اسی فطری تعلیم اور عملی تربیت کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے جانشین جو اس نظام حکومت میں قوم کے سربراہ بنتے رہے اپنی ماتحت عدالتوں اور اپنے مقرر کئے ہوئے ججوں کے سامنے مدعا علیہ کی حیثیت سے اپنے مدعیوں اور مستغیثوں کے برابر مجرموں کے کٹھروں میں کھڑے ہوتے رہے۔ تاریخ کے صفحات اس قسم کے واقعات سے پُر ہیں۔

قانون بھی خالق کائنات کا بنایا ہوا اور اس کے اجرا و نفاذ کا یہ امتیازی طرزِ عمل، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ اسی دور میں وہ امن و اطمینان حاصل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کیا، جس کی نظیر انسانی تاریخ میں کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔

(۳) تیسری امتیازی خوبی اس قانون اور مقنن میں یہ ہے کہ اس نے ایک معین روز جزا کا عقیدہ دیا جس دن تمام پوشیدہ سے پوشیدہ جرائم کھل کر سامنے آجائیں گے اور دنیا میں ایک دوسرے کو دیئے ہوئے سارے دھوکے مغالطے نکل جائیں گے۔ اس عقیدے کو واضح کرنے میں رسول مقبول ﷺ کے طرز عمل کا ایک واقعہ کافی ہے۔

ام سلمیٰؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے حجرہ کے دروازہ کے قریب لوگوں کو جھگڑتے سنا تو آپ ﷺ باہر تشریف لے آئے اور فرمایا۔

انما انا بشر وانه یأتینی الخضم فلفل بعضهم ألحن بحجته من بعض فأحسبه انه صادق فقضیتہ بحق مسلم
فانما هی قطعة من النار فلیحملها او یدرها

میرے پاس مقدمہ آتا ہے۔ مدعی اپنی چرب زبانی سے دعویٰ ثابت کر دیتا ہے حالانکہ حق دوسری جانب ہوتا ہے، میں اس بیان کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ نافذ کرتا ہوں۔ مگر وہ یہ سمجھ لے کہ ایک مسلمان کا مال ناجائز طریقہ سے لینا آگ کو لینا ہے۔ اب وہ آزاد ہے اسے قبول کرے یا چھوڑ دے۔

روز جزاء کی جواب دہی کا ذمہ دارانہ تصور اس سے زیادہ کیا دلا یا جاسکتا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اس دن کے فیصلے کے سامنے اپنے فیصلے کو بھی بے حقیقت قرار دے دیا۔ یہ واقعہ ایک طرف آپ کی بے نفسی کی انتہا ہے اور دوسری طرف قانون الہی کی پابندی کا وہ ہمہ گیر اثر پیدا کرتا ہے جس سے زیادہ اثر پیدا کرنا ممکن نہیں۔ قرآن مجید کے الفاظ میں سنئے:

ما کنت بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم

میں انوکھا رسول نہیں ہوں میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہو گا اور تمہارے ساتھ کیا۔

آپ ﷺ کے اس طرز عمل نے اسلام قبول کرنے والوں کے ضمیر کو اس حد تک بیدار کر دیا اور آخرت کے عقیدے نے یہ بیداری اس مقام تک پہنچادی کہ لوگ قانون کی پابندی ہی میں دنیوی اور اخروی راحت یقین کرنے لگے۔ ہر مرد و عورت نے اس پابندی ہی کو ذریعہ نجات یقین کر لیا۔ اور یہ یقین معاشری اور معاشی زندگی کے اطمینان اور امن کا مستقل سرمایہ بن گیا۔ اس سلسلہ میں ذیل کے دو واقعات بطور شہادت کافی ہوں گے۔

بریدہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا۔ ماعز بن مالک نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے پاک کر دیجئے؟ آپ نے فرمایا: ”تیرا براہو لوٹ جا اور اللہ کے حضور توبہ واستغفار کر لے!“ راوی کہتا ہے وہ تھوڑی دور تک واپس گئے پھر لوٹ آئے اور پھر یہی کہا کہ ”اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے پاک کر دیجئے! نبی ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ تین بار ایسا ہی ہوا چوتھی بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں تجھے کس چیز سے پاک کر دوں؟ وہ بولے زنا سے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا یہ شخص پاگل تو نہیں؟ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ وہ پاگل نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ ایک شخص نے اُٹھ کر ماعز کے منہ کی بوسہ لگھی تو اسے شراب کی بو نہیں ملی۔ آپ ﷺ نے پھر ان سے پوچھا کیا تم نے زنا کیا ہے؟ انہوں نے کہا ”ہاں“ اس پر آپ ﷺ نے حکم صادر فرمایا اور ان کو سگسار کر دیا گیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رسول مقبول ﷺ ایک مقنن کی حیثیت سے

اس واقعہ کو دو تین دن گزرے ہوں گے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے فرمایا ”ماعر بن مالک کے لئے مغفرت کی دعا کرو اس نے ایسی توبہ کی ہے جو اگر ایک پوری قوم کے درمیان تقسیم کر دی جائے تو ان سب کے لئے کافی ہو۔“

پھر آپ ﷺ کے پاس قبیلہ ارض کے بطن غامد کی ایک عورت آئی اور اس نے کہا: ”اے اللہ کے رسول مجھے پاک کر دیجئے!“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تیرا براہو لوٹ جا، اور اللہ کے حضور ﷺ توبہ واستغفار کر لے۔“ وہ بولی ”آپ مجھے ماعر بن مالک کی طرح لوٹانا چاہتے ہیں؟ یہ زنا سے قرار پایا ہوا حمل ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو (زنا سے) حاملہ ہے؟ اس نے کہا۔ ”ہاں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وضع حمل تک انتظار کر۔“ راوی کہتا ہے کہ پھر آپ ﷺ نے اس عورت کو بچہ جننے تک کے عرصہ کے لئے ایک انصاری کی نگرانی میں دے دیا کچھ عرصہ بعد اس انصاری نے نبی ﷺ کے پاس آکر اطلاع دی کہ غامدی عورت بچہ جن چکی ہے آپ نے فرمایا۔ ”مگر ہم ایسا نہیں کریں گے کہ اسے سنگسار کر دیں اور اس کے شیر خوار بچہ کو اکیلا چھوڑ دیں۔ کوئی اسے دودھ پلانے والا نہ ہو۔“ آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ ”لوٹ جا اسے دودھ پلا جب دودھ چھڑالینا تب آنا۔ جب وہ دودھ چھڑا چکی تو بچہ کو لے کر آپ کے پاس آئی بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ اس نے آپ سے کہا رسول خدا ﷺ میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اور اب یہ کھانا کھانے لگا ہے۔ آپ ﷺ نے بچہ کو کسی مسلمان کے حوالے کر دیا اور اس عورت کے رحم کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ اسے سینہ تک زمین میں گاڑ کر سنگسار کر دیا۔ خالد بن ولیدؓ نے ایک پتھر مارا جس سے خون کے چھینٹے اڑ کر خالد کے چہرہ پر پڑے۔ انہوں نے عورت کو برے الفاظ سے یاد کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”خالد ذرا سنبھل کر، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے جو اگر ناجائز چنگی وصول کرنے والا بھی کرتا تو اسے بخش دیا جاتا۔“ پھر آپ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اسے دفن کرایا۔ (مسلم۔ نسائی)

اگر کسی قانون اور مقنن کی خوبی و کامیابی کا تعلق قانون کے قابل عمل ہونے اور عوام کے دل میں قانون کا احترام موجود ہونے سے ہے، تو اس لحاظ سے نہ اس قانون کی مثال دنیا میں ملے گی، اور نہ ایسے مقنن کی۔ ایک مرد اور ایک عورت دو مجرم آپ کے سامنے ہیں۔ یہ مجرم اپنے انجام سے ناواقف قطعاً نہ تھے۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے ان کا صرف اقرار جرم نہیں۔ ہر ایک کا اصرار ہے کہ ”اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے پاک کیجئے۔“ کیا یہ اصرار اس مقدس جذبہ اور اس قوت محرکہ کے وجود کی زندہ شہادت نہیں۔ جس جذبے اور قوت کی حفاظت میں مجرم بطیب خاطر جان دے دینا ضروری سمجھتا ہے لیکن قانون کے احترام میں سر مو فرق آنا پسند نہیں کرتا۔ مقنن ﷺ (شارع) رحم و عنف کے سارے جذبات کے باوجود حد جاری کرتا ہے اور مجرم اس شان سے قبول کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ پھر یاد کر لیجئے کہ کوئی اچھے سے اچھا قانون اس وقت تک مفید نہیں ہو سکتا جب تک اس کا احترام نہ ہو۔ کیا دنیا میں کسی قانون کے احترام کی ایسی مثال موجود ہے؟ اور کوئی ایسا مقنن تاریخ انسانی میں نظر آتا ہے؟

اس قانون کی غرض اور اس مقنن اعظم کا مقصد صرف قیام امن ہے۔ اس سلسلہ میں صرف ایک گزارش کافی ہوگی۔ عدلیہ حقوق و فرائض کا فیصلہ کرتی ہے۔ قانون کے اس شعبہ کا تعلق معاشرے کے ساتھ بالواسطہ ہے۔ البتہ انتظامیہ کا تعلق انسانی معاشرے کے امن و امان سے بلا واسطہ اور قریب تر ہوتا ہے۔ ضابطہ فوجداری کی آخری دفعہ اور جرائم میں سب سے بڑا جرم قتل ہے۔ جس میں انتقام در انتقام کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سلسلہ تمام معاشرے کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک آگ لگا دے سکتا ہے اور لا دیتا ہے۔ دنیا کے ہر قانون نے اس جرم کی سزا موت رکھی ہوئی ہے۔ ہمارے مروجہ قانون میں فوجداری جرائم میں نہایت کم درجہ جرائم سے اوپر کوئی جرم بھی قابلِ راضی نامہ نہیں۔ فوجداری میں مدعی حکومت ہوتی ہے فوجداری عدالتیں فریقین میں راضی نامہ کرانے کی مجاز نہیں۔ سوائے اس کے کوئی صورت نہیں ہوتی کہ فریقین آپس میں راضی ہو کر غلط بیانات دیں شہادت تبدیل کریں اور عدالت کو مجرم کی بریت کے لئے گنجائش پیدا ہو جائے۔ لیکن اسلام نے فوجداری کے آخری جرم قتل میں بھی راضی نام کی گنجائش رکھی ہوئی ہے۔ مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ قصاص میں دیت وصول کریں یا معاف کر دیں۔

فَمَنْ عَفَىٰ عَنْهُ شَيْءٌ فَاتَّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ

اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لئے تیار ہو تو معروف طریقے کے مطابق عمل ہونا چاہئے۔ مجرم کو مقتول کے ورثاء کے سپرد کر دینے میں ایک طرف یہ فائدہ ہے کہ ارادۂ قتل کرنے والا مجرم اپنا مستقبل خوب سوچ سکتا ہے اور ایسے خطرناک اور ظالمانہ فعل سے پہلے اسے سوبار سوچنا پڑے گا۔ دوسرے ورثاء معافی کا اختیار استعمال کر کے قتل در قتل کے انتقامی سلسلہ سے معاشرے کو بچا سکتے ہیں اور خود بچ سکتے ہیں۔ قانون کی اصل غرض و غایت جو قیام امن ہے معاشرے کو صرف اسی ایک صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

آدمیت احترام آدمی:

اسلامی قانون اور اسلام۔ مقنن کی سب سے بڑی امتیازی شان یہ ہے کہ اس نے انسانی جان کے احترام کا وہ معیار قائم کیا ہے۔ جس کی مثال دنیا کے کسی قانون میں نہیں ملتی **أَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ**..... بنیادی قانون کا اعلان کر کے ”خون شاہ رنگین تراز معمار نیست“ کا یقین دلایا اور پھر فرمایا کہ ایک قتل ناحق ساری دنیا کو قتل کر دینے کے برابر ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا

جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوائے کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ مومن کو ہتھیار سے اشارہ کرنا بھی انسان کو جہنمی بنا دیتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے کعبہ کو مخاطب کر کے مجمع عام میں فرمایا:

مَا أَطْيَبَكَ وَالطَّيِّبُ رِيحًا. مَا أَعْظَمَكَ وَأَعْظَمَ حَرَمَتِكَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بَيِّدُهُ لِحَرَمَةِ الْهُؤْمَنِ أَعْظَمَ عِنْدَ اللَّهِ

حَرَمَةُ مَنْكَ مَا لَهُ وَدَمُهُ وَإِنْ يَظُنُّ بِهِ خَيْرًا (بخاری)

تو کیسا سرسبز و شاداب اور تیری خوشبو کیسی خوش ہے۔ تو کیسا عظیم ہے اور تیری امت کس قدر بلند ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ یقیناً مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے بڑھ کر عظیم ہے اسی طرح اس کا مال اور اس کا خون۔ ضروری ہے کہ نیک ظن رکھا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آپ کے اس ارشاد نے انسانی جان کے اتلاف کا وہ خاص چور دروازہ بھی ہمیشہ کے لئے قطعاً بند کر دیا جو عقیدت کے پردوں کے پیچھے انسانی زندگی کے ہر نیک و بد دور میں برابر کھلا رہا ہے۔ اور لوگ اپنے اپنے زعم کے مطابق مقدس مقامات پر دشمن تو رہے ایک طرف اپنے فرزندوں تک کو ذبح کرتے رہے ہیں اور لعنت و نفریں کے بجائے اس درندگی پر تحسین و آفرین کے مستحق ٹھہرتے رہے ہیں۔

دنیا کے ہر قانون میں قانون کے تحت انتظامیہ کے کارکن کسی قتل کے الزام میں ایک شخص کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کر دیتے ہیں۔ عدالت اسے اس الزام سے بری قرار دے دیتی ہے۔ اس کے بعد انتظامیہ نے کبھی اصل قاتل کو تلاش نہیں کیا۔ کیا مقتول بھی اس فیصلہ کے بعد زندہ ہو گیا ہے؟ اور قتل قتل نہیں رہا؟؟ اسلام کا قانون ایسے ناقص انصاف کا قائل نہیں یہاں مجرم خود پیش ہوتا ہے اور پھر سب سے آخری عدالت کا فیصلہ اور فیصلے کا آخری دن بہر حال باقی ہے۔ یہ وہ نظام ہے جو ان فطری حقائق کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اور قائم رہنا اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔

ہزاروں ہزار درود و سلام ہوں اس محسن انسانیت کی مقدس ذات پر جس نے انسانی جان کی حفاظت اور امن امان کے قیام کے لئے صرف ایک بے مثال قانون ہی پیش نہیں کیا بلکہ اس مثالی قانون کے اجراء و نفاذ کے سلسلہ میں وہ وہ سہولتیں پیدا کیں، تحریکیں اٹھائیں اور اپنی پاک زندگی کے ایسے عملی نمونے پیش کئے جن سے یہ قانون خود بخود نفاذ و اجراء کی ایک فعال قوت بن گیا۔ ماننے والوں نے مجبور ہو کر نہیں مانا بلکہ مقنن کی موجودگی اور رہنمائی ہی میں اپنے نہ ماننے پر متأسف ہوئے اور دور انکار پر بچھڑتے۔ (رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا الْوَلَائِ كَانُوا مُسْلِمِينَ)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَٰةً تَامَّةً وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

ثریّا تبول (ایم۔ اے)

رسول اکرم ﷺ بحیثیت تاجر

یوں تو نوعِ انسانی کے بلند پایہ طبقوں میں ہزاروں لاکھوں انسان نمایاں ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگیاں اپنے بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے مشعلِ راہ اور نمونہ کے طور پر پیش کی ہیں مگر ان کی طویل فہرست میں سے انبیائے کرام کی سیرت ہی بطورِ خاص عوامِ الناس کے لئے اسوہ اور بہترین نمونہ ہیں۔ کیونکہ ان کی سیرتیں ہر لحاظ سے بے داغ اور ان کا دامنِ حسنِ اخلاق و کردار سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ پھر اس گروہِ انبیاء میں سے بھی حضرت محمد ﷺ کی سیرت سب سے زیادہ درخشاں اور تاباں ہے۔ جملہ انبیائے کرام اپنی امتوں کو وعظ و نصیحت فرماتے ہیں رہے۔ انہیں عذابِ الہی سے ڈراتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب اور انعامات کے حصول کے لئے ترغیب و تحریر دیتے رہے۔ بعض انبیاء نے اپنی امتوں کو ظالم و سفاک بادشاہوں کے پنجہ استبداد سے بھی نجات دلائی۔ مگر ان انبیاء کا دائرہ کار محدود تھا۔ وہ اس وعظ و نصیحت، انداز و تبشیر، ترغیب و تحریر یا بصورتِ بعض فرعون و نمرودی طاقتوں سے نجات و آزادی سے آگے نہ بڑھ سکی۔ لیکن حضرت محمد ﷺ کی ذات ہمہ صفت موصوف تھی۔ آپ کو تاباں و درخشاں شریعت دے کر اللہ تعالیٰ نے بہت سے اہم مناصب بیک وقت مرحمت فرمادیئے تھے۔ آپ ایک جلیل القدر پیغمبر اور نبی آخر الزمان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نظریاتی فلاحی ریاست کے بانی بھی تھے۔ اس طرح اگر آپ ﷺ مصلحِ اعظم تھے تو ایک بے نظیر سیاستدان بھی۔ قائدِ لشکر تھے تو عظیم فاتح بھی۔ اگر عظیم سربراہِ مملکت تھے تو بے عدیل قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بھی۔ اگر عدیم المثال تاجر تھے تو مہربان شوہر شفیق باپ اور مخلص دوست بھی۔ غرض آپ کی ذاتِ گرامی میں ہر قسم کی خوبیاں جمع ہو گئی تھیں۔ نبولین نے ٹھیک کہا ہے کہ عظماء تاریخ میں سے ہر ایک صرف کسی ایک گوشے میں عظیم ہوتا تھا، اور ایک آدھ خوبی کا مالک ہوتا تھا۔ مگر پیغمبر اسلام میں انسان عظیم کے تمام خصائص موجود تھے۔ آنحضور ﷺ کی سیرت کو خود اللہ تعالیٰ نے کامل ترین سیرت قرار دیا ہے۔ **إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ** (قلم)

اور بلاشبہ ایک کامل ترین سیرت ہی انسان کے لئے ایک بہترین اسوہ بن سکتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** (احزاب)

آنحضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ آپ ﷺ، معاشرے کی فلاح و بہبود اور اصلاح و تربیت کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ آزادی کے علمبردار، حریت فکر کے نقیب، باعزت زندگی کی طرف بلانے والے داعیِ اعظم اور اخوت و مساوات کے بانی مہمانی تھے۔

انسانی تاریخ کے تاریک ترین دور میں جزیرہ نمائے عرب جیسے غیر مہذب ملک میں پیدا ہوئے۔ جہاں کے مکین خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے جو تہذیب و تمدن اور شائستگی سے یکسر نا آشنا تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر ان میں معرکہ آرائیاں ہوتیں اور پھر مد تہائے دراز تک ان کا سلسلہ کہیں ٹوٹنے میں نہ آتا تھا۔ قتل و غارت، مار دھاڑ، لوٹ کھسوٹ ان کی رگ و پے میں خون کی طرح سرایت کر چکا تھا، وہ وحدت و یگانگت کے دشمن، قبائلی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حمیت و غیرت پر مر مٹنے والے۔ حکومت و تنظیم سے بالکل ناواقف، شجر و حجر، نجوم و قمر اور نام نہاد اصنام کے پجاری، اجڈ اور وحشی، علم و ہنر سے یکسر کورے تھے، زنا قمار بازی و شراب خوری کے قبیل کی ہر برائی ان میں تھی۔ ایسے ماحول اور ایسی فضا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا آپ نے انہیں بتوں کی پوجا پاٹ سے منع فرمایا۔ توحید اور اخوت و مساوات کی طرف دعوت دی۔ انہیں آزادی فکر و عمل سے بہرہ مند کیا۔ علم و معرفت اور تہذیب و تمدن سے آشنا کیا۔ انہیں اتحاد، تنظیم اور وحدت کی لڑی میں پرو دیا اور جسدِ واحد کی طرح متفق و منظم کر دیا۔ جن لوگوں نے آپ کی عوت پر لبیک کہی انہیں فرشتہ خصلت بنا دیا۔ آپ کے متبعین چمنستانِ حق کے وہ گلِ خوشبو تھے کہ ان ہی نے عظیم ترین راہبر و راہنما، مصلح و سپہ سالار پیدا ہوئے، جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد زمام حکومت سنبھالی اور جلد ہی روم و ایران کی عظیم مملکتوں کو زیر و زبر کر کے روئے زمین کے آدھے حصے پر الہی حکومت کا پھریرا لہرا دیا۔ انہوں نے علوم نقلی و عقلی کی مجلسیں اور محفلیں آراستہ کیں۔ جن سے بڑے بڑے مفسرین، محدثین، فقہاء، قاضیوں، فلسفیوں وغیرہ نے جنم لیا۔ اس طرح حضرت محمد ﷺ نے ایک عظیم امت کی تشکیل کی۔

بلاشبہ عظیم شخصیتیں ہی تاریخ ساز ہوتی ہیں کیونکہ تاریخ عظیم کارہائے نمایاں انجام دینے والوں اور صفحہ ہستی پر انمٹ نقوش کارِ کردگی ثبت کرنے والوں کے تذکرے کا ہی نام ہے۔ آپ سے پہلے روم و ایران کا نام تاریخ تھا۔ اور روئے ارضی پر انہی کا سکھ رواں دواں تھا۔ انہی کی تہذیب و تمدن، علوم و فنون کا ہر چاچر چا تھا، انہی کا ہر جگہ دبدبہ، رعب اور غلغلہ تھا۔ آپ اٹھے تو تاریخ کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف روم و ایران کی سطوت و شوکت کو ختم کیا بلکہ تمام اقوام عالم پر اپنی بالادستی قائم کر دی۔

اس مختصر سے مقالے میں حضرت محمد ﷺ کی شخصیت کے گونا گوں پہلوؤں میں سے ایک پہلو یعنی ”انسانِ اعظم بحیثیت تاجر“ پر قدرے تفصیل سے بحث کریں گے۔ کیونکہ ہمارے اس مضمون کا مرکزی نقطہ یہی ہے۔ اس پہلو پر گفتگو کرنے کے لئے ہمیں جزیرہ نمائے عرب کے ماحول پر نگاہ ڈالنی ہوگی، جو ایک بالکل بے آب و گیاہ علاقہ ہے۔ جہاں کھیتی باڑی کرنے یا مویشی پالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور چونکہ اس دور میں اہل عرب علم و ہنر اور فنون سے بھی نا آشنا تھے۔ اس لئے ان کے لئے معاش کے طور پر ایک پیشہ تجارت ہی بہترین قرار پاسکتا تھا۔ ویسے بھی جزیرہ نمائے عرب دنیا کے عین وسط میں ہونے کی بنا پر مختلف مملکوں کے درمیان ایک بہترین مقام اتصال تھا۔ اس لئے یہاں کے باشندوں کا عام پیشہ تجارت تھا۔ اور وہ تجارت کے سلسلہ میں دور دراز کے ممالک کی طرف سیاحتی کرتے رہتے تھے۔ ان کے تجارتی قافلے ایک جانب تو بحر ہند سے لے کر بحیرہ روم تک اور دوسری جانب جنوبِ عرب میں عمان و یمن سے لے کر شمال میں فلسطین و شام تک چلتے رہتے تھے، اس طرح یہ بڑی بڑی تجارتی شاہراہیں انہی کے قبضہ میں تھیں اور ان کے بڑے بڑے تجارتی کاروان مال و اسباب سے لدھے ہوئے آتے جاتے رہتے تھے۔ موسم گرما میں ان کے سفر شمال میں شام کی طرف ہوتے اور موسم سرما میں جنوب میں عمان و یمن کی طرف۔ آبادی کا بیشتر حصہ اسی تجارت پر گزر بسر کرتا، اپنا بیشتر سرمایہ تجارتی کاموں میں لگائے رکھتا۔ قافلوں کی واپسی پر منافع آپس میں تقسیم ہوتے۔

یہ تاجر پیشہ لوگ دوسرے باشندوں کی نسبت اور آسودہ تھے۔ ان میں سے قبیلہ قریش کا تجارتی مقام تو بہت بلند تھا، بلکہ وہ عرب کی پوری تجارت پر حاوی تھے جس کی شہادت قرآن کریم خود فراہم کرتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لَا يَلْفُ قُرَيْشٌ. الْفَهْمُ رَحْلَةُ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ (قریش)

(قریش کے خوگر ہونے کی بنا پر۔ یعنی اپنے جاڑے اور گرمی کے سفروں سے خوگر ہونے کی بنا پر)

عصر حاضر کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی فاضل کتاب ”رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی“ میں لکھتے ہیں۔ ”چین و عرب کی تجارت عرب ہی سے ہو کر یورپ جاتی تھی، قریش کا عرب کی تجارت پر حاوی رہنا، مصر و شام، عراق و ایران، یمن و عمان، حبش و سندھ وغیرہ سے انہوں نے جو تجارتی معاہدے (ایلاف) کر رکھے تھے اور ”رحلۃ الشتاء والصیف“ کے باعث شمال و جنوب کے جس طرح قلابے ملاتے رہتے تھے۔ وہ سب سب جانتے ہیں۔ (ص ۷۳)

حضرت محمد ﷺ (فداہ ابی و امی) نے خانوادہ قریش میں ہی آنکھیں کھولیں۔ اور اسی تجارتی ماحول میں نشوونما پائی۔ لہذا آپ تجارت جیسے مقدس پیشہ سے الگ کیسے رہ سکتے تھے۔ آپ کے چچا حضرت ابوطالب بھی تاجر تھے اور تجارت کے لئے دور دراز کے سفر اختیار کیا کرتے تھے۔ دادا کی وفات کے بعد انہوں نے آپ کی پرورش کا ذمہ اپنے کندھوں پر اٹھایا اور آپ کو اپنی اولاد سے بڑھ کر محبوب رکھا۔ اسی محبت کی بنا پر آپ کو اپنے ساتھ ان سفروں پر لے جانے لگے۔ آپ ﷺ پہلی بار بارہ ۱۲ سال دو ماہ کی عمر میں اپنے چچا ابوطالب کی معیت میں شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اسی سفر میں عیسائی (یا بقول بعض یہودی) راہب ’بجیرا‘ کی آپ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے حضور ﷺ کے پُر نور و پُر جلال چہرے پر علامات نبوت مرسم دیکھیں اور آپ کو آنے والے نبی کی پیشین گوئی کا مصداق پایا تو حضرت ابوطالب کو تاکید کی کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر عظیم انسان بنے گا۔ لہذا اسے شام کے یہودی دشمنوں سے بچایا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوطالب نے فی الفور آپ ﷺ کو مکہ واپس بھیج دیا۔

آپ کو تجارت سے بڑی دلچسپی تھی۔ آپ ﷺ اپنے پیارے چچا ابوطالب کے کندھوں کو جو پہلے ہی کثیر العیال تھے مزید گرانبار نہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے تجارت کو جاری رکھا۔ آپ اپنے تجارتی معاملات بڑی دیانتداری سے نبھاتے۔ راستبازی اور صدق و دیانت کا بڑا خیال رکھتے۔

کاروبار کی کامیابی اور اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے صدق و دیانتداری کے دوسیدھے سادھے اصول ہیں، بالفاظ دیگر راستبازی اور دیانتداری پر ہی دوکان تجارت کا چمکنا ممکن ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت محمد ﷺ جلد ہی اپنے اوصاف کی بنا پر مکہ کے کامیاب ترین تاجر ثابت ہو گئے۔ اور پوری قوم میں آپ ﷺ کا نام ’صادق‘ اور ’امین‘ مشہور ہو گیا۔ آپ کی راستبازی اور حسن کردار کا سکھ ہر فرد بشر کے دل پر بیٹھ گیا⁸⁹ اور مکہ کے بڑے بڑے

⁸⁹ آپ کی امانت و دیانت کی متعدد مثالیں ہمیں آپ کی سیرت مقدسہ میں نظر آتی ہیں۔ مثلاً نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد جب آپ کو اعلان توحید و اشکاف الفاظ میں سنانے کا حکم ہوا تو آپ کو وہ فاپر چڑھ گئے اور پوری قوم کو ندادی۔ جب عوام الناس اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک حملہ آور فوج چلی آ رہی ہے۔ تو کیا مجھ پر اعتماد کرو گے۔“ تمام مجمع بیک زبان پکارا۔ ”کیوں نہیں ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے۔“

قبیلہ اراش کے ایک شخص کا قصہ بڑا دلچسپ ہے۔ وہ کسی کام کے لئے مکہ آیا۔ اس کے پاس ایک اونٹ تھا۔ ابو جہل نے اس سے اونٹ کا سودا کر لیا۔ مگر قیمت ادا کرنے میں لیت و لعل کی۔ وہ مکہ میں اجنبی تھا۔ اس لئے یکے بعد دیگرے اشرف مکہ کی مجلس جمی ہوئی تھی، فوراً وہاں پہنچا۔ اور تمام اہل مجلس سے ابیل کی کہ مجھ جیسے بے آسرا مسافر کو کوئی شخص ابو جہل سے اونٹ کی قیمت دلادے۔ مگر تمام مجلس میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہو سکی۔ آخر ان میں سے ایک شخص ازراہ تفسیر بولا۔ محمد ﷺ (فداہ ابی و امی) کے پاس جاؤ تمہیں قیمت وصول ہو جائے گی۔ (ان دنوں ابو جہل کی عداوت رسول اپنے پورے جوہن پر تھی۔ وہ غریب فی الفور حضور ﷺ کے پاس پہنچا۔ اور ماجرا بیان کر کے مدد کی درخواست کی۔ آپ فوراً اس کے ساتھ چل دیئے ابو جہل کے مکان پر تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابو جہل نے دروازہ کھولا۔ اس شخص کو آپ کے ہمراہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تاجر اور مالدار یہ خواہش کرنے لگے کہ آپ ﷺ ان کے سرمایہ اپنے ہاتھ میں لے کر ان کے کاروبار چکائیں۔ آپ ﷺ کچھ دیر تک سائب بن قیس مخزومی کے سرمایہ سے تجارت کرتے رہے۔ بلکہ انہوں نے ہی آپ ﷺ کو تاجر امین کا لقب دیا تھا۔

ان دنوں مکہ میں سب سے زیادہ مال دار ایک معزز خاتون خدیجہ بنت خویلد تھیں۔ جو دوبارہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ انہوں نے باپ سے کثیر جائیداد ورثے میں پائی تھی۔ اور اب تمام تر توجہ تجارت کی طرف مبذول کر رکھی تھی۔ انہوں نے حضور کریم کی تعریف سنی تو خواہش ظاہر کی کہ آپ ﷺ ان کا سامان تجارت سرزمین شام کی طرف لے جائیں اور معاملہ یہ طے ہوا کہ وہ آپ کو دوسرے لوگوں کی نسبت دو گنا منافع دیں گی۔ انہوں نے اپنے غلام میسرہ کو بھی آپ کے ہمراہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت ابوطالب سے مشورہ کرنے کے بعد یہ پیش کش قبول کر لی اور میسرہ کے ہمراہ ۲۳ یا ۲۴ برس کی عمر میں دوسری بار شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ کو پہلے کی نسبت تگنا چکنا نفع حاصل ہوا۔ ساتھ ہی میسرہ نے آپ کے حسنِ معاملت اور صداقت و امانت کی چشم دید داستان سنائی تو حضرت خدیجہ آپ ﷺ سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ اپنی سسہیلی یا کنیز نفیسہ کے ہاتھ فی الفور آپ کو شادی کا پیغام بھجوادیا۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا سے مشورہ کرنے کے بعد بشر صدر ان کا یہ پیغام قبول فرمایا۔ اس طرح یہ بچیس سالہ نوجوان اپنے سے پندرہ برس بڑی خاتون سے جو پہلے دو دفعہ بیوہ ہو چکیں تھیں، رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گیا۔

نکاح کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنا سال مال حضور ﷺ کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ مگر آپ نے ان کا سارا مال غریبوں، یتیموں اور یتیموں کی امداد پر صرف کر دیا اور اپنی معاش تجارت کو برقرار رکھا۔ اسی سے اپنے کنبے کی گزر بسر کرتے۔

اس دورِ جاہلیت کا ایک واقعہ حضرت عبد اللہ بن الحساء سے منقول ہے، کہ بعثت سے قبل خرید و فروخت کے معاملے میں انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ وعدہ کیا کہ آپ یہاں ٹھہریں میں ابھی گھر سے قیمت لے کر آتا ہوں۔ مگر گھر جا کر وہ اپنے وعدے کو بھول گئے اور بات آئی گئی ہو گی۔ تیسرے روز اتفاقاً عبد اللہ کا گزر اسی مقام سے ہوا۔ تو دیکھا کہ آنحضور ﷺ اسی جگہ قیام فرماہیں۔ آپ کو دیکھ کر انہیں اپنا وعدہ یاد آیا تو آپ سے معذرت کی آپ ان سے ناراض ہوئے نہ ڈانٹ ڈپٹ کی، بس اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔ ”عبد اللہ تم نے مجھے بڑی زحمت دی ہیں، میں تین دن سے اسی جگہ کھڑا ہوں۔“ (ابوداؤد)

عرب میں ہر سال جو مشہور تجارتی میل منعقد ہوتے۔ تو حضور کریم ﷺ بھی اپنا سامان تجارت ان میلوں میں لے جایا کرتے آپ کی دیانتداری کی بنا پر آپ کا سامان میلے میں آتے ہی ہاتھوں ہاتھ بک جاتا۔ ایک دفعہ ایک میلے میں آپ بیس اونٹ لائے مگر اسی وقت کسی کام سے باہر جانا پڑ گیا، تو اپنے غلام کو تاکید کر گئے کہ ان اونٹوں میں سے ایک لنگڑا ہے۔ اس کی نصف قیمت وصول کی جائے۔“ فارغ ہو کر آپ واپس تشریف لائے تو اونٹ فروخت ہو چکے تھے۔ غلام سے دریافت فرمایا تو اس نے معذرت کی کہ مجھے خریداروں کو لنگڑے اونٹ کی بابت بتانا یاد نہ رہا۔ اور میں نے اس کی بھی

دیکھ کر اس کا رنگ فق ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس شخص کا حق اسے ادا کر دو۔ ابو جہل نے بے چون و چرا فوراً قیمت ادا کر دی۔ بعد میں ابو جہل نے شرکائے مجلس سے اعتراف کیا۔ ”اس شخص (محمد ﷺ) نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا وہ اس کی آواز سن کر یکایک مجھ پر ناقابل بیان رعب طاری ہو گیا۔ ف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پوری قیمت وصول کر لی۔ آپ نے خریداروں کا اتنا پتہ دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ یمن کی طرف سے آئے تھے۔ آپ ﷺ کو اس واقعہ پر بڑا ملال تھا، فوراً غلام کو ساتھ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی تلاش میں چل دیئے۔ ایک دن اور ایک رات کی مسافت طے کرنے کے بعد ان کو جالیا۔ اور ان سے پوچھا کہ تم نے یہ اونٹ کہاں سے خریدے ہیں۔ وہ بولے کہ ہمارے مالک نے ہمیں یمن سے میلے میں محمد ﷺ بن عبد اللہ کے تمام اونٹ خریدنے کے لئے بھیجا تھا اور تاکید کی تھی کہ اس کے سوا کسی اور سے کچھ سامان نہ خریدنا۔ ہم وہاں تین دن تک محمد ﷺ کے مال کو تلاش کرتے رہے۔ آخر تین دن کے بعد ان کا مال منڈی میں آیا۔ تو ہم نے اطلاع پاتے ہی خرید لیا، آپ نے فرمایا بھائیو! ان اونٹوں میں سے ایک اونٹ لنگڑا ہے۔ سودا کرتے ہوئے میرے ملازم کو بتانا بھول گیا۔ اب وہ اونٹ مجھے دے دو اور اس کی قیمت واپس لے لو، یا پھر اس کی ادھی قیمت مجھ سے وصول کر لو۔ اتفاق سے انہیں ابھی تک اونٹ کے لنگڑے پن کا علم نہ ہوا تھا، مگر آپ ﷺ نے وہ اونٹ فوراً پہچان لیا اور وہ اونٹ ان سے لے کر اس کی قیمت واپس کر دی۔ بعد میں جب آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو انہوں نے کہا ہم تو پہلے ہی سوچتے تھے کہ ایسا شخص کوئی معمولی آدمی نہیں ہو سکتا۔ فوراً خدمت اقدس میں پہنچے اور شرف اسلام سے بہرہ مند ہو گئے۔

یہ اسی راستبازی کا اثر تھا کہ لوگ اپنی قیمتی امانتیں بلا کھٹکے آپ کے پاس رکھ جاتے اور جب چاہتے صحیح سلامت واپس لے لیتے۔ اعلان نبوت کے بعد بھی آپ کے جانی دشمن اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھا کرتے۔ حتیٰ کہ ہجرت کی رات کو جب کہ اعداء اسلام نے ننگی تلواروں کے ساتھ آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو فرمایا۔ تم آج رات میرے بستر پر لیٹ جاؤ، اور کل ہر ایک کی امانتیں واپس کر کے مدینہ آجانا۔“

تجارت کی خاطر آپ نے بصری اور مدینہ کی جانب بھی کئی تجارتی سفر کئے اور انہی سفروں کے درمیان آپ ﷺ قریش کی تجارتی شاہراہوں کے ہر پیش و خم سے آگاہ ہو گئے۔ خصوصاً مدینہ کی سیاسی اور جغرافیائی حیثیت اچھی طرح سمجھ لی⁹⁰۔

چالیس برس کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا اور بتدریج آپ کے کندھوں پر تمام دنیا کی ہدایت و رہبری کا بوجھ ڈال دیا۔ اب آپ نے اپنی گونا گوں مصروفیات کی بنا پر تجارت کو خیر باد کہا۔ اپنے تمام تر قویٰ اور صلاحیتیں اپنے عظیم تر مشن یعنی تحریک اسلامی کی تبلیغ پر صرف کر دیں۔ اس نئی تحریک اور نئے دین کی تبلیغ میں تن و من دھن کی بازی لگا دی، آخر تیرہ سال کی زہرہ گداز اور جانگسل کشاکش کے بعد آپ مدینہ منورہ میں ایک فلاحی اسلامی مملکت کی داغ بیل ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس اسلامی ریاست میں تمدن کے ہر شعبے میں گونا گوں انقلاب انگیز اور روح پرور اصلاحات نافذ فرمائیں۔ جن کی بنیاد خدا ترسی، ایمان داری توحید و رسالت، راستبازی صدق و امانت اور آخرت میں جوابدہی کے احساس پر رکھی۔ اس طرح دین و دنیا، مذہب و سیاست، معیشت و معاشرت، اخلاق و اعمال حقوق اللہ و حقوق العباد غرض کہ ہر شعبہ زندگی کو رضائے الہی کے

⁹⁰ مدینہ سے واقفیت آپ کے لئے بعد از نبوت مدنی دور میں بڑی اہم ثابت ہوئی، اسی کی بنا پر آپ کو مدینہ جاتے ہی اہل مکہ کو مرحوب کرنے اور فوری دباؤ کی پالیسی بنانے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ دوسری طرف تاجر بن کر کاروانوں میں شریک رہنے کی بنا پر آپ ﷺ قریش کے بڑے بڑے تجارتی ذرائع سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ چنانچہ مدنی دور میں بڑی سوجھ بوجھ اور دُور اندیشی سے غلامی کی گردی کی مہمات اطراف عرب میں کامیابی سے بھیجتے رہے۔

تابع کر دیا۔

اس دور میں آنحضور ﷺ نے ایک انقلابی ضابطہ اخلاق مقرر فرمایا یہ ضابطہ اخلاق اتنا تابندہ و درخشندہ ہے کہ اس کے کسی اصول یا قانون پر کسی کو انگلی اٹھانے یا حرف گیری کرنے کی مجال نہیں اور اس پر عمل پیرا ہونے سے کسی قوم مالی بحران پیدا نہیں ہو سکتا۔ زراعت یا کسی دوسرے ذریعہ معاش کی نسبت آپ تجارت کو بہت پسند فرماتے تھے⁹¹۔

آپ سے ایک بار سوال ہوا کہ کونسی کمائی پاکیزہ ترین ہے؟ فرمایا ”اپنے ہاتھوں سے کام کرنا اور ہر حلال و جائز بیع۔“ (احمد عن رافع بن خدیج)

”دینی فرائض کی بجا آوری کے بعد سب سے بڑا فرض حلال طریقے سے اپنی معاش حاصل کرتا ہے۔“

تجارت میں حلال اور جائز ذرائع اختیار کرنے پر بڑا زور دیا اور ہر طرح کے ناجائز کاروبار سے منع فرمایا۔ ایک بار ایک شخص کا ذکر کیا جو سفر پر سے آ رہا ہو۔ سفر کی وجہ سے گرد و غبار میں اٹا ہوا اور پر آگندہ بال ہوں۔ وہ ہاتھ اٹھا کر آواز بلند بارگاہ الہی سے التجا کرے ”اے میرے رب“۔ ”اے میرے رب“ حالانکہ اس کا کھانا پینا، اوڑھنا پچھونا اور خوراک و لباس سب حرام آمدنی کے ہیں سو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟“ (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

تجارت میں حسن معاملہ، صداقت و دیانت اور راستبازی کی ہر دم تاکید و نصیحت فرماتے رہتے فرمایا ”قیامت کے روز تاجر فجار کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے۔ بجز اس تاجر کے جو اپنے معاملات میں خدا ترس رہا۔ لوگوں سے حسن سلوک کیا اور ہر معاملہ میں سچائی کا دامن تھامے رکھا۔“ (عن عبید بن رفاع)

ایک گندم کے ڈھیر کے پاس سے گزرے، اس میں ہاتھ ڈال کر دیکھا و آپ کی انگلیاں نم آلود ہو گئیں۔ فرمایا۔ ”اے گندم کے مالک یہ کیا بات ہے؟“ عرض کی ”یا رسول اللہ گندم بارش سے بھیگ گئی تھی۔“ یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ ”تو تو نے اس گیلی گندم کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہ رکھا تا کہ خریدنے والے اس کو دیکھ سکتے۔ یاد رکھ جس نے دھوکہ فریب سے کام لیا۔ اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔“ (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

اس طرح آپ نے ملاوٹ و جعل و فریب اور دھوکہ دہی کی ہر قسم کو منع قرار دیا۔ کسی عیب دار چیز کا عیب گاہک کو بتائے بغیر اسے فروخت کرنے سے روکتے ہوئے فرمایا:

”جو شخص کوئی عیب دار چیز اپنے گاہک کو مطلع کرنے کے بغیر فروخت کر دے تو اس پر اللہ تعالیٰ ناراض رہتا ہے اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔“

اسلام جس قسم کا سماج پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کی اہم خصوصیت یہ ہے تو ایک طرف تو لوگوں کو مکارم اخلاق کی تکمیل پر ابھارتا ہے۔ ان مکارم اخلاق کی بنیاد اگر ایک طرف وہ اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کی جو ابدی کے احساس پر قائم کرتا ہے تو دوسری طرف لوگوں کو اپنے حقوق سے زیادہ،

⁹¹ بیع کرنے والوں کا نام سب سے پہلے آپ نے ”تاجر رکھا“۔ پہلے انہیں ”ساسرا“ کہا جاتا تھا اور اس نے نام کو لوگوں نے بہت پسند کیا۔

دوسروں کے حقوق کا لحاظ رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ ساتھ ساتھ اس کے دل سے خود غرضی اور مادی فائدوں کی نسبت نکالنے کے لئے اخروی سزاؤں سے بھی ڈراتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کاروباری معاملات میں کوتاہی کرنے والوں کو جسمانی سزائیں دینے، جرمانہ کرنے یا قید و بند کی دھمکیاں دینے کی بجائے اپنے پیروؤں کو ہر وقت حشر اور اس کی باز پرس کی یاد دہانی میں مصروف رہتے۔ آپ نے ہمیشہ اللہ کی ناراضگی اور اخروی سزاؤں کا خوف تاجروں کے ذہنوں میں پیدا کیا۔ چنانچہ بلیک مارکیٹنگ جس میں خود غرض بندہ زہر اپنی ہوس زر کی تسکین بہم پہنچانے کے لئے ارزاں نرخوں پر بنیادی ضروریات زندگی خرید کرتے ہیں پھر ان کو ایک دم کھلے بازار سے غائب کر دیتے ہیں۔ بعد میں چور بازاری میں ان کو مہنگے داموں فروخت کر کے اپنی تجوریاں بھر لیتے ہیں اس چور بازاری کے متعلق آپ نے فرمایا:

”جو شخص چالیس دن کے لئے غلہ روک لے، چاہے بعد میں اسے خیرات بھی کر دے تب بھی اس کے گناہ کا کفارہ ادا نہیں ہو سکتا“ اور ”جو شخص مسلمانوں کا غلہ روک لے تو اسے اللہ تعالیٰ جدام (بدنی ابتلاء) اور افلاس (مالی نقصان) میں مبتلا کر دے گا۔

سٹہ بازی کی قبیح لعنت بھی کم و بیش ہر تاجر میں پائی جاتی ہے، آپ ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ”جو شخص کسی سے کوئی چیز ادھار خریدے، پھر اس پر پوری طرح قبضہ کیے بغیر اسے آگے فروخت نہ کرے، ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور نے جس بات سے منع فرمایا وہ یہ ہے کہ غلہ پر قبضہ ہونے سے پہلے ہی اسے فروخت کیا جائے۔ اور میرے خیال میں ہر چیز کا معاملہ یکساں ہے۔ (متفق علیہ)

کاروباری امانت و دیانت سے اگر شخص اخلاق بہت بلند ہو جاتا ہے تو دوسری طرف یہ چیز سماج کی تعمیر ترقی اور بقا کے لئے بھی بہت ضروری ہے، یہ صاف ستھری تجارت جس میں انسان ہر قسم کے مادی نفع و نقصان سے بالاتر ہو کر امانت داری کے اصولوں کو اپناتا ہے۔ یہ اس کے لئے دنیا میں ہر اعتبار سے مفید رہتی ہے۔ اسی سے باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ بائع اور خریدار چاہے فرد کی سطح پر ہوں یا گروہوں یا قوموں کی سطح پر، ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے ہیں اور بالآخر یہ بھروسہ اور اعتماد کی فضا ہی تاجروں کی ساکھ اور شہرت کو قائم کر کے ان کے لئے خوشحالی اور ترقی کے دروازے کھولتی ہے۔ اخروی لحاظ سے بھی دیانتدار تاجر ہی کامیاب ترین ثابت ہو گا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”امانت دار اور راست باز تاجر قیامت کے روز صدیقیوں اور شہیدوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔“

اس کے برعکس تجارتی معاملات میں بددیانتی اور کروہار میں لوگوں سے دھوکہ فریب اگر ایک طرف خود انسان کو مادہ پرست اور پست اخلاق بناتا ہے تو دوسری طرف اس کی زد قوم کے ہر فرد بشر پر پڑتی ہے۔ جب یہ ذہنیت پروان چڑھنے لگتی ہے کہ تاجر اپنا حق پورا وصول کرنے اور دوسروں کا حق مار لینے کو ہی اپنا فائدہ سمجھتا ہے تو اس سے بے شمار اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اور زندگی کا پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ آپس کا بھروسہ و اعتماد جاتا رہتا ہے۔ تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ ہر شخص دوسرے سے بڑھ کر بے ایمانی اور بد معاہدگی کرنے پر ٹٹل جاتا ہے۔ اور پھر یہ برائی ہر قدم پر دوگنی او چوگنی ہوتی ہے، بالآخر پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک ملاوٹ ہی کو لیجیے۔ جس سے ایک مفید اور خاص چیز عمداً اپنی ذاتی مفاد کی خاطر مضر اور مسموم بنا کر تاجر عوام کی صحت پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور عوام کو صنعت کاروں اور کارخانہ داروں کے خلاف اکساتے ہیں۔ جس سے امیر و غریب کی طبقاتی جنگ پیدا ہوتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسی لئے آپ نے بطور اہم اصول و قانون کے مسلمانوں کو وزن و تول وغیرہ کا پورا پورا خیال رکھنے کا حکم دیا۔

أَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذَالِكْ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (بنی اسرائیل ۳۵)

(بیانے سے دو توپورا بھر کر دو۔ اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو، یہ اچھا طریقہ ہے اور ملحوظ انجام بھی بہر ہے)

اس کے برعکس ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کو سخت عذاب کی وعید سنائی۔ تجربہ شہد ہے کہ انفرادی و اجتماعی ہر لحاظ سے تقویٰ پیدا کرنا اور

آخری عذاب سے بچنے کی تلقین و ترغیب دلوں کے اندر پیدا کرنا سخت جسمانی سزاؤں اور مالی جرمانوں سے کہیں موثر ثابت ہوتا ہے۔

وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ. الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوا لَهُمْ أَوْ وَزَنُوا لَهُمْ يُخْسِرُونَ. أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ

أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ. (تطفیف، آیت 1-6)

(ہلاکت ہے (ناپ تول میں) کمی بیشی کرنے والوں کے لئے کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں۔ اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا

کر دیں۔ کیا انہیں اس بات کا یقین نہیں کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے ایک بڑے سخت دن جس دن کہ لوگ اپنے رب کے روبرو کھڑے ہوں گے۔)

چنانچہ آپ کبھی کبھی بازار نکل جاتے، اور اوزان اور پیمانوں کی دیکھ بھال کرتے (بعد میں اسی بناء پر یہ چیز اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل ہو

گئی کہ وہ ہر قسم کی بددیانتی اور بے ایمانی کو روکے) آپ خرید و فروخت میں زیادہ قسمیں کھانے کو بڑا ناگوار سمجھتے اور نصیحت فرماتے: **إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ**

الْخَلْفِ فِي الْبَيْعِ فَإِنَّهُ يَنْفَقُ ثُمَّ يَمْتَحِقُ (مسلم عن ابی قتادہ) (یعنی بیچ میں زیادہ قسمیں کھانے سے احتیاط برتو، کیونکہ اس طرح مال تو بک

جاتا ہے، مگر برکت جاتی رہتی ہے۔)

مسلم کی دوسری روایت میں ابوذر سے مروی ہے کہ جھوٹی قسموں سے اپنا سامان بیچنے والے شخص کی طرف اللہ تعالیٰ روز قیامت قطعاً نظر التفات

نہ فرمائے گا، نہ ان سے کلام کرے گا، نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ آپ تجارت میں ہمیشہ نرم روی، احسان کرنے اور درگزر کرنے کی تلقین

فرماتے۔ آپ نے بیان فرمایا کہ پہلی امتوں میں سے ایک شخص فوت ہونے لگا۔ ملک الموت نے اس کی روح قبض کرتے وقت اس سے پوچھا۔ ”تم نے

کبھی کوئی نیک کام کیا ہے؟“ وہ بولا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ فرشتہ بولا غور کرو، اس نے عرض کی۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ میں تجارت میں لوگوں سے حسن

معاملہ سے پیش آتا۔ امیر کو مہلت دیتا اور نادار کو معاف کر دیتا۔“ تو اللہ نے اسے اسی عمل کے بدلے جنت میں داخل کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ ”میں اس سے زیادہ معاف کرنے کا سزاوار ہوں۔ اس لئے میرے بندے سے درگزر کرو۔“

آپ ﷺ کا ذاتی اسوہ:

سعید بن قیس کا بیان ہے کہ میں نے اور خرمہ عبدی نے ہجر سے کچھ کپڑا خریدا اور مکہ میں فروخت کرنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس

سے گزرے ہم سے کچھ پاجاموں کا سودا کیا۔ وہاں قریب ہی ایک شخص مزدوری پر کچھ تول رہا تھا۔ آپ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا **زَنَ وَارْجَحْ** تولو

مگر دیکھو جھکنا تو لنا۔ (راوی کا بیان ہے کہ اس سے پہلے ہم نے ایسا عمدہ کلام نہیں سنا تھا)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضرت جابر بیان کرتے ہیں، میرا کچھ قرض حضور اکرم ﷺ کے ذمے واجب الادا تھا۔ آپ نے مجھے قرض بھی ادا کیا اور کچھ مال مزید بھی۔
(بطور شکریہ و امتنان) مرحمت فرمایا۔ (ابوداؤد)

عبداللہ بن ابی ربیعہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے مجھ سے چالیس درہم قرض لیے۔ جب آپ ﷺ کے پاس مال آیا تو آپ ﷺ نے مجھے قرض ادا کر دیا اور دعا فرمائی اللہ تعالیٰ تیرے اہل و عیال اور مال و منال میں برکت دے قرض کا عوض شکریہ کے ساتھ ادا ہو جائے۔ (نسائی)
ایک شخص نے رسالت مآب ﷺ سے اپنے قرض کا تقاضا کرتے ہوئے کچھ درشت کلامی کی۔ جو صحابہ کرام کو بڑی ناگوار گزری۔ مگر آپ نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو۔ صاحب مال کو بولنے کا حق ہے۔ اسے ایک اونٹ خرید کر دے دو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس نے آپ کو جو اونٹ دیا تھا ہمیں ویسا مل نہیں رہا البتہ اس سے عمدہ مل سکتا ہے۔ فرمایا وہی خرید کر دے دو تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو ادائیگی میں اچھا ہے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس ایک غلام حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے دست مبارک پر ہجرت کی بیعت کی۔ (آپ کو اس کے غلام ہونے کا علم نہ تھا) بعد میں اس کا آقا آیا۔ اور آپ ﷺ سے اپنے غلام کا مطالبہ کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے اسے خرید لینے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ بمشکل دو حبشی غلاموں کے بدلے اسے فروخت کرنے پر آمادہ ہوا۔ آخر آپ ﷺ نے اسے دو غلاموں کے بدلے میں خرید لیا۔ اور آئندہ کے لئے جب بھی کسی سے بیعت لیتے تو اس سے پوچھ لیتے آیا آزاد ہے یا غلام۔

مدینہ میں ایک تجارتی قافلہ وارد ہوا۔ اور شہر سے باہر ٹھہرا۔ اتفاقاً حضرت اُدھر سے گزرے۔ آپ نے ایک اونٹ کا سودا کر لیا اور یہ کہہ کر اونٹ لے آئے کہ ابھی قیمت بھجوائے دیتا ہوں۔ بعد میں قافلے والوں کو تشویش ہوئی کہ بغیر کسی تعارف کے معاملہ کر بیٹھے۔ اس پر سردار قافلہ کی خاتون بولی۔ ”مطمئن رہو میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا۔ جو چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن تھا۔ اس جیسا شخص کبھی تمہارے ساتھ بد معاملگی نہ کرے گا اگر بالفرض وہ رقم ادا نہ کرے تو مطمئن رہو میں اپنے پاس سے رقم ادا کر دوں گی۔“ یہ واقعہ طارق بن عبد اللہ بن بیان کیا جو خود شریک قافلہ تھے۔ بعد میں حضور ﷺ نے طے شدہ اور قیمت سے زیادہ مقدار میں بھجوریں بھجوا دیں۔

عبدالرحمن عاجز

رہِ خلد ہے راہِ کوئے محمد ﷺ

ہر اک لب پہ ہے گفتگوئے محمد ﷺ	ہر اک دل میں ہے آرزوئے محمد ﷺ
فرشتوں میں پائی نہ انساں میں دیکھی	جہاں سے زالی ہے خوئے محمد ﷺ
گر قنار جن کی ہے جانِ دو عالم	وہ ہیں گیسوئے مشکبوئے محمد ﷺ
یہ دل چاہتا ہے وہ لب چوم لوں میں	کہ جس لب پہ ہو گفتگوئے محمد ﷺ
برسنے لگی مجھ پہ رحمتِ خدا کی	چلا جھوم کر جب میں سوئے محمد ﷺ
ہو میدانِ محشر کہ فردوسِ اعلیٰ	رہوں ہر گھڑی رو بروئے محمد ﷺ
مسلمان سب کٹ مریں غم نہیں ہے	نہ جائے مگر آبروئے محمد ﷺ
ہو مسکن مرا یا الہی! مدینہ	ہو مدفن مرا خاکِ کوئے محمد ﷺ
خدا کی قسم شک نہیں اس میں عاجز	رہِ خلد ہے راہِ کوئے محمد ﷺ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حفیظ الرحمن احسن

مطالعہ سیرت نبوی ﷺ کی ضرورت و اہمیت

مطالعہ سیرت نبوی، علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی ضرورت و اہمیت پر گفتگو باہر تحصیل حاصل معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج ہم جس طرح اس فریضہ سے غفلت برت رہے ہیں وہ محض اس وجہ سے ہے کہ اس کی حقیقی ضرورت و اہمیت کا احساس ہمارے دلوں سے محو ہو گیا ہے۔ ہماری زندگیوں کی نہج کچھ ایسی بن گئی ہے کہ ہمیں اس اہم خلاء کا احساس بھی کم ہوتا ہے جو ہماری زندگیوں میں مطالعہ سیرت کے فقدان یا کمی کی بناء پر پیدا ہو گیا ہے اور جس کی وجہ سے ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کی تشکیل و تعمیر کے لئے حقیقی روشنی اور رہنمائی کے سرچشمے سے محروم ہو گئے ہیں۔ اور یہ وہ محرومی ہے جس کا ذمہ دار خود ہمارے اپنے سوا کوئی نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے مطالعہ کی ضرورت و اہمیت ایک وسیع موضوع گفتگو ہے۔ جس کو کسی مختصر تحریر میں سمیٹنا مشکل ہے تاہم راقم الحروف کی یہ کوشش ہوگی کہ وہ اس موضوع کے کچھ اہم پہلو آئندہ سطور میں پیش کر سکے۔

(۱)

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و کردار اور سیرت و شخصیت کے بارے میں قرآن مجید کی، اور درحقیقت خدائے بزرگ و برتر کی شہادت یہ ہے کہ آپ ﷺ اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں۔ سورۃ القلم آیت ۴ میں ارشاد ہوا ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (اور آپ کے اخلاق بہت اعلیٰ ہیں)

اور پھر اسی پر کیا موقوف ہے پورا قرآن حضور ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کی زندہ شہادت اور تفسیر ہے۔ مشہور روایات کے مطابق، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ یعنی قرآن آپ ﷺ کا اخلاق ہے۔ اسی بناء پر حضور ﷺ کو قرآن ناطق کہا گیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کس قدر عظیم اور انسانیت کے کس قدر ارفع و اعلیٰ مرتبے پر فائز تھی۔ اس امر کو ملحوظ خاطر رکھ کر اب اس حقیقت پر نگاہ ڈالیں کہ انسانی زندگی دراصل عمل سے عبارت ہے۔ یہ عمل انفرادی زندگی کے دائرے میں ہو تو آدمی کی سیرت و کردار اور افکار و خیالات کی عکاسی کرتا ہے اور اجتماعی زندگی میں یہ معاملات، معاشرت، تمدن، سیاست اور بین الاقوامی تعلقات کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ زندگی کے ان دوداروں میں انسان کے اندر ایک ایسے معیار کی فطری طلب اور احتیاج رکھی گئی ہے جس کے مطابق وہ اپنے افکار و اعمال کو ڈھال کر ایک بہتر اور کامیاب زندگی کی طرف بڑھ سکے۔ چنانچہ اس کی یہ فطری احتیاج اس کے اندر انسانوں میں سے کسی ایسی ہستی کی تلاش و جستجو کو جنم دیتی ہے جو اپنی ہر ادا میں مثالی سیرت و اخلاق کا مجسمہ اور حسن عمل کی منہ بولتی تصویر ہو، جس کی ذات میں زندگی کی جملہ خوبیوں اور بھلائیوں کو متشکل دیکھا جاسکے۔ جس کے افکار و اعمال کی میزان کو ہاتھ میں لے کر، اور اس کے ان افکار و اعمال کے اجتماعی ظہور کے خدوخال کو مثال بنا کر شخصی، معاشرتی اور تمدنی زندگی کی تعمیر کی جاسکے۔ انسان کی اس فطری طلب و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

احتیاج کی تسکین کو مد نظر رکھ کر جب ہم تاریخ انسانی کے اوراق پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو صرف ایک ہی شخصیت ایسی نظر آتی ہے جو انسان کی اس طلب کا صحیح ترین اور مکمل ترین جواب ہے اور جس کی ذات ہی دراصل انسانیت کا کامل ترین معیار ہے، خالص، بے لاگ اور بے مثل!

یہ شخصیت نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے، جس کا تعارف خود خالق کائنات نے اسے صاحب خلق عظیم کہہ کر کرایا ہے۔

کیسی انوکھی شخصیت اور بے مثال ذات گرامی ہے وہ کہ قرآن مجید اس کو لوگوں کے سامنے مثالی شخصیت و کردار کی حیثیت سے پیش کرتا ہے، ایک صاحب ایمان جب اس سوال کا جواب چاہتا ہے کہ اس کامل و اکمل ہستی کا اخلاق و کردار کیا ہے تو جواب میں اس کے سامنے اسی قوم کو پیش کیا جاتا ہے کہ یہ عظیم کتاب ہی اُس صاحب خلق عظیم کا اخلاق ہے۔ گویا یہ بتایا گیا کہ اگر تمہیں قرآن عظیم کے معانی کا ادراک کرنا ہے تو نبی عربی ﷺ کے اوراقِ زیست کا مطالعہ کرو، اور اگر تم سیرت و اخلاقِ محمدی ﷺ کے جو یا ہو تو قرآن کے صفحات و آیات کا مطالعہ کرو۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص قرآن کو صاحب قرآن کے بغیر سمجھنا چاہے تو یہ محض ایک خود فریبی اور فسادِ فکر و نظر ہے اور اگر کوئی شخص قرآن کے اسرار و معانی تک رسائی حاصل کیے بغیر صاحب قرآن کی سیرت و کردار کے محاسن کی جلوہ افرونیوں کا نظارہ کرنا چاہتا ہے تو یہ بھی محض ایک خام خیالی ہے۔ قرآن اور صاحب قرآن میں سے کسی ایک سے بے نیاز ہو کر ہدایتِ ربانی کی متاعِ گراں کسی طالبِ ایمان کے ہاتھ نہیں آسکتی۔ اس لئے یہ ناگزیر امر ہے کہ طالبانِ رشد و ہدایت صاحب قرآن کے بلند پایہ اخلاق و عادات، بے مثل سیرت و کردار اور ارفع و اولی افکار و تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کریں اور اس سے اپنے قلوب و اذہان کو منور کرنے کا سامان کریں۔

(۲)

سورہ احزاب میں ارشاد ہوا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (احزاب: ۲۱)

در حقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یومِ آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، انسان کی یہ ایک فطری ضرورت ہے کہ وہ انفرادی سیرت کی تعمیر اور اجتماعی معاملات کی صورت گری کے لئے کسی معیاری اور مثالی شخصیت کے عملی نمونے کا طالب ہوتا ہے قرآن مجید نے ان لوگوں کے سامنے نبی ﷺ کی زندگی کو بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ جو خدائے واحد پر ایمان لائے ہوں آخرت میں اس کے سامنے کھڑا ہونے پر یقین رکھتے ہوں اور زندگی کی مہلتِ عمل کو اس کی یاد دلوں میں تازہ رکھتے ہوئے اور اس کی عطا کردہ ہدایت کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے گزارنے کا عزم و ارادہ رکھتے ہوں۔ اس طرح حضور اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے اپنی دعوت کے آغاز سے لے کر آج تک اسلامی معاشرے کی مرکزی اور بنیادی شخصیت ہیں، اور ہمیشہ رہیں گے۔ حضور ﷺ کے اس مقام و مرتبہ کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اگر کسی فرد یا گروہ افراد کی زندگیوں کو بعض خاص اصولوں کے مطابق ڈھالنا مقصود ہو اور ان کی شخصیتوں کی تعمیر کسی خاص نظام فکر کے مطابق کرنا مطلوب ہو تو ان افراد کے سامنے محض ان خاص اصولوں اور نظریوں اور افکار و تعلیمات کو (خواہ وہ کتنی ہی تفصیل کے ساتھ کیوں نہ ہوں) پیش کر دینا کبھی کافی نہیں ہوتا۔ اس غرض کے لئے ان کے سامنے کسی ایسے عملی نمونے کا موجود ہونا ضروری ہے۔ جس کی ذات کے اندر وہ ان اصولوں اور نظریوں کو عملاً جلوہ گرد دیکھ سکیں اور ان افکار و تعلیمات کی عملی کار فرمائی کا مشاہدہ وہ اس شخصیت کے واسطے سے کر سکیں۔ جب تک ایسی ایک شخصیت سامنے نہ ہو آدمی کو بہت سے اصول محض قوتِ تخیل کی کرشمہ سازی ہی نظر آئیں گے اور ان کو عملی جامہ پہنانا ایک امر حال معلوم ہو گا۔ لیکن جب ایک شخصیت ان اصول و تعلیمات کا عملی پیکر بن کر سامنے آئے گی تو انسانی ذہن خود بخود ان کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو گا اور ان کے قابلِ عمل ہونے کے بارے میں کسی تشکیک کا شکار نہیں ہو گا۔ پس اسلامی نظام فکر اور ربانی نظریہ زندگی کے مطابق انسانی سیرت و کردار کی صورت گری کے لئے جس عملی نمونے کی ضرورت تھی وہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی ذات گرامی سے پیش فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس نعمتِ ہدایت کی تکمیل حضور ﷺ پر فرمائی اس کے مطابق قلوب و اذان کی تطہیر اور اخلاق و کردار کی تعمیر کا واحد ذریعہ خود آنحضور ﷺ کا اپنا نمونہ عمل ہے۔ چنانچہ رضائے الہی کی منزل کو پانے اور قرآن کا انسان مطلوب بننے کے لئے ناگزیر ہے کہ ہر مومن مرد اور عورت نبی ﷺ کی سیرت مبارکہ سے کما حقہ آگاہی حاصل کرے اور اس کی روشنی میں اس طرح زندگی بسر کرے کہ گویا زندگی کے ہر مرحلے اور ہر معاملے میں آنحضور ﷺ خود اس کی رہنمائی فرما رہے ہیں۔

اس ضمن میں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ اگرچہ اہل ایمان کے لئے حضور ﷺ کی زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دینے کے مفہوم میں یہ بات آپ سے آپ شامل ہے کہ اس اسوۂ حسنہ کی پیروی بھی ہونی چاہئے لیکن قرآن مجید میں اس کو وضاحت اور صراحت کے ساتھ لازم قرار دیا گیا ہے کیونکہ حضور ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے اور آپ ﷺ کی اتباع اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ یعنی حضور ﷺ کی زندگی ایک مثالی زندگی ہونے کی وجہ سے محض قابلِ تقلید ہی نہیں ہے بلکہ واجبِ تقلید بھی ہے اور اہل ایمان کے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ حضور ﷺ کو محض ایک عظیم الشان شخصیت اور انسانیت کے لئے بہترین نمونہ تسلیم کر لیں بلکہ ان کے لئے اس بات کا ماننا اور اس پر عمل پیرا ہونا بھی اشد ضروری ہے کہ حضور ﷺ کی اتباع اور اطاعت ہی دراصل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران: ۳۱)

(اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا۔)

اور

وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ۸۰)

(جو شخص رسول کی اطاعت کرے گا بیشک اس نے خدا کی اطاعت کی)

چنانچہ جس ہستی کی اطاعت احکامِ الہی کی اطاعت کا واحد راستہ اور جس کی اتباع خدائے کریم کی خوشنودی کا واحد ذریعہ ہے اس کے پورے کارنامہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حیات کے گہرے علم اور اس کی تعلیمات و ہدایات سے مکمل آگہی کے بغیر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بن سکے اور رضائے الہی کے حصول کی منزل مراد کو پہنچ سکے۔

(۳)

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَسَطًا لِتَكُوْنُوْا شٰهَدًا عَلٰى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْنٰكُمْ شٰهِيْدًا ط

”اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک ”امت وسط“ بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو۔“

اس آیت شریفہ میں اُمتِ مسلمہ کو ”امت وسط“ قرار دیا گیا ہے، اور امت وسط کی حیثیت سے اس کا بنیادی فریضہ لوگوں پر حق کی شہادت قائم کرنا ہے۔ نیز یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا منصب اس اُمت کے اوپر حق کی شہادت قائم کرنا ہے۔

معلوم ہوا کہ شہادتِ حق کا جو کٹھن فریضہ حضور ﷺ نے اپنی پوری حیاتِ مبارکہ میں انجام دیا، بعینہ وہ فریضہ حضور ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت پر عائد ہوتا ہے اور اس کے امت وسط ہونے کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنے فریضے کو ادا کرے۔ اگر وہ اپنے اس اہم اور بنیادی فریضے کو ادا نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس جرم میں پکڑی جائے گی کہ اس نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کی، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تمام لوگ الٹا اس کے خلاف گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جائیں جن تک دینِ حق کا صحیح پیغام اس کی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے نہ پہنچ سکا ہو گا، بلکہ اس صورت میں تو اس کا یہ جرم، کہیں زیادہ سنگین نوعیت اختیار کر جائے گا جب کہ دینِ حق کی صحیح شہادت ادا کرنا تو ایک طرف اس امت کے بعض افراد یا گروہوں کا غلط طرزِ عمل خدا کے سچے دین کی غلط نمائندگی کرنے اور اس طرح لوگوں کو اس سے برگشتہ کرنے اور دُور ہٹانے کا سبب بنا ہو۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر ہم نبی آخر الزمان ﷺ کے اُمتی ہونے کی بنا پر ایک طرف ایک عظیم سعادت سے مشرف ہوئے ہیں تو دوسری طرف ایک بڑی بھاری ذمہ داری کا بوجھ بھی ہمارے کندھوں پر ڈالا گیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اس سعادت کے سزاوار ٹھہرتے ہی اُس صورت میں ہیں جبکہ ہم اپنی ذمہ داری کو مکمل حق سمجھیں اور شہادتِ حق کے اس فریضے کو کمالِ احساسِ ذمہ داری کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کریں جو اُمتِ مسلمہ میں شامل ہونے کی وجہ سے ہمارے اوپر عائد ہوتا ہے۔ اس فریضے سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہماری اولین ضرورت یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ خاص طور پر اس رُخ سے کریں کہ حضور ﷺ نے اپنے قول و فعل سے شہادتِ حق کا یہ گراں بار فریضہ کیسے ادا کیا۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی بحیثیت داعیِ حق اور شاہدِ حق کے کن کن مراحل سے گزری ہے اور ہر مقام و مرحلہ پر حضور ﷺ نے بندگانِ خدا پر کس طرح حق کی شہادت قائم فرمائی۔ انفرادی دعوت سے لے کر اسلامی نظامِ حکومت کے قیام تک حضور ﷺ نے کن کن طریقوں سے لوگوں کو خدا کے دین کی طرف بلایا، اپنی شخصی زندگی سے اس دین کی نمائندگی کیسے فرمائی اور بالآخر کس طرح زندگی کا اجتماعی نظام اس دین کے مطابق قائم کر کے شہادتِ حق کی تکمیل فرمادی۔ ان سب چیزوں کا تفصیلی مطالعہ کیے بغیر نہ ہم شہادتِ حق کے وسیع تر تقاضوں کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ عملاً اس سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہماری یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مطالعہ سیرت نبوی ﷺ کی ضرورت و اہمیت

ایک ناگزیر ضرورت ہے کہ سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ کے جامع اور تفصیلی مطالعہ کا اہتمام کریں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کا نقشہ اس کے مطابق مرتب کرنے کی کوشش کریں کیونکہ اس کے بغیر نہ ہم دنیوی کامرانی و سر بلندی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں اور نہ اخروی فوز و فلاح کی خوش بختی ہمارا مقدر بن سکتی ہے!

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خالد بزئی

محمدی انقلاب

آپ ﷺ کے باب کرم پر ہو گیا جو باریاب	اس کے دل سے مٹ گیا ہر اضطراب و اضطراب
آپ ﷺ کے باعث ملی ہے دو جہاں کو روشنی	آپ ﷺ کے مرہون ہیں یہ ماہتاب و آفتاب
آپ ﷺ کی اک ضربتِ باطل شکن سے مٹ گئے	نانکھ، عزلے، منات و لات سب مثل حباب
شوکتِ ایران، شانِ روم، اقبالِ یمن	آپ ﷺ کی عظمت کے آگے پارہ پارہ آب
دھر سے سب اختلافِ فقر و دولت مٹ گیا	آپ ﷺ کے باعث زمانے میں ہوا وہ انقلاب
آپ ﷺ کا دین میں دنیا میں پھیلا چار سو	آپ ﷺ کے باعث زمانے میں ہوا وہ انقلاب
قیصر و کسر لے، فرید دن و سکندر مٹ گئے	سب سے بہتر باب ہے وہ سب سے برتر وہ جناب
آپ ﷺ کے دیں میں جو صدقِ دل سے شامل ہو گیا	اس جہاں میں سب سے بہتر زندگی کا ضابطہ
آپ ﷺ کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب	

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ